TAFSIR BIN KASIR

۷۸۶

تفسیر ابن کثیر اردو

جس پر
علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ
اس کے بعد کی تمام تفاسیر قرآن
اس سے ماخوذ ہیں

5243

مصنفہ

215-M
9

علامہ ابن کثیر

ترجمہ قرآن پاک

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی علیہ الرحمۃ

حواشی و اضافات

مولانا محمد انظر شاہ کشمیری مدرس دار العلوم دیوبند ابن حضرت مولانا علامہ
سید محمد انور شاہ کشمیری محدث دار العلوم

پارہ ۲

جزء ۳

ناشر

مکتبہ فیض القرآن دیوبند ضلع سہارنپور یوپی

تفسیر ابن کثیر اردو

کے جملہ حواشی، اضافات، ترمیم اور عنوانات جدیدہ
کے جملہ حقوق بحق مشہود اقبال مالک مکتبہ فیض القرآن دیوبند
محفوظ ہیں لہذا کوئی صاحب اس کی نقل چھاپنے کی کوشش نہ فرمائیں ورنہ
نقصان اٹھائیں گے

مکتبہ فیض القرآن دیوبند

215-u
9/

آپ کی علمی، عصری اور
اسلامی ضرورتوں کو پورا کرنے والا اور صحیح قرآن کریم و پارہ ہائے قرآن مجید
مستند و مفید تفاسیر اور اسلامی کتب کو فراہم و شائع کرنیوالا
اپنی نوعیت کا واحد مرکز ہے۔ اس کی کامیابی
و کامرانی کا راز آپ کی مخلصانہ خدمات
میں پوشیدہ ہے۔ (ناظم کتبخانہ)

طبع ——— ایک ہزار
مطبوعہ: ——— آزاد پریس دیوبند
ھدیہ: ——— پانچ روپے

377797

فہرست عنوانات تفسیر ابن کثیر اردو پارہ نمبر ۲ جز نمبر ۳

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	تحویل قبلہ، آیت کا شانِ نزول، اسلام خلاف طاقتوں کے بے سروپا اعتراضات کے شافی جوابات	۳	۳۰	لوگوں کے سوال ہڑپ کر لینا گناہِ عظیم ہے	۴۲	۶۰	ازدواجی رشتے اور آپ کی کچھ ہدایات	۷۶
۲	امت محمدیہ کی دوسری امم کے مقابلہ میں شہادت	۵	۳۱	لایعنی سوالات کا جواب ضروری نہیں	۴۳	۶۱	ایام حیض کے بعض احکام اور شریعت کی قائم کردہ حدود	۷۶
۳	تحویل قبلہ پر صحابہ کا حیرت انگیز استقلال	۷	۳۲	اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جدوجہد	۴۴	۶۲	ارحم الراحمین کی نظر لطف و کرم سے محروم	۸۰
۴	قرآنی بیان اور عبد اللہ بن سلام کی تصدیق	۹	۳۳	بعض مہینے جن میں جہاد مناسب نہیں	۴۶	۶۳	خدا کی ذات گرامی کی قسمیں کھانا بہت برا ہے	۸۱
۵	تحویل قبلہ بھی ایک انعام تھا اور اس سے بڑھکر انعام بعثت نبوی ہے		۳۴	ترک جہاد خودکشی کے مرادف ہے	۴۷	۶۴	ایلاء کے احکام	۸۳
۶	شکر اور صبر دونو کو دوش بدوش کرنے کی حکمت	۱۲	۳۵	اسلام کا تیسرا اعظیم الشان رکن	۴۸	۶۵	طلاق کے احکام اور مسائل	۸۴
۷	صبر کے بعد مصائب اور آسمانی افتاد کا ذکر لطف سے خالی نہیں	۱۳	۳۶	حج بیت اللہ کے متعین ایام	۵۳	۶۶	باہمی حقوق	۸۶
۸	شعائر اسلامی کا تذکرہ اور شانِ نزول	۱۴	۳۷	احرام کے بعد کیا چیزیں ممنوع ہیں	۵۵	۶۷	طلاق کے احکام اور مسائل	۸۷
۹	مسائل و حقائق کا اخفاء ظلم ہے	۱۶	۳۸	حج کا ایک رکن	۵۶	۶۸	آیت کا شانِ نزول	۸۷
۱۰	کائنات کا ذرہ ذرہ ایک دلیل ہے	۱۷	۳۹	حج کے بعض احکام جن سے غفلت عام ہے	۶۰	۶۹	عورت کو پریشان کرنا شرعاً ناجائز ہے	۹۱
۱۱	گناہِ عظیم	۱۸	۴۰	بعض ایام ہیں کہ ان میں ذکر بڑھ جانا چاہیے	۶۱	۷۰	نکاح ثانی سے عورت کو روکنا جرم ہے	۹۲
۱۲	رزاقِ عالم کون ہے؟ ایک سوال اور اس کا جواب	۱۹	۴۱	دنیا کی زندگی میں بعض چرب زبانوں کی کامیابی	۶۲	۷۱	شیر خوارگی کی مدت، احکام و مسائل	۹۳
۱۳	شیطان اور اس کی اطاعت	۲۰	۴۲	مومن کی دنیاوی زندگی کامیابی کا مرقع اور حسین انجام کی تمہید	۶۳	۷۲	عدت اور اس کے احکام	۹۵
۱۴	قبولیتِ دعا کے بعض اہم شرائط	۲۱	۴۳	اسلام پوری زندگی پر چھا جانا چاہیے	۶۴	۷۳	زمانۂ عدت میں نکاح کی خواہش مبہم الفاظ میں ہونی چاہیے	۹۷
۱۵	حرام اشیاء اور کھانوں کی کچھ تفصیل	۲۱	۴۴	اسلام سے روگردانی کرنے والے کیا بڑے عذاب کے منتظر ہیں؟	۶۵	۷۴	طلاق کی ایک اور صورت	۹۸
۱۶	باغی کی تفسیر اور تشریحی اقوال	۲۲	۴۵	مسلسل نشانیاں پیش ہوتی رہیں لیکن بنی اسرائیل کی غفلت بدستور قائم رہی	۶۶	۷۵	ضمنی مسائل ذیلی مباحث	۹۹
۱۷	جاہ و منزلت کے ناپائدار نقوش اسلام کو قبول کرنے سے مانع نہیں	۲۳	۴۶	نسلِ آدم ایک ہی طریقہ پر گامزن تھی	۶۷	۷۶	دنیا میں اس قدر انہماک کہ دین ہی ہاتھ سے جاتا رہے دینی ہلاکت ہے	۱۰۰
۱۸	ایمان کی تعریف اور اس کے برگ و بار	۲۴	۴۷	اتفاق کے بعد اختلاف کی خلیج وسیع ہوتی گئی	۶۷	۷۷	صلوٰۃ وسطیٰ کے بارے میں اختلاف اقوال	۱۰۱
۱۹	بعض مصارف خیر کی تفصیل	۲۵	۴۸	آپ کی ایک دعاء	۶۷	۷۸	صلوٰۃ خوف اور اس سے متعلق تفصیلات	۱۰۳
۲۰	قصاص امن و امان کی ضمانت ہے	۲۶	۴۹	ایک اور دعاء ماثورہ	۶۸	۷۹	میدانِ کارزار کے بعض احکام کے بعد شوہر کی وفات سے متعلق کچھ مسائل۔ ربط آیات کی واضح دلیل ہیں	۱۰۵
۲۱	قتل جو ایک موت تھی اس کے بعد وصیت کی طرف توجہ دلانا لطف سے خالی نہیں	۲۸	۵۰	جنت الفردوس جو سب سے بڑی کامیابی ہے آزمائش کے بغیر اس کا حاصل ہونا آسان نہیں	۶۸	۸۰	موت و حیات کے فیصلے منجانب اللہ ہیں	۱۰۶
۲۲	اسلام کا دوسرا اصلی ستون، اس کے احکام اور متعلقہ تفصیلات	۳۰	۵۱	مصارفِ خیر کی تفصیل	۶۹	۸۱	موت و حیات کے فیصلے ہو چکے اب جہاد سے فرار بزدلی ہے	۱۰۷
۲۳	کچھ تبدیلیاں	۳۱	۵۲	اعلاء کلمۃ الحق کے لیے جدوجہد کا فرمان	۶۹	۸۲	قرض حسنہ	۱۰۸
۲۴	ماہِ رمضان المبارک کی فضیلت	۳۳	۵۳	امنِ عامہ کے کچھ مہینے	۷۰	۸۳	ترغیب جہاد	۱۰۹
۲۵	بیمار کو روزہ نہ رکھنے کی رخصت	۳۴	۵۴	شراب کی حرمت اور بتدریج اس کی حرمت کی جانب شریعت کے قدم	۷۲	۸۴	طالوت کی شہنشاہیت	۱۱۰
۲۶	قضاء کس طرح ہوگی	۳۴	۵۵	خمر کے لغوی معنی	۷۳	۸۵	واقعہ کی تفصیل	۱۱۰
۲۷	دل کے آئینہ میں	۳۵	۵۶	خیر و خیرات میں اپنا خیال بھی ضروری ہے	۷۳	۸۶	قصہ کے بعض اور اجزاء	۱۱۱
۲۸	دعاء کی اہمیت، اس کے شرائط اور قبولیت دعاء کے اسباب	۳۶	۵۷	غور و فکر کی ضرورت	۷۳			
۲۹	ابتداء میں کچھ احکام روزے سے متعلق تھے، لیکن پھر منسوخ ہو گئے	۳۷	۵۸	یتیم سے متعلق چند احکام	۷۳			
			۵۹	ازدواجی رشتے شوہر اور بیوی کی نفسیات پر گہرے اثر ڈالتے ہیں اس لیے نکاح سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے	۷۴			

⁂

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِىْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ

اب تو (یہ) بے وقوف لوگ ضرور کہیں ہی گے کہ ان (مسلمانوں) کو ان کے (سابق سمت) قبلہ سے کہ بیت المقدس تھا جس طرف پہلے متوجہ ہوا کرتے تھے کس (بات) نے بدل دیا۔ آپ

الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ① وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ

فرما دیجئے کہ سب مشرق اور مغرب اللہ ہی کی ملک ہیں جس کو خدا ہی چاہیں (یہ) سیدھا طریق بتلا دیتے ہیں اور ہم نے تم کو ایسی ہی ایک جماعت بنا دی

اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ

ہے جو (ہر پہلو سے) نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم (مخالف) لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو اور تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ

گواہ ہوں اور جس سمت قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں (یعنی بیت المقدس) وہ تو محض اس لیے تھا کہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ کون تو رسول اللہ کا اتباع اختیار کرتا

مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ

ہے اور کون پیچھے کو ہٹتا جاتا ہے اور یہ قبلہ کا بدلنا (منحرف لوگوں پر) ہوا بڑا ثقیل (ہاں) مگر جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی ہے

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ②

اور اللہ تعالیٰ ایسے نہیں ہیں کہ تمہارے ایمان کو ضائع (اور ناقص) کر دیں (اور) واقعی اللہ تعالیٰ تو (ایسے) لوگوں پر بہت ہی شفیق (اور) مہربان ہیں۔

تحویل قبلہ، آیت کا شانِ نزول اسلام خلاف طاقتوں کے بے سروپا اعتراضات کے شافی جوابات

کہا جاتا ہے کہ بیوقوف لوگوں سے عرب کے مشرکین مراد ہیں ایک قول یہ ہے کہ علمائے یہود مراد ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ منافقین مراد ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی، آپؐ کی یہ خواہش تھی کہ آپ کا قبلہ خانۂ کعبہ ہو۔ چنانچہ حکم ملنے کے بعد آپؐ نے اس طرف منہ کر کے پہلی نماز عصر کی پڑھی جن لوگوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی تھی ان میں سے ایک شخص ایک مسجد کے پاس سے گذرا، وہاں لوگ رکوع میں تھے، اُس نے کہا خدا کی قسم میں نے مکہ کی طرف رُخ کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی ہے یہ سن کر وہ لوگ اسی حالت میں کعبہ کی طرف گھوم گئے۔ اور ایسے لوگ جو تبدیل قبلہ سے قبل انتقال کر گئے بہت سے تھے جو شہید ہوئے لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ ان کی نمازوں کے بارے میں کیا کہیں؟ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت وَمَا كَانَ اللّٰهُ الخ نازل فرمائی "یعنی اللہ تعالیٰ تم لوگوں کے ایمان ضائع نہ کریگا"، صحیح مسلم میں یہ روایت دوسری طرح سے ہے وہ یہ کہ "رسول اللہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے اور اکثر آسمان کی جانب نظریں اٹھا کر حکم کا انتظار کرتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی قَدْ نَرٰى الخ اور کعبہ شریف قبلہ مقرر ہوا۔ اس موقع پر مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں نے کہا، کاش ہم کو ان لوگوں کا حال معلوم ہوتا جو سمتِ قبلہ بدلنے سے قبل وفات پا گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ الخ نازل فرمائی۔ اہل کتاب میں سے بعض بیوقوفوں نے اس تبدیلیٔ قبلہ پر اعتراض کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آیت سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِىْ الخ نازل فرمائی۔" جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی تو بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا حکم ہوا تھا۔ اس سے یہودی بہت خوش تھے۔ مگر آپ قبلہ ابراہیمی کو پسند کرتے تھے چنانچہ جب تبدیلیٔ قبلہ کا حکم ہوا تو یہودیوں نے حسد کی وجہ سے اعتراضات کیے جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ "مشرق اور مغرب سب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے الخ" اس بارہ میں دوسری بہت سی احادیث بھی مروی ہیں

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آپ مکہ میں دو رکنوں کے درمیان صخرۂ بیت المقدس کو سامنے رکھکر نماز پڑھتے تھے۔ جب آپؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو ان دونوں کو جمع کرنا ناممکن ہوگیا۔ اس لیئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف نماز میں منہ کرنے کا حکم دیا۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ آپ کو اس بات کا حکم قرآن کے ذریعہ سے دیا گیا یا کسی دوسرے ذریعہ سے؟ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آپ کا اجتہادی امر تھا اور مدینہ آنے کے کئی ماہ بعد تک آپ اسی پر عامل رہے اگرچہ آپ اللہ تعالیٰ سے تبدیلی قبلہ کے خواستگار تھے بالآخر دُعا قبول کی گئی اور آپ نے اس طرف پہلی نماز عصر پڑھی۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ نماز ظہر تھی۔ حضرت ابو سعید ابن المعلی نے کہا کہ میں نے اور میرے ساتھی نے اوّل اوّل کعبہ کی طرف نماز پڑھی ہے اور یہ ظہر کی نماز تھی۔ بعض مفسرین وغیرہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جب قبلہ بدلنے کی آیت نازل ہوئی اس وقت آپ مسجد بنی سلمہ میں ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے دو رکعت ادا کر چکے تھے پھر باقی دو رکعتیں آپ نے بیت اللہ شریف کی طرف پڑھیں اسی وجہ سے اس مسجد کا نام ہی مسجدُ القبلتین یعنی دو قبلے والی مسجد ہے۔ حضرت نویلہ بنت مسلمؓ فرماتی ہیں کہ ہم ظہر کی نماز میں تھے کہ ہمیں خبر ملی۔ اور ہم نماز ہی میں گھوم گئے۔ مرد عورتوں کی جگہ آگئے اور عورتیں مردوں کی جگہ جا پہنچیں۔ ہاں اہل قبا کو دوسرے دن صبح کی نماز کے وقت یہ خبر پہنچی۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ لوگ مسجد قبا میں صبح کی نماز ادا کر رہے تھے۔ کسی آنیوالے نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رات کو حکم قرآنی نازل ہوا۔ اور کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم ہوگیا۔ چنانچہ ہم لوگ بھی شام کی طرف سے منہ ہٹا کر کعبہ کی طرف متوجہ ہوگئے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نئے حکم کی تعمیل کرنا اس وقت ہوتی ہے جب اس کا علم ہو جائے گو وہ پہلے ہی پہنچ چکا ہو اس لیئے کہ ان حضرات کو عصر مغرب اور عشاء کے لوٹانے کا حکم نہیں ہوا۔ واللہ اعلم۔ اب باطل پرست کمزور عقیدے والے باتیں بنانے لگے کہ اس کی کیا وجہ ہے کبھی اسے قبلہ ٹھیرایا جاتا ہے تو کبھی کسی اور کو۔ انھیں جواب ملا کہ حکم اور تصرف اور امر اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جدھر منہ کرو اسی طرف اس کا منہ ہے۔ بھلائی کچھ اسی میں نہیں آگئی بلکہ اصلیت تو ایمان کی مضبوطی ہے جو ہر حکم کے ماننے پر مجبور کر دیتی ہے اور اس میں گویا مومنوں کو ادب سکھایا گیا ہے کہ ان کا کام صرف حکم کی بجا آوری ہے۔ جدھر انھیں متوجہ ہونے کا حکم دیا جائے یہ متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اطاعت کے معنی اس کی حکم برداری کے ہیں اگر وہ ایک دن میں سو مرتبہ ہر طرف گھمائے تو ہم بخوشی گھوم جائیں گے ہم اس کے غلام ہیں ہم اس کے ماتحت ہیں اس کے فرمانبردار ہیں اور اس کے خادم ہیں جدھر وہ حکم دے گا منہ پھیر لیں گے۔ امتِ محمدیہ پر یہ بھی خدائے تعالیٰ کا اکرام ہے کہ انھیں خلیل الرحمٰن علیہ السلام کے قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا جو اسی خدائے لاشریک کے نام پر بنایا گیا ہے اور تمام تر فضیلتیں جسے حاصل ہیں۔ مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ یہودیوں کو ہم سے اس بات پر بڑا حسد ہے کہ خدا نے ہمیں جمعہ کے دن کی توفیق دی اور یہ اس سے بھٹک گئے۔ اور اس پر کہ ہمارا قبلہ یہ ہے اور وہ اس سے گمراہ ہوگئے۔ اور بڑا حسد ان کو ہمارے آمین کہنے پر بھی ہے جو ہم امام کے پیچھے کہتے ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اس پسندیدہ قبلہ کی طرف تمہیں متوجہ کرنا اس لیئے ہے کہ تم خود بھی پسندیدہ امت ہو تم اور امتوں پر قیامت کے دن گواہ بنے رہو گے کیونکہ وہ سب تمہاری فضیلت مانتے ہیں وَسَط کے معنی یہاں پر بہتر اور عمدہ کے ہیں جیسے کہا جاتا ہے کہ قریش نسب کے اعتبار سے وَسَطِ عرب ہیں اور کہا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام اپنی قوم میں وَسَط تھے یعنی اشرف نسب والے اور صلوٰۃ وسطیٰ یعنی افضل تر نماز جو عصر ہے جیسا کہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے اور چونکہ تمام امتوں میں یہ امت بھی بہتر افضل اور اعلیٰ تھی اس لیئے انھیں شریعت بھی کامل ملی راستہ بھی بالکل درست ملا اور دین بھی بہت واضح دیا گیا جیسے فرمان ہے ھُوَ اجْتَبٰكُمْ الخ اس خدا نے تمہیں چن لیا اور تمہارے دین میں کوئی تنگی نہیں کی۔ اپنے باپ ابراہیمؑ کے دین پر تم ہو اسی نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے اس سے پہلے بھی اور اس میں بھی تاکہ رسولؐ تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر۔

امتِ محمدیہ کی دوسری امم کے مقابلہ میں شہادت

مُسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں نوح علیہ السلام کو قیامت کے دن بلایا جائے گا اور ان سے دریافت کیا جائے گا کہ کیا تم نے میرا پیغام میرے بندوں کو پہنچا دیا تھا وہ کہیں گے کہ ہاں خدایا پہنچا دیا تھا۔ ان کی امت کو بلایا جائے گا اور ان سے پرسش ہوگی کہ کیا نوح علیہ السلام نے میری باتیں تمہیں پہنچائی تھیں؟ وہ صاف انکار کریں گے اور کہیں گے ہمارے پاس کوئی ڈرانیوالا نہیں آیا۔ نوح علیہ السلام سے کہا جائیگا تمہاری امت انکار کرتی ہے تم گواہ پیش کرو۔ یہ کہیں گے کہ ہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت میری گواہ ہے۔ یہی مطلب اس آیت وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ الخ کا ہے۔ وَسَط کے معنی عدل کے ہیں۔ اب تمہیں بلایا جائے گا اور گواہی دو گے اور میں تم پر گواہی دونگا (بخاری، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) مسند احمد کی ایک اور روایت میں ہے۔ قیامت کے دن نبی آئینگے

اور ان کے ساتھ ان کی امت کے صرف دو ہی شخص ہوں گے اور اس سے زیادہ بھی۔ اس کی امت کو بلایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا اس نبی نے تمہیں تبلیغ کی تھی؟ وہ انکار کریں گے۔ نبی سے کہا جائے گا تم نے تبلیغ کی۔ وہ کہیں گے ہاں، کہا جائے گا تمہارا گواہ کون ہے؟ وہ کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ اور آپ کی اُمت، پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت بلائی جائے گی اُن سے یہی سوال ہو گا کہ کیا اس پیغمبر نے تبلیغ کی؟۔ یہ کہیں گے ہاں، اُن سے کہا جائے گا کہ تمہیں کیسے علم ہوا؟ یہ جواب دیں گے کہ ہمارے پاس ہمارے نبی آئے اور آپ نے خبر دی کہ انبیاء علیہم السلام نے آپ کا پیغام اپنی اپنی امتوں کو پہنچایا یہی مطلب ہے اللہ عزوجل کے اس فرمان وَكَذٰلِكَ الخ کا۔ مسند احمد کی ایک اور حدیث میں وَسَطًا بمعنے عَدۡلًا آیا ہے۔ ابن مردویہ اور ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اور میری اُمت قیامت کے دن ایک اونچے ٹیلے پر ہوں گے تمام مخلوق میں نمایاں ہوں گے اور سب کو دیکھ رہے ہوں گے اس روز تمام دنیا تمنا کرے گی کہ کاش وہ بھی ہم میں سے ہوتے۔ جس جس نبی کی قوم نے اسے جھٹلایا ہے ہم دربارِ رب العالمین میں شہادت دیں گے کہ ان تمام انبیاء نے حق رسالت ادا کیا تھا۔ مستدرک حاکم کی ایک حدیث میں ہے کہ بنی مسلمہ کے قبیلے کے ایک شخص کے جنازے میں ہم حضورؐ کے ساتھ تھے لوگ کہنے لگے حضورؐ یہ بڑا نیک آدمی، بڑا متقی، پارسا اور سچا مسلمان تھا اور بھی بہت سی تعریفیں کیں، آپؐ نے فرمایا تم یہ کس طرح کہہ رہے ہو؟ انہوں نے کہا حضور باطن کا علم تو خدا ہی کو ہے لیکن ظاہر تو اس کی ایسی ہی حالت تھی۔ آپؐ نے فرمایا اس کے لیۓ واجب ہو گئی۔ پھر بنو حارثہ کے ایک شخص کے جنازے میں تھے۔ لوگ کہنے لگے حضرت یہ بُرا آدمی تھا، بڑا بدزبان اور کج خلق تھا۔ آپؐ نے اس کی بُرائیاں سُن کر پوچھا۔ تم کیسے یہ کہہ رہے ہو؟ انہوں نے بھی یہی کہا، آپؐ نے فرمایا اس کے لیۓ واجب ہو گئی۔ محمد بن کعبؒ اس حدیث کو سن کر فرمانے لگے اللہ کے رسولؐ سچے ہیں۔ دیکھو قرآن بھی کہہ رہا ہے وَكَذٰلِكَ الخ مسند احمد میں ہے ابو الاسود فرماتے ہیں۔ میں مدینہ میں آیا یہاں بیماری تھی۔ لوگ بکثرت مر رہے تھے۔ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا جو ایک جنازہ نکلا اور لوگوں نے مرحوم کی نیکیاں بیان کرنی شروع کیں۔ آپ نے فرمایا اس کے لیۓ واجب ہو گئی۔ اتنے میں دوسرا جنازہ نکلا لوگوں نے اس کی برائیاں بیان کیں۔ آپ نے فرمایا اس کے لیۓ واجب ہو گئی۔ میں نے کہا امیر المؤمنین کیا واجب ہو گئی؟ آپ نے فرمایا میں نے وہی کہا جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس مسلمان کی بھلائی کی شہادت چار شخص دیں، اللہ اُسے جنت میں داخل کرتا ہے ہم نے کہا حضور اگر تین دیں؟ آپ نے فرمایا تین بھی۔ ہم نے کہا اگر دو ہوں؟ آپ نے فرمایا دو بھی۔ پھر ہم نے ایک کی بابت سوال نہ کیا۔ ابن مردویہ کی ایک حدیث میں ہے، قریب ہے کہ تم اپنے بھلوں اور بُروں کو پہچان لیا کرو۔ لوگوں نے کہا حضور کس طرح؟ آپ نے فرمایا اچھی تعریف اور بُری شہادت سے تم زمین پر خدا کے گواہ ہو۔ پھر ارشاد ہے کہ اگلا قبلہ صرف امتحاناً تھا یعنی پہلے بیت المقدس کو قبلہ مقرر کر کے پھر کعبۃ اللہ کی طرف پھیرنا صرف اس لیۓ تھا کہ معلوم ہو جائے کہ سچا تابعدار کون ہے؟ اور جہاں آپ توجہ کریں وہیں اپنی توجہ کرنے والا کون ہے؟ اور کون ہے جو آپ کی تابعداری سے انکار کرتا ہے اور اس طرح مرتد ہو جاتا ہے یہ کام فی الحقیقت اہم کام تھا لیکن جن کے دلوں میں ایمان و یقین ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے پیروکار ہیں جو جانتے ہیں کہ حضورؐ جو فرمائیں سچ ہے۔ جن کا عقیدہ ہے کہ خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اپنے بندوں کو جس طرح چاہے حکم دے جو چاہے حکم منسوخ کر دے، جو چاہے باقی رکھے اس کا ہر کام ہر حکم حکمت سے پُر ہے۔ اُن پر اس حکم کی بجا آوری کچھ بھی مشکل نہیں۔ ہاں بیمار دل والے تو جہاں نیا حکم آیا اور انہیں اضطراب ہوا۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے وَاِذَا مَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ الخ یعنی جب کبھی کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو اُن میں سے بعض پوچھتے ہیں اس سے کس کا ایمان بڑھا؟ حقیقت یہ ہے کہ ایمانداروں کے ایمان بڑھتے ہیں اور ان کی خوشی بھی۔ اور بیمار دل والے کفر و انکار میں اور بڑھ جاتے ہیں اور جگہ فرمان ہے قُلۡ هُوَ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ فِىۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرٌ وَّهُوَ عَلَيۡهِمۡ عَمًى ؕ یعنی ایمان والوں کیلیۓ یہ ہدایت اور شفا ہے اور بے ایمان لوگوں کے کانوں میں بوجھ اور آنکھوں میں اندھاپن ہے۔ اور جگہ فرمان ہے وَنُنَزِّلُ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۙ وَلَا يَزِيۡدُ الظّٰلِمِيۡنَ اِلَّا خَسَارًا۔ یعنی ہمارا اتارا ہوا قرآن مومنوں کے لیۓ سراسر شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کا نقصان ہی بڑھتا رہتا ہے۔[1]

---

[1] یعنی قرآن کا انکار کرنے کی وجہ سے ان کی ضلالت و گمراہی اور بڑھتی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ قرآن نے ان کی گمراہی میں اضافہ کر دیا جیسا کہ طبیب کسی خطرناک مرض کی حالت میں کوئی نسخہ تجویز کرے اور مریض بجائے اس کو استعمال کرنے کے الٹی اس کی مخالفت شروع کر دے جس کے نتیجے میں اس کا مرض بڑھتا ہو تو یہ ہرگز نہیں کہا جائیگا کہ طبیب نے مرض بڑھایا۔ بلکہ مریض کی خود اپنی ضد اور ہٹ دھرمی نے اسکو خطرہ کی حالت تک پہنچا دیا ہے بس اسی طرح قرآن کی مخالفت کا بھی معاملہ سمجھو ۱۲ محشی

تحویل قبلہ پر صحابہؓ کا حیرت انگیز استقلال

اس واقعہ میں بھی تمام بزرگ صحابہ ثابت قدم رہے۔ اول اول سبقت کرنیوالے مہاجر اور انصار دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھنے والے ہیں۔ چنانچہ اوپر حدیث بیان ہو چکی کہ کس طرح وہ نماز پڑھتے ہوئے یہ خبر سن کر گھوم گئے۔ مسلم شریف میں روایت ہے کہ رکوع کی حالت میں تھے اور اسی میں کعبہ کی طرف پھر گئے۔ جس سے ان کی کمال اطاعت اور اعلیٰ درجہ کی فرمانبرداری ثابت ہوئی۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ خدا تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا یعنی تمہاری بیت المقدس کی طرف پڑھی ہوئی نمازیں رد نہیں ہوں گی۔ حضرت ابن عباس رضہ فرماتے ہیں۔ بلکہ ان کی اعلیٰ ایمانداری ثابت ہوئی۔ انہیں دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھنے کا ثواب عطا ہوگا اور یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ان کی تحویل قبلہ میں تمہاری اطاعت کو ضائع نہ کرے گا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ خدا رؤف رحیم ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قیدی عورت کو دیکھا جس سے اس کا بچہ چھوٹ گیا تھا وہ اپنے بچہ کو دیوانوں کی طرح تلاش کر رہی تھی اور جب وہ نہیں ملا تو قیدیوں میں سے جس کسی بچہ کو دیکھتی اسی کو گلے لگا لیتی یہاں تک کہ اس کا اپنا بچہ مل گیا خوشی خوشی لپک کر اسے گود میں اٹھا لیا، سینے سے لگا کر پیار کیا اور اس کے منہ میں دودھ دیا۔ یہ دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضہ سے فرمایا بتلاؤ کیا یہ خود اس بچہ کو آگ میں ڈال دے گی؟ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ہرگز نہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ کی قسم جس قدر یہ ماں اپنے بچہ پر مہربان ہے اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رؤف و رحیم ہے۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ

ہم آپ کے منہ کا (یہ) بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں اس لیے ہم آپ کو اسی قبلہ کی طرف متوجہ کر دیں گے جس کے لیے آپ کی مرضی ہے (لو) پھر اپنا چہرہ

شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ وَ

(نماز میں) مسجد حرام (کعبہ) کی طرف کیا کیجئے اور تم سب لوگ جہاں کہیں بھی موجود ہو اپنے چہروں کو اسی (مسجد حرام) کی طرف کیا کرو اور

اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ (۱۴۴)

یہ اہل کتاب بھی یقیناً جانتے ہیں کہ یہ (حکم) بالکل ٹھیک ہے (اور) ان کے پروردگار کی طرف سے (ہے) اور اللہ تعالیٰ انکی کاروائیوں سے بے خبر نہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ قرآن میں پہلا نسخ قبلہ کا حکم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ یہاں کے اکثر باشندے یہود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھنے کا حکم کیا یہود اس سے بہت خوش ہوئے، آپ کئی ماہ تک اسی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے لیکن خود آپ کی خواہش قبلہ ابراہیمی کی تھی۔ آپ اللہ سے دعائیں مانگا کرتے تھے اور نگاہیں آسمان کی طرف اٹھایا کرتے تھے۔ بالآخر آیت قَدْ نَرٰی الخ نازل ہوئی اس پر یہود کہنے لگے کہ اس قبلہ سے یہ کیوں ہٹ گئے؟ جس کے جواب میں کہا گیا کہ مشرق اور مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور فرمایا جدھر تمہارا منہ ہوا ادھر ہی خدا ہے۔ اور فرمایا کہ اگلا قبلہ امتحاناً تھا۔ اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد اپنا سر آسمان کی طرف اٹھاتے تھے اس پر یہ آیت اتری اور حکم ہوا کہ مسجد حرام کی طرف، کعبہ کی طرف، میزاب کی طرف منہ کرو۔ جبرئیل علیہ السلام نے امامت کرائی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد حرام میں میزاب کے سامنے بیٹھے ہوئے اس آیت پاک کی تلاوت کی اور فرمایا میزاب کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ امام شافعی رحہ کا بھی ایک قول تو یہ ہے کہ عین کعبہ کی طرف توجہ مقصود ہے۔ اور دوسرا قول آپ کا یہ ہے کہ کعبہ کی طرف رخ کر لینا ہی کافی ہے اور یہی مذہب اکثر ائمہ کرام کا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ مراد اس کی طرف ہے۔ ابو العالیہ، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، قتادہ، ربیع بن انس رحہ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔ ابن جریج کی حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بیت اللہ قبلہ ہے مسجد حرام والوں کا اور مسجد قبلہ ہے اہل حرم کا اور حرم قبلہ ہے تمام زمین والوں کا خواہ مشرق میں ہوں خواہ مغرب میں میری تمام

اُمت کا قبلہ یہی ہے۔ ابو نعیم میں بروایت براء رضؓ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سولہ سترہ مہینے تک تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی لیکن آپ کو پسند یہ امر تھا کہ بیت اللہ کی طرف پڑھیں۔ چنانچہ بحکم خدا سے آپؐ نے بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر عصر کی نماز ادا کی۔ پھر نمازیوں میں سے ایک شخص مسجد قبا والوں کے پاس گیا وہ رکوع میں تھے اس نے کہا میں حلفیہ گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ شریف کی طرف نماز ادا کی۔ وہ یہ سن کر جس حالت میں تھے اسی حالت میں بیت اللہ شریف کی طرف پھر گئے۔ عبد الرزاق میں بھی یہ روایت قدرے کمی بیشی کے ساتھ موجود ہے۔ نسائی میں حضرت ابو سعید بن معلی رضؓ سے روایت ہے کہ ہم صبح کے وقت مسجد نبوی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جایا کرتے تھے اور وہاں کچھ نوافل پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن ہم گئے تو دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا آج کوئی نئی بات ضرور ہوئی ہے۔ میں بھی بیٹھ گیا تو حضورؐ نے یہ آیت قَدْ نَرٰی الخ تلاوت فرمائی میں نے اپنے ساتھی سے کہا آؤ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوں اس سے پہلے ہی ہم اس نئے حکم کی تعمیل کریں اور اول فرمانبردار بن جائیں چنانچہ ہم ایک طرف ہو گئے اور سب سے پہلے بیت اللہ شریف کی طرف نماز پڑھی۔ پھر حضورؐ بھی منبر سے اُتر آئے اور اس قبلہ کی طرف پہلے نمازِ ظہر ادا کی گئی۔ ابن مردویہ میں بروایت ابن عمر رضؓ مروی ہے کہ پہلی نماز جو حضورؐ نے کعبہ کی طرف ادا کی وہ ظہر کی نماز ہے اور یہی نماز صلوٰۃِ وُسطیٰ ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ پہلی نماز کعبہ کی طرف عصر کی ادا ہوئی اسی وجہ سے اہلِ قبا کو دوسرے دن صبح کے وقت اطلاع پہنچی۔ ابن مردویہ میں بروایت نویلہ بنتِ مسلم موجود ہے کہ ہم مسجد بنو حارثہ میں ظہر یا عصر کی نماز بیت المقدس کی طرف منہ کیے ہوئے ادا کر رہے تھے۔ دو رکعت پڑھ چکے تھے کہ کسی نے آ کر قبلہ کے بدل جانے کی خبر دی۔ چنانچہ ہم نماز ہی میں بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو گئے اور باقی نماز اسی طرف ادا کی۔ اس گھومنے میں مرد عورتوں کی جگہ اور عورتیں مردوں کی جگہ آ گئیں۔ آپ کے پاس جب یہ خبر پہنچی تو خوش ہو کر فرمایا۔ یہ ہیں ایمان بالغیب رکھنے والے۔ ابن مردویہ میں بروایت عمارہ بن اوس رضؓ موجود ہے کہ رکوع کی حالت میں ہمیں اطلاع ہوئی اور ہم سب مرد، عورت، بچے اسی حالت میں اس قبلہ کی طرف گھوم گئے پھر ارشاد ہوتا ہے تم جہاں بھی ہو مشرق، مغرب، شمال، جنوب میں نماز کے وقت منہ کعبہ کی طرف کرو، لیکن علماء نے کہا ہے کہ سفر میں سواری پر نفل پڑھنے والا جدھر سواری جا رہی ہو ادھر ہی نفل ادا کرلے اس کے دل کی توجہ کعبہ کی طرف ہونی کافی ہے۔ اسی طرح میدانِ جنگ میں نماز پڑھنے والا جس طرح اور جس طرف بن پڑے نماز ادا کرلے۔ اور اسی طرح وہ شخص جسے قبلہ کی جہت کا قطعی علم نہیں وہ اندازے سے جس طرف زیادہ دل جھکے نماز ادا کرلے۔ پھر گو اس کی نماز فی الواقع قبلہ کی طرف نہ بھی ہوئی ہو تو بھی وہ خدا کے ہاں معاف ہے[عہ]۔ **مسئلہ** مالکیہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ نمازی حالت نماز میں اپنے سامنے اپنی نظریں رکھے نہ کہ سجدہ کی جگہ جیسے شافعیؒ احمدؒ اور ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے۔ اس لیے کہ آیت کے لفظ یہ ہیں کہ منہ مسجد حرام کی طرف کرو۔ اور اگر سجدے کی جگہ نظر جمانا چاہے گا تو قدرے جھکنا پڑے گا اور یہ تکلف خشوع کے خلاف ہوگا۔ بعض مالکیہ کا یہ قول بھی ہے کہ قیام کی حالت میں اپنے سینہ کی طرف نظر رکھے۔ قاضی شریح کہتے ہیں کہ قیام کے وقت سجدے کی جگہ نظر رکھے جیسے کہ جمہور علماء کا قول ہے اس لیے کہ یہ پورا پورا خشوع و خضوع ہے اور ایک حدیث بھی اس مضمون کی موجود ہے اور رکوع کی حالت میں اپنے قدموں کی جگہ پر نظر رکھے اور سجدے کے وقت ناک کی جگہ اور التحیات کے وقت اپنی آغوش کی طرف، پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہودی جو جی چاہیں باتیں بنائیں لیکن ان کے دل جانتے ہیں کہ قبلہ کی تبدیلی خدا کی جانب سے ہے اور برحق ہے کیونکہ یہ خود ان کی کتابوں میں بھی موجود ہے، لیکن یہ لوگ کفر و عناد اور تکبر و حسد کی وجہ سے اسے چھپاتے ہیں مگر اللہ بھی ان کے ان کرتوتوں سے بے خبر نہیں۔

وَلَئِنْ اَتَیْتَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ بِکُلِّ اٰیَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ج وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ج

اور اگر آپ (ان) اہل کتاب کے سامنے تمام (دنیا بھر کی) دلیلیں پیش کردیں جب بھی یہ (کبھی) آپ کے قبلہ کو قبول نہ کریں اور آپ بھی ان کے قبلہ کو قبول نہیں کرسکتے (پھر موافقت کی کیا صورت)

[عہ] فقہی اصطلاح میں اس کو تحری کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ قبلہ معلوم نہ ہونے کی صورت میں جس جانب قبلہ ہونے کا ظن غالب ہو ادھر ہی نماز پڑھ لی جائے اور کیونکہ تحری کے بعد جو سمت متعین کی تھی وہی اس کا قبلہ ہو گئی تھی اس لیے اب اگر بعد میں معلوم بھی ہو کہ اس جانب قبلہ نہیں تھا پھر بھی نماز کے لوٹانے کی ضرورت نہ ہوگی ۱۲ محشی +

وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّكَ

اور ان کا کوئی (فریق) بھی دوسرے (فریق) کے قبلہ کو قبول نہیں کرتا اور اگر آپ ان کے (ان) نفسانی خیالات کو اختیار کرلیں (اور وہ بھی) آپکے پاس علم (وحی) آئے پیچھے تو

اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (٤)

یقیناً آپ (نعوذ باللہ) ظالموں میں شمار ہونے لگیں ۔

یہودیوں کے کفر و عناد اور مخالفت و سرکشی کا بیان ہو رہا ہے کہ باوجودیکہ شان رسول ؐ کا انہیں علم ہے لیکن پھر بھی یہ حالت ہے کہ ہر قسم کے دلائل پیش کیے جانے کے باوجود حق کی پیروی نہیں کرتے ۔ جیسے اور جگہ ہے اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ یعنی جن لوگوں پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے گو ان کے پاس تمام آیتیں آجائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں ۔ اس کے بعد اپنے نبی کی استقامت بیان فرمائی ہے کہ جس طرح وہ ناحق پر اڑے ہوئے ہیں اور وہاں سے ہٹنا نہیں چاہتے تو وہ بھی سمجھ لیں کہ ہمارے نبی ایسے نہیں کہ ان کی باتوں میں آجائیں اور ان کی راہ لگ جائیں وہ ہمارے تابع فرمان ہیں اور ہماری مرضی کے عامل ہیں وہ ان کی غلط خواہش کی تابعداری ہرگز نہیں کریں گے ۔ نہ ان سے یہ ہو سکتا ہے کہ ہمارا حکم آجانے کے بعد ان کے قبلہ کی طرف توجہ کریں ۔ پھر بظاہر اپنے نبی کو خطاب کر کے اور واقعۃً علماء کو دھمکایا گیا ہے کہ حق کے واضح ہو جانے کے بعد کسی کے پیچھے لگ جانا اور اپنی یا دوسروں کی خواہش پرستی کرنا صریح ظلم ہے ۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ

جن لوگوں کو ہم نے کتاب (توراۃ و انجیل) دی ہے وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور بعضے ان میں سے امر واقعی کو باوجودیکہ خوب

يَعْلَمُوْنَ ۝ (٥) اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ (٦)

١٧
ع ٦
١

جانتے ہیں (مگر) اخفا کرتے ہیں ۔ (حالانکہ) یہ امر واقعی منجانب اللہ ثابت ہو چکا ہے سو ہرگز شک و شبہ لانیوالوں میں شمار نہ ہونا

ارشاد ہوتا ہے کہ علمائے اہل کتاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی باتوں کی حقانیت کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح باپ اپنے بیٹوں کو پہچانے ۔ یہ ایک مثال تھی جو کامل یقین کے وقت عرب بولا کرتے تھے ۔ ایک حدیث میں ہے ۔ ایک شخص کے ساتھ چھوٹا بچہ تھا ۔ آپ نے اس سے پوچھا یہ تیرا لڑکا ہے؟ اس نے کہا ہاں حضور آپ بھی گواہ رہیے ۔ آپ نے فرمایا نہ یہ تجھ پر پوشیدہ رہے نہ تو اس پر ۔

قرآنی بیان اور عبداللہ بن سلام ؓ کی تصدیق

قرطبی رح کہتے ہیں ۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام ؓ سے جو یہودیوں کے زبردست علامہ تھے پوچھا کیا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی جانتا ہے جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتا ہے؟ جواب دیا ہاں بلکہ اس سے بھی زیادہ ۔ اس لیے کہ آسمانوں کا امین فرشتہ زمین کے امین شخص پر نازل ہوا اور اس نے آپ کی صحیح تعریف بتلا دی یعنی حضرت جبرئیل ؑ حضرت عیسیٰ ؑ کے پاس آئے اور پھر پروردگار عالم نے آپ کی صفتیں بیان کیں جو سب کی سب آپ میں موجود ہیں ۔ پھر ہمیں آپ کے نبی برحق ہونے میں کیا شک رہا؟ ہم آپ کو بیک نگاہ کیوں نہ پہچان لیں؟ بلکہ ہمیں اپنی اولاد کے بارے میں شک ہو سکتا ہے لیکن آپ کی نبوت میں کچھ شک نہیں ۔ غرض یہ ہے کہ جس طرح لوگوں کے ایک بڑے مجمع میں ایک شخص اپنے لڑکے کو پہچان لیتا ہے اسی طرح حضور ؐ کے اوصاف جو اہل کتاب کی آسمانی کتابوں میں ہیں وہ آپ میں اسی طرح نمایاں ہیں کہ بیک نگاہ ہر شخص آپ کو جان جاتا ہے پھر فرمایا کہ باوجود اس علم حق کے پھر بھی یہ لوگ اسے چھپاتے ہیں پھر اپنے نبی اور مسلمانوں کو ثابت قدمی کا حکم دیا کہ خبردار تم ہرگز حق کے حق ہونے میں شک نہ کرنا ۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا

اور ہر شخص (ذی مذہب) کیواسطے ایک ایک قبلہ رہا ہے جس کی طرف وہ (عبادت میں) منہ کرتا رہا ہے سو تم نیک کاموں میں تگاپو کرو تم خواہ کہیں ہو گے (لیکن) اللہ تعالیٰ تم سب کو

إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

بالیقین اللہ تعالیٰ ہر امر پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ہر مذہب والوں کا ایک قبلہ ہے لیکن سچا قبلہ وہ ہے جس پر مسلمان ہیں۔ ابوالعالیہ رح کا قول ہے کہ یہود کا بھی قبلہ ہے، نصرانیوں کا بھی قبلہ ہے اور تمہارا بھی قبلہ ہے لیکن ہدایت والا قبلہ وہی ہے جس پر اے مسلمانو تم ہو۔ مجاہدؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ ہر ایک وہ قوم جو کعبہ کو قبلہ مانتی ہے وہ بھلائیوں میں سبقت کرے مُوَلِّيْهَا کی دوسری قرأت مُوَلَّاهَا ہے جیسے اور جگہ ہے لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً الخ یعنی ہر شخص کو اپنے اپنے قبلہ کی پڑی ہوئی ہے ہر شخص اپنی اپنی راہ لگا ہوا ہے۔ فرمایا کہ گو تمہارے جسم اور بدن مختلف ہو جائیں، گو تم ادھر اُدھر ہو جاؤ لیکن خدا تمہیں اپنی قدرت کاملہ سے اسی زمین سے جمع کر لے گا۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۗ وَمَا

اور جس جگہ سے بھی (کہیں سفر میں) آپ باہر جاویں تو بھی اپنا چہرہ (نماز میں) مسجد حرام (یعنی کعبہ) کی طرف رکھا کیجئے۔ اور یہ حکم عام قبلہ کا، بالکل حق ہے (اور) منجانب اللہ ہے

اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ② وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

اور اللہ تعالیٰ تمہارے کیے ہوئے کاموں سے اصلاً بے خبر نہیں۔ اور (مکرر کہا جاتا ہے کہ) آپ جس جگہ سے بھی (سفر میں) باہر جاویں اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف رکھیے

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ

اور تم لوگ جہاں کہیں (موجود) ہو اپنا چہرہ اسی کی طرف رکھا کرو تاکہ (ان مخالف) لوگوں کو تمہارے مقابلہ میں گفتگو (کی) مجال نہ رہے۔ مگر ان میں جو بالکل ہی بے انصاف

ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۗ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۗ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ③

ہیں تو ایسے لوگوں سے (اصلا) اصلا اندیشہ نہ کرو اور مجھ سے ڈرتے رہو اور تاکہ تم پر جو کچھ میرا انعام ہو اس کی تکمیل کر دوں اور تاکہ (دنیا میں) تم راہ راست (حق) پر رہو۔

یہ تیسری مرتبہ حکم ہو رہا ہے کہ روئے زمین کے مسلمانوں کو نماز کے وقت مسجد حرام کی طرف منہ کرنا چاہیئے۔ تین مرتبہ تاکید اس لیے کی گئی کہ یہ تبدیلی حکم پہلی ہی بار واقع ہوئی تھی۔ فخر الدین رازی رحؒ نے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ پہلا حکم تو ان کے لیئے ہے جو کعبہ کو دیکھ رہے ہیں۔ دوسرا حکم ان کے لیئے ہے جو مکہ میں ہوں لیکن کعبہ ان کے سامنے نہ ہو۔ تیسری بار انھیں حکم دیا جو مکہ کے باہر ہوں روئے زمین پر۔ قرطبیؒ نے ایک توجیہ یہ بھی بیان کی ہے کہ پہلا حکم مکہ والوں کو ہے، دوسرا اور شہر والوں کو، تیسرا مسافروں کو۔ بعض کہتے ہیں تینوں حکموں کا تعلق اگلی پچھلی عبارت سے ہے۔ پہلے حکم میں تو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طلب کا اور پھر اس کی قبولیت کا ذکر ہے اور دوسرے حکم میں اس بات کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کی یہ آرزو بھی ہماری مشیت کے مطابق تھی اور حق یہی تھا، اور تیسرے حکم میں یہودیوں کی کٹ حجتی کا جواب ہے کہ ان کی کتابوں میں پہلے سے موجود تھا کہ آپ کا قبلہ کعبہ ہوگا تو اس حکم سے وہ پیش گوئی بھی پوری ہوئی۔ ساتھ ہی مشرکین کی حجت بھی ختم ہوئی کہ وہ کعبہ کو متبرک اور مشرف مانتے تھے اور اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ بھی اسی کی طرف ہو گئی، رازی وغیرہ نے یہاں اس حکم کو بار بار لانے کی حکمتوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے واللہ اعلم۔ پھر فرمایا تاکہ اہل کتاب کی کوئی حجت تم پر باقی نہ رہے وہ جانتے تھے کہ اس امت کی صفت کعبہ کی طرف نماز پڑھنا ہے۔ جب وہ صفت نہ پائیں گے تو انھیں شک کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ لیکن جب انہوں نے اس قبلہ کی طرف رُخ کرتے ہوئے آپ کو دیکھ لیا تو اب انھیں کسی طرح کا شک نہ رہنا چاہیئے اور یہ بات بھی ہے کہ جب وہ تمہیں اپنے قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہوئے دیکھیں گے تو ان کے ہاتھ ایک بہانہ لگ جائے گا لیکن جب تم ابراہیمی قبلہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ گے تو ان کے لیئے کوئی اعتراض کا موقع نہ رہے گا۔ حضرت ابو العالیہؒ فرماتے ہیں یہود کی یہ حجت تھی کہ آج ہمارے قبلہ کو قبلہ بنایا ہے۔ کل ہمارا مذہب بھی مان لیں گے لیکن جب آپ نے خدا کے حکم سے اصل قبلہ اختیار کر لیا تو ان کی اس ہوس پر پانی پھر گیا۔ پھر فرمایا مگر جو ان میں سے ضدی لوگ ہیں وہ نہیں مان سکتے۔ جو مشرکین اعتراضاً کہتے تھے کہ یہ شخص ملت ابراہیمی پر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور پھر ابراہیمی قبلہ کی طرف نماز نہیں پڑھتا تو گویا انھیں جواب مل گیا کہ یہ نبی ہمارے احکام کا تبع ہے پہلے ہم نے اپنی کمال حکمت سے انھیں بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا جسے یہ بجا لائے پھر ابراہیمی

قبلے کی طرف پھر جانے کو کہا جسے جان و دل سے بجا لائے پس آپ ہر حال میں ہمارے احکام کے ماتحت ہیں (صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ واتباعہ وسلم) پھر فرمایا ان ظالموں کے شبہ ڈالنے سے تم شک میں نہ پڑو، ان باغیوں کی سرکشی سے تم خوف نہ کرو، ان کے بے سروپا اعتراضات کی مطلق پروا نہ کرو، ہاں میرے احکام کی مخالفت سے بالکل بچنا چاہیے۔ صرف مجھ ہی سے ڈرتے رہا کرو۔ قبلہ بدلنے میں جہاں یہ مصلحت تھی کہ لوگوں کی زبانیں بند ہو جائیں وہاں یہ بھی بات تھی کہ میں چاہتا تھا کہ اپنی نعمت تم پر پوری کر دوں اور قبلہ کی طرح تمہاری کل شریعت کامل کر دوں اور تمہارے دین کو ہر طرح مکمل کر دوں۔ اور اس میں یہ ایک راز بھی تھا کہ جس قبلہ سے اگلی امتیں بہک گئیں تم اس سے نہ ہٹو۔ ہم نے اس قبلہ کو خصوصیت کے ساتھ تمہیں عطا فرما کر تمہارا شرف اور تمہاری فضیلت و بزرگی تمام امتوں پر ثابت کر دی۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ

جیسے تم لوگوں میں ایک عظیم الشان رسول کو بھیجا تم ہی میں سے ہماری آیات (و احکام) پڑھ پڑھ کر تمکو سناتے ہیں اور (جہالت) سے تمہاری صفائی کرتے رہتے ہیں اور تمکو کتاب (الٰہی) اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں

مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۝ ۶ ع ۱۸ ۲

اور تمکو ایسی (مفید) باتیں تعلیم کرتے رہتے ہیں جنکی تمکو خبر بھی نہ تھی۔ ان (نعمتوں) پر مجھکو یاد کرو میں تمکو (عنایت سے) یاد رکھونگا اور میری (نعمت کی) شکر گذاری کرو اور میری ناسپاسی مت کرو۔

تحویل قبلہ بھی ایک انعام تھا اور اس سے بڑھکر انعام بعثت نبوی ہے

یہاں اللہ تعالیٰ اپنی بہت بڑی نعمت کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے ہم میں ہماری جنس کا ایک نبی مبعوث فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی روشن اور نورانی کتاب کی آیتیں ہمارے سامنے تلاوت فرماتا ہے اور رذیل عادتوں اور نفس کی شرارتوں اور جاہلیت کے کاموں سے ہمیں روکتا ہے اور ظلمت کفر سے نکال کر نور ایمان کی طرف رہبری کرتا ہے اور کتاب و حکمت یعنی قرآن و حدیث ہمیں سکھاتا ہے اور وہ راز ہم پر کھولتا ہے جو آج تک ہم پر نہیں کھلے تھے۔ پس آپ کی وجہ سے وہ لوگ جن پر قرنوں سے جہل چھایا ہوا تھا جنھیں صدیوں سے تاریکی نے گھیر رکھا تھا جن پر مدتوں سے بھلائی کا پرتو بھی نہیں پڑا تھا دنیا کی زبردست علامہ ہستیوں کے استاد بن گئے۔ وہ علم میں گہرے، تکلف میں تھوڑے، دلوں کے پاک اور زبان کے سچے بن گئے دنیا کی حالت کا یہ انقلاب بجائے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کا ایک کھلا عدل ہے۔ اور جگہ ارشاد ہے لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ الخ یعنی ایسے اولوالعزم پیغمبر کی بعثت مومنوں پر خدا کا ایک زبردست احسان ہے۔ اس نعمت کی قدر نہ کرنے والوں کو قرآن کہتا ہے اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا الخ۔ کیا تو نے نہیں دیکھا جنہوں نے خدا کی اس نعمت کے بدلے کفر کیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈال دیا نعمت اللہ سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اسی لئے اس آیت میں بھی اپنی نعمت کا ذکر فرما کر لوگوں کو اپنی یاد اور اپنے شکر کا حکم دیا کہ جس طرح میں نے یہ احسان تم پر کیا تم بھی میرے ذکر اور میرے شکر سے غفلت نہ کرو۔ موسیٰ علیہ السلام رب العزت سے عرض کرتے ہیں کہ خدایا تیرا شکر کس طرح کروں ارشاد ہوتا ہے مجھے یاد رکھ بھول نہیں، یاد شکر ہے اور بھول کفر ہے۔ حسن بصریؒ وغیرہ کا قول ہے کہ خدا کے یاد کرنے والے کو خدا بھی یاد کرتا ہے۔ اس کے شکر کرنیوالے کو وہ زیادہ دیتا ہے اور ناشکرے کو عذاب کرتا ہے۔ بزرگان سلف سے مروی ہے کہ خدا سے پورا ڈرنا یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے نافرمانی نہ کی جائے اس کا ذکر کیا جائے غفلت نہ برتی جائے اس کا شکر کیا جائے ناشکری نہ ہونی چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سوال ہوتا ہے کہ کیا زانی شرابی چور اور قاتل نفس کو بھی خدا یاد کرتا ہوگا۔ فرمایا ہاں برائی سے۔ حسن بصری رح فرماتے ہیں مجھے یاد کرو یعنی میرے ضروری احکام بجا لاؤ۔ میں تمہیں یاد کرونگا یعنی اپنی نعمتیں عطا فرماؤں گا۔ سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں میں تمہیں بخش دوں گا۔ اور اپنی رحمتیں تم پر نازل کرونگا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ خدا کا یاد کرنا تمہاری یاد خدا سے بہت بڑی چیز ہے۔ ایک حدیث قدسیؔ میں ہے جو مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور جو مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے میں بھی اسے اس سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔ مسند احمد میں ہے کہ وہ جماعت فرشتوں کی ہے جو شخص میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں اور اگر تو اے ابن آدم میری طرف ایک ہاتھ بڑھے گا تو میں تیری طرف دو ہاتھ بڑھونگا اور اگر تو میری طرف چلتا ہوا آئے گا تو میں تیری طرف دوڑتا

ع اصطلاح محدثین میں حدیث قدسی اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے روایت فرمائیں۔ لیکن حدیث قدسی کے پڑھنے سے نماز نہیں ہو سکتی۔ یہی فرق قرآن و حدیث قدسی میں ہے ۱۲ مولانا انظر شاہ۔

ہوا آؤں گا۔ صحیح بخاری میں بھی یہ حدیث ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سے بھی زیادہ قریب ہے۔ پھر فرمایا شکر کرو ناشکری نہ کرو۔ اور جگہ ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ الخ یعنی تیرے رب کی طرف سے عام آگہی ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں برکت دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو یاد رکھنا میرا عذاب سخت ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ عمران بن حصین رضؓ ایک مرتبہ نہایت قیمتی حلہ پہنے ہوئے آئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ جب کسی پر انعام کرتا ہے تو اس کا اثر اس پر دیکھنا چاہتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ① وَلَا

اے ایمان والو! صبر اور نماز سے سہارا حاصل کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ رہتے ہیں (اور نماز پڑھنے والوں کے ساتھ تو بدرجہ اولیٰ)

تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ②

جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں ان کی نسبت یوں بھی مت کہو کہ وہ (معمولی مُردوں کی طرح) مُردے ہیں بلکہ وہ تو ایک ممتاز حیات کے ساتھ زندہ ہیں لیکن تم (ان حواس سے) اس حیات کا

شکر اور صبر دونوں کو دوش بدوش ذکر کرنے کی حکمت

شکر کے بعد صبر کا بیان ہو رہا ہے اور ساتھ ہی نماز کا ذکر کر کے ان بڑے بڑے نیک کاموں کو ذریعہ نجات بنانے کا حکم ہو رہا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ انسان یا تو بھلائی میں ہوگا تو یہ موقعہ شکر کا ہے یا برائی میں ہوگا تو یہ موقعہ صبر کا ہے۔ حدیث میں ہے۔ مومن کی کیا ہی اچھی حالت ہے کہ ہر کام میں اس کے لیے سراسر بھلائی ہی بھلائی ہے اسے راحت ملتی ہے شکر کرتا ہے تو اجر پاتا ہے۔ رنج پہنچتا ہے صبر کرتا ہے تو اجر پاتا ہے۔ آیت میں اس کا بھی بیان ہوگا کہ مصیبتوں پر تحمل کرنے اور انہیں ٹالنے کا ذریعہ صبر و صلوٰۃ ہے جیسے اس سے پہلے گزر چکا کہ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَي الْخٰشِعِيْنَ ۝ صبر و صلوٰۃ کے ساتھ استعانت چاہو۔ یہ ہے تو اہم کام لیکن رب کا ڈر رکھنے والوں پر بہت آسان ہے۔ حدیث میں ہے جب کوئی کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غم میں ڈال دیتا تو آپ نماز شروع کر دیتے۔ صبر کی دو قسمیں ہیں۔ حرام اور گناہ کے کاموں کے ترک کرنے پر۔ اطاعت اور نیکی کے کاموں کے کرنے پر۔ یہ صبر پہلے صبر سے بڑا ہے۔ تیسری قسم صبر کی مصیبت اور درد دکھ پر یہ بھی واجب ہے جیسے عیبوں سے استغفار کرنا واجب ہے۔ حضرت عبدالرحمٰنؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں استقلال سے لگے رہنا گو نفس پر شاق گزرے طبیعت کے خلاف ہو، جی نہ چاہے ایک صبر تو یہ ہے۔ دوسرا صبر اللہ کی نامرضی کے کاموں سے رک جانا گو طبعی میلان اس طرف ہو خواہش نفس اکسا رہی ہو۔ امام زین العابدینؒ فرماتے ہیں قیامت کے دن ایک منادی ندا کریگا کہ صبر کرنے والے کہاں ہیں؟ اٹھیں اور بغیر حساب کتاب کے جنت میں چلے جائیں، کچھ لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور جنت کی طرف بڑھیں گے فرشتے انہیں دیکھ کر پوچھیں گے کہ کہاں جا رہے ہو؟ یہ کہیں گے جنت میں۔ وہ کہیں گے ابھی تو حساب بھی نہیں ہوا، کہیں گے ہاں حساب سے بھی پہلے۔ پوچھیں گے آخر آپ لوگ کون ہیں؟ جواب دیں گے ہم صابر لوگ ہیں خدا کی فرمانبرداری میں لگے رہے اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہے۔ مرتے دم تک اس پر اور اس پر صبر کیا اور جمے رہے۔ فرشتے کہیں گے پھر تو ٹھیک ہے بیشک تمہارا یہی بدلہ ہے اور اسی لائق تم ہو جاؤ جنت میں مزے کرو، اچھے کام والوں کا اچھا ہی انجام ہے یہی قرآن فرماتا ہے يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ صابروں کو ان کا پورا پورا بدلہ بے حساب دیا جائیگا۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں۔ صبر کے یہ معنی ہیں کہ خدائے تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کرے اور مصیبتوں کا بدلہ خدا کے ہاں جان کر ان پر ثواب طلب کرے، ہر گھبراہٹ، پریشانی اور کٹھن موقعہ پر استقلال اور نیکی کی امید پر وہ خوش نظر آئے پھر فرمایا کہ شہداء کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ ایسی زندگی میں ہیں جسے تم نہیں سمجھ سکتے۔ انہیں حیات برزخی حاصل ہے اور وہاں وہ روزیاں پا رہے ہیں۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ شہداء کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں ہیں اور جنت میں جس جگہ چاہیں چرتی چگتی پھرتی ہیں پھر ان قندیلوں میں آ کر بیٹھ جاتی ہیں جو عرش کے نیچے لٹک رہی ہیں۔ ان کے رب نے ایک مرتبہ انہیں دیکھا اور ان سے دریافت کیا کہ اب تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا۔ خدایا ہمیں تو تو نے وہ وہ دے رکھا ہے جو کسی کو نہیں دیا۔ پھر ہمیں کس چیز کی ضرورت ہوگی؟ ان سے پھر یہی سوال ہوا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اب ہمیں نہیں چھوڑا جاتا۔ تو کہا خدایا ہم چاہتے ہیں کہ تو ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج، ہم تیری راہ میں پھر جنگ کریں، پھر شہید ہو کر تیرے پاس آئیں اور شہادت کا دگنا درجہ پائیں۔ رب جل جلالہ نے فرمایا۔ یہ نہیں ہو سکتا یہ تو میں لکھ چکا ہوں کہ کوئی بھی مرنے کے بعد دنیا کی طرف پلٹ

نہیں جائیگا۔ مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ مومن کی روح ایک پرندہ ہے جو جنت کے درختوں پر رہتی ہے اور قیامت کے دن وہ اپنے جسم کی طرف لوٹ آئے گی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مومن کی روح وہاں زندہ ہے۔ لیکن شہداء کی روح کو ایک طرح کی شرافت، کرامت، عزت اور عظمت حاصل ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ

اور (دیکھو) ہم تمہارا امتحان کرینگے کسی قدر خوف سے اور فاقہ سے اور مال اور جان
کی اور پھلوں کی سے

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ③ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ④

اور آپ ایسے صابرین کو بشارت سنا دیجئے (جنکی یہ عادت ہے) کہ اُنپر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو (مع مال و اولاد حقیقتاً) اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں اور ہم سب اللہ ہی کے پاس جانیوالے ہیں۔ اُن لوگوں پر (جدا جدا) خاص خاص رحمتیں بھی انکے پروردگار کی طرف سے ہونگی اور (سب پر بالاشتراک) عام رحمت بھی ہوگی! اور یہی لوگ ہیں جنکی (حقیقت حال تک) رسائی ہوگئی

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۫ قف وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ⑤

صبر کے بعد مصائب اور آسمانی افتاد کا ذکر لطف سے خالی نہیں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کی آزمائش ضرور کرلیا کرتا ہے کبھی ترقی اور بھلائی سے اور کبھی تنزل اور برائی سے جیسے فرماتا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ الخ یعنی ہم آزما کر مجاہدوں اور صبر کرنیوالوں کو معلوم کرلیں گے۔ اور جگہ ہے فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ الخ مطلب یہ ہے کہ تھوڑا سا خوف کچھ بھوک، کچھ مال کی کمی کچھ جانوں کی کمی یعنی اپنوں اور غیروں کی، خویش و اقارب کی، دوست احباب کی موت، کبھی پھلوں اور پیداوار کے نقصان وغیرہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزما لیتا ہے۔ صبر کرنیوالوں کو نیک اجر اور اچھا بدلہ عنایت فرماتا ہے اور بے صبری، جلد بازی اور ناامیدی کرنیوالوں پر اس کے عذاب اُتر آتے ہیں۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ یہاں خوف سے مراد اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے، بھوک سے مراد روزوں کی بھوک ہے۔ مال کی کمی سے مراد زکوٰۃ کی ادائیگی ہے، جان کی کمی سے مراد بیماریاں ہیں، پھلوں سے مراد اولاد ہے۔ لیکن یہ تفسیر ذرا غور طلب ہے واللہ اعلم۔ اب بیان ہو رہا ہے کہ جن صبر کرنیوالوں کی خدا کے ہاں قدر ہے۔ وہ کون لوگ ہیں؟ پس فرماتا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو تنگی اور مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰهِ الخ پڑھ لیا کرتے ہیں اور اس بات سے اپنے دل کو تسلی دے لیا کرتے ہیں کہ وہ خدا کی ملکیت ہیں اور جو اُنھیں پہنچا ہے وہ خدا کی طرف سے ہے اور اُن میں جس طرح وہ چاہے تصرف کرتا رہتا ہے اور پھر خدا کے ہاں اس کا بدلہ ہے جہاں انھیں بالآخر جانا ہے۔ ان کے اس قول کی وجہ سے خدا کی نوازشیں اور الطاف ان پر نازل ہوتے ہیں عذاب سے نجات ملتی ہے اور ہدایت بھی نصیب ہوتی ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں دو برابر کی چیزیں صلوات اور رحمت اور ایک درمیان کی چیز یعنی ہدایت ان صبر کرنیوالوں کو ملتی ہے۔ مسند احمد میں ہے۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں۔ میرے خاوند حضرت ابو سلمہ رضہ ایک روز میرے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے ہو کر آئے اور خوشی خوشی فرمانے لگے آج تو میں نے ایک ایسی حدیث سُنی ہے کہ میں بہت ہی خوش ہوا ہوں۔ وہ حدیث یہ ہے کہ جس کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچے اور وہ کہے اَللّٰهُمَّ اْجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاخْلُفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا یعنی خدایا مجھے اس مصیبت میں اجر دے اور مجھے اس سے بہتر بدلہ عطا فرما تو اللہ تعالیٰ اُسے اجر اور بدلہ ضرور ہی دیتا ہے۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں۔ میں نے اس دعا کو یاد کرلیا۔ جب حضرت ابو سلمہؓ کا انتقال ہوا تو میں نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھ کر پھر یہ دعا بھی پڑھ لی لیکن مجھے خیال آیا کہ بھلا ابو سلمہؓ سے بہتر شخص مجھے کون مل سکتا ہے؟ جب میری عدت گذر چکی تو میں ایک روز ایک کھال کو دباغت دے رہی تھی جو آں حضور تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ میں نے اپنے ہاتھ دھو ڈالے کھال رکھدی اور حضورؐ سے اندر تشریف لانے کی درخواست کی اور آپ کو ایک گدی پر بٹھا دیا۔ آپؐ نے مجھ سے اپنا نکاح کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے کہا حضور یہ تو میری خوش قسمتی کی بات ہے لیکن اوّل تو میں بڑی باغیرت عورت ہوں ایسا نہ ہو کہ حضور کی طبیعت کے خلاف کوئی بات مجھ سے سرزد ہو جائے اور خدا کے ہاں عذاب ہو۔ دوسرے یہ کہ میں عمر رسیدہ ہوں، تیسرے بال بچوں والی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا! سنو! ایسی بے جا غیرت اللہ تعالیٰ تمہاری دور کردے گا اور عمر میں کچھ میں بھی چھوٹی عمر کا نہیں اور تمہارے بال بچے میرے ہی بال بچے ہیں۔ میں نے یہ سن کر کہا۔ پھر حضور مجھے کوئی

عنایت ہیں۔ چنانچہ میرا نکاح اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گیا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اس دعا کی برکت سے میرے میاں سے بہت ہی بہتر یعنی اپنا رسول عطا فرمایا۔ فالحمد للہ۔ صحیح مسلم شریف میں بھی یہ حدیث باختلاف الفاظ روایت ہے۔ مسند احمد میں حضرت علی رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کسی مسلمان کو کوئی رنج و مصیبت پہنچے اس پر گو زیادہ وقت گذر جائے پھر اسے یاد آئے اور وہ انا للہ الخ پڑھے تو مصیبت کے صبر کے وقت جو اجر ملا تھا وہی اب بھی ملے گا۔ ابن ماجہ میں ہے۔ حضرت ابو سنان رح فرماتے ہیں میں نے اپنے ایک بچے کو دفن کیا ابھی میں اس کی قبر میں سے نہ نکلا تھا کہ ابو طلحہ خولانی رض نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے نکالا اور کہا سنو! میں تمہیں ایک خوشخبری سناؤں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملک الموت سے دریافت فرماتا ہے کہ تو نے میرے بندے کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور اس کے کلیجے کا ٹکڑا چھین لیا بتلا اس نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں خدایا تیری تعریف کی اور انا للہ الخ پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کے لیے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ج فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ

تحقیقاً صفا اور مروہ منجملہ یادگار (دین) خداوندی ہیں سو جو شخص حج کرے بیت (اللہ) کا یا (اس کا) عمرہ کرے اس پر ذرا بھی گناہ نہیں۔ ان دونوں کے

بِهِمَا ط وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا لا فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ

درمیان آمد و رفت کرنے میں (جس کا نام سعی ہے) اور جو شخص خوشی سے کوئی امر خیر کرے تو حق تعالیٰ (اس کی بڑی) قدردانی کرتے ہیں (اور اس خیر کرنے والے کی نیت خلوص کو) خوب

شعائر اسلامی کا ایک تذکرہ اور شان نزول

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت عروہ رض دریافت کرتے ہیں کہ اس آیت سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طواف نہ کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ بھتیجے تم صحیح نہیں سمجھے اگر یہ بیان مد نظر ہوتا تو اَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا ہوتا۔ سنو! آیت شریف کا شان نزول یہ ہے کہ مشلل کے پاس مناۃ بت تھا اسلام سے پہلے انصار اسے پوجتے تھے اور جو اس کے نام لبیک پکار لیتا وہ صفا مروہ کے طواف میں حرج جانتا تھا۔ اب بعد از اسلام ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صفا مروہ کے طواف کے حرج کے بارے میں سوال کیا تو یہ آیت اتری کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ پھر حضور علیہ السلام نے صفا مروہ کا طواف کیا اس لیے مسنون ہوا اور کسی کے لیے مناسب نہ رہا کہ اسے ترک کر دے (بخاری و مسلم) ابو بکر بن عبد الرحمن نے جب یہ روایت سنی تو وہ کہنے لگے کہ بے شک یہ علمی بات ہے۔ میں نے تو اس سے پہلے یہ سنی ہی نہ تھی بعض اہل علم فرمایا کرتے تھے کہ انصار نے کہا تھا کہ ہمیں بیت اللہ کے طواف کا حکم ہے صفا مروہ کے طواف کا نہیں اس پر یہ آیت اتری۔ ممکن ہے کہ اس کے شان نزول یہ دونوں ہوں۔ حضرت انس رض فرماتے ہیں کہ ہم صفا مروہ کے طواف کو جاہلیت کا کام جانتے تھے اور اسلام کی حالت میں اس سے بچتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن عباس رض سے روایت ہے کہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان بہت سے بت تھے اور شیاطین رات بھر اس کے درمیان گھومتے رہتے تھے اسلام کے بعد لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہاں کے طواف کی بابت مسئلہ دریافت کیا جس پر یہ آیت اتری۔ اساف بت صفا پر تھا اور نائلہ مروہ پر۔ مشرک لوگ انہیں چھوتے اور چومتے تھے۔ اسلام کے بعد لوگ اس سے الگ ہو گئے لیکن یہ آیت اتری جس سے یہاں کا طواف ثابت ہوا۔ سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ اساف اور نائلہ دو مرد و عورت تھے ان بدکاروں نے کعبہ میں زنا کیا خدا نے انہیں پتھر بنا دیا۔ قریش نے انہیں کعبہ کے باہر رکھ دیا تاکہ لوگوں کو عبرت ہو لیکن کچھ زمانہ کے بعد ان کی عبادت شروع ہو گئی اور صفا مروہ پر لا کر نصب کر دیئے گئے اور ان کا طواف شروع ہو گیا۔ صحیح مسلم شریف کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت اللہ شریف کا طواف کر چکے تو رکن کو چھو کر باب الصفا سے نکلے اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا میں بھی شروع کروں گا اس سے جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا تم شروع کرو اس سے جس سے خدا نے شروع کیا۔ یعنی صفا سے چل کر مروہ جاؤ۔ حضرت حبیبہ بنت ابی تجزاۃ رض فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ صفا مروہ کا طواف کر رہے تھے لوگ آپ کے آگے آگے تھے اور آپ ان کے پیچھے تھے۔ آپ قدرے دوڑ لگا رہے تھے اور اس کی وجہ سے آپ کا تہبند آپ کے ٹخنوں کے درمیان ادھر ادھر ہو رہا تھا اور زبان مبارک سے فرماتے جاتے تھے لوگو! دوڑ کر چلو اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی لکھ دی ہے (مسند احمد) اسی کے ہم معنی ایک روایت

اور بھی ہے۔ یہ حدیث دلیل ہے ان لوگوں کی جو صفا مروہ کی سعی کو حج کا رکن جانتے ہیں۔ جیسے حضرت امام شافعی رحہ اور ان کے موافقین کا مذہب ہے امام احمدؒ سے بھی ایک روایت اسی طرح کی ہے۔ امام مالکؒ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے۔ بعض اسے واجب تو کہتے ہیں لیکن حج کا رکن نہیں کہتے۔ اگر عمداً یا سہواً کوئی شخص اسے چھوڑ دے تو ایک جانور ذبح کرنا پڑے گا۔ امام احمد رحہ سے ایک روایت اسی طرح مروی ہے۔ اور ایک اور جماعت بھی یہی کہتی ہے اور ایک قول میں یہ مستحب ہے۔ امام ابو حنیفہ رحہ، ثوری رحہ، شعبی رحہ، ابن سیرینؒ یہی کہتے ہیں۔ حضرت انس رضہ، ابن عمر رضہ اور ابن عباس رضہ سے یہی روایت ہے۔ امام مالک رحہ سے عتبیہ میں یہی روایت ہے۔ ان کی دلیل فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ہے لیکن پہلا قول ہی زیادہ راجح ہے اس لیے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود صفا مروہ کا طواف کیا اور فرمایا احکام حج مجھ سے لو۔ پس آپ نے اپنے اس حج میں جو کچھ کیا ہے وہ واجب ہو گیا اس کا کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی کام کسی خاص دلیل سے وجوب سے ہٹ جائے تو اور بات ہے۔ واللہ اعلم۔

علاوہ ازیں حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی لکھ دی یعنی فرض کر دی۔ غرض یہاں بیان ہو رہا ہے کہ صفا مروہ کا طواف بھی اللہ تعالیٰ کے شرعی احکام میں سے ہے جنہیں حضرت ابراہیمؑ کو بجا آوریٔ حج کے لیے سکھائے تھے یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس کی اصل حضرت ہاجرہ کا یہاں سات چکر لگانا ہے جبکہ حضرت ابراہیمؑ انھیں ان کے چھوٹے بچے سمیت یہاں چھوڑ کر چلے گئے تھے اور ان کے پاس کھانا پینا ختم ہو چکا تھا اور بچے کی جان پر آ بنی تھی۔ تب حضرت ہاجرہ نہایت بے قراری، بے بسی، ڈر، خوف اور اضطراب کے ساتھ ان پاک پہاڑوں کے درمیان اپنا دامن پھیلائے خدا سے بھیک مانگتی پھر رہی تھیں۔ یہاں تک کہ آپ کا غم و ہم، رنج و کرب، تکلیف و دکھ دور ہوا۔ یہاں کے چکر کرنے والے حاجی کو بھی چاہیے کہ نہایت ذلت و مسکنت، خضوع و خشوع سے یہاں چکر لگائے اور اپنی فقیری، حاجت اور ذلت خدا کے سامنے پیش کرے اور اپنے دل کی صلاحیت اور اپنے حال کی ہدایت اور اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرے اور نقائص اور عیبوں سے پاکیزگی اور نافرمانیوں سے نفرت چاہے اور ثابت قدمی، نیکی، فلاح اور بہبودی کی دعا مانگے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کرے کہ گناہوں اور برائیوں کی تنگی کی راہ سے ہٹا کر کمال و غفران اور نیکی کی توفیق بخشے جیسے کہ حضرت ہاجرہ کے حال کو اس مالک نے اِدھر سے اُدھر کر دیا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو شخص اپنی خوشی سے نیکی میں زیادتی کرے یعنی بجائے سات چکروں کے آٹھ نو کرے یا نفلی حج و عمرے میں بھی صفا مروہ کا طواف کرے اور بعضوں نے اسے عام رکھا ہے یعنی ہر نیکی میں زیادتی کرے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ قدر دان اور علم والا ہے یعنی تھوڑے سے کام پر بڑا ثواب دیتا ہے اور جزا کی صحیح مقدار کو جانتا ہے نہ تو وہ کسی کے ثواب کو کم کرے نہ کسی پر ذرہ برابر ظلم کرے، ہاں نیکیوں کا ثواب بڑھا کر عطا فرماتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم عنایت فرماتا ہے فللہ الحمد والشکر۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ

جو لوگ اخفا کرتے ہیں اُن مضامین کا جنکو ہم نے نازل کیا ہے جو کہ (اپنی ذات میں) واضح ہیں اور دوسروں کو ہادی ہیں بعد اسکے کہ ہم انکو کتاب (الٰہی توراۃ و انجیل) میں عام لوگوں پر ظاہر کر چکے ہوں

أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ

ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ بھی لعنت فرماتے ہیں اور دوسرے بہتیرے لعنت کرنے والے بھی اُن پر لعنت بھیجتے ہیں مگر جو لوگ توبہ کر لیں اور اصلاح کر دیں اور ان مضامین کو ظاہر کر دیں تو ایسے لوگوں پر میں متوجہ ہو جاتا

وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ

ہوں اور میری تو بکثرت عادت ہے توبہ قبول کر لینا اور مہربانی فرمانا۔ البتہ جو لوگ راہ حق پر نہ آئے اسلام نہ لاویں اور اسی حالت غیر اسلام پر مر جاویں ایسے لوگوں پر (لعنت مذکورہ) اللہ تعالیٰ کی اور

وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ۝

فرشتوں کی اور آدمیوں کی بھی سب کی (ایسے طور پر برسا کرے گی کہ) وہ ہمیشہ ہمیشہ کو اسی (لعنت) میں رہیں گے ان سے عذاب ہلکا نہ ہونے پاویگا اور نہ (داخل ہونے سے پہلے) انکو مہلت دی جاوے گی۔

---

[1] محض شعائر کے الفاظ سے رکنیت ثابت نہیں ہو سکتی۔ مزدلفہ کو مشعر حرام کہا گیا ہے لیکن مزدلفہ میں قیام اور رات گذارنا رکن حج نہیں ہے۔ نیز فلا جناح کے الفاظ سے رکنیت اور وجوب کے احتمالات خود ختم ہو جاتے ہیں ۱۲ الفرشاہ؛

مسائل وحقائق کا کتمان بڑا ظلم ہے

اس میں زبردست وعید ہے ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کی باتیں اور شرعی مسائل چھپا لیا کرتے ہیں۔ اہل کتاب نے نعتِ نبیؐ کو چھپا لیا تھا جس پر ارشاد ہوتا ہے کہ حق کے چھپانے والے ملعون لوگ ہیں۔ جس طرح اس عالم کے لئے جو لوگوں میں خدا کی باتیں پھیلائے ہر چیز استغفار کرتی ہے۔ یہاں تک کہ پانی کی مچھلیاں اور ہوا کے پرند بھی۔ اسی طرح ان لوگوں پر جو حق بات کو جانتے ہوئے گونگے اور بہرے بن جاتے ہیں۔ ہر چیز لعنت بھیجتی ہے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس شخص سے کسی شرعی امر کی نسبت سوال کیا جائے اور وہ اسے چھپا لے، اسے قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر یہ آیت نہ ہوتی تو میں ایک حدیث بھی بیان نہ کرتا۔ حضرت براء بن عازب رضؓ فرماتے ہیں۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں تھے آپ نے فرمایا کہ قبر میں کافر کی پیشانی پر اس زور سے ہتھوڑا مارا جاتا ہے کہ تمام جاندار اس کا دھماکا سنتے ہیں سوائے جن وانس کے، پھر وہ سب اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ یہی معنی ہیں کہ ان پر خدا کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔ یعنی تمام جانداروں کی۔ حضرت عطاء فرماتے ہیں لَاعِنُوْنَ سے مراد تمام جانور اور کل جن وانس ہیں۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں۔ جب خشک سالی ہوتی ہے، بارش نہیں برستی تو چوپائے جانور کہتے ہیں یہ بنی آدم کے گنہگاروں کے گناہ کی شومی سے ہے۔ اللہ تعالیٰ بنی آدم کے گنہگاروں پر لعنت نازل کرے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں اس سے مراد فرشتے اور مومن لوگ ہیں۔ حدیث میں ہے عالم کے لئے ہر چیز استغفار کرتی ہے۔ یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں بھی۔ اس آیت میں ہے کہ علم کے چھپانے والوں کو خدا لعنت کرتا ہے اور فرشتے اور تمام لوگ اور کل لعنت کرنے والے یعنی ہر با زبان اور ہر بے زبان چاہے زبان سے کہے چاہے قرائن سے اور قیامت کے دن بھی سب چیزیں ان پر لعنت کریں گی۔ واللہ اعلم۔ پھر ان میں سے ان لوگوں کو خاص کر لیا جو اپنے اس فعل سے باز آجائیں اور اپنے اعمال کی پوری اصلاح کر لیں اور جو چھپایا تھا اسے ظاہر کر دیں۔ ان لوگوں کی توبہ وہ خدائے تواب رحیم قبول فرما لیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص کفر و بدعت کی طرف لوگوں کو بلانے والا ہو وہ بھی جب سچے دل سے رجوع کرے تو اس کی توبہ بھی قبول ہے۔ بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اگلی امتوں میں ایسے زبردست، بدکاروں کی توبہ قبول نہ تھی لیکن نبی التوبہ اور نبی الرحمۃ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ساتھ یہ مہربانی مخصوص ہے

اس کے بعد ان لوگوں کا بیان ہو رہا ہے جو کفر کریں لیکن توبہ نصیب نہ ہو اور کفر کی حالت میں ہی مر جائیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ یہ لعنت ان پر ہمیشہ کے لئے مسلط ہو جاتی ہے اور قیامت تک ساتھ رہے گی اور دوزخ کی آگ میں لے جائے گی نہ تو عذاب میں کبھی کمی ہو نہ کبھی موقوف ہو بلکہ ہمیشہ سخت سے سخت عذاب ہوتے رہیں گے، نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ عَذَابِ اللّٰہِ۔ حضرت ابو العالیہ اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں۔ قیامت کے دن کافر کو ٹھیرایا جائے گا پھر اس پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے گا۔ پھر فرشتے پھر سب لوگ کافروں پر لعنت بھیجنے کے مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور آپ کے بعد کے ائمہ کرام سب کے سب قنوت وغیرہ میں کفار پر لعنت بھیجتے تھے لیکن کسی معین کافر پر لعنت بھیجنے کے بارے میں علماء کرام کا ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ جائز نہیں اس لئے کہ اس کے خاتمہ کا کسی کو علم نہیں اور اس آیت کی یہ قید کہ مرتے دم تک وہ کافر رہے دلیل ہے کسی معین کافر پر لعنت نہ بھیجنے کی، ایک دوسری جماعت اس کی بھی قائل ہے جیسے فقیہ ابو بکر ابن عربی مالکی لیکن ان کی دلیل ایک ضعیف حدیث ہے، بعضوں نے اس حدیث کو بھی دلیل میں پیش کیا ہے کہ حضورؐ کے پاس ایک شخص بار بار نشہ کی حالت میں لایا گیا اور اس پر بار بار حد لگائی گئی تو ایک شخص نے کہا اس پر خدا کی لعنت ہو بار بار شراب پیتا ہے۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر لعنت نہ بھیجو یہ اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص خدا رسولؐ سے دوستی نہ رکھے اس پر لعنت بھیجنی جائز ہے؎۔ واللہ اعلم۔

؎ یہ قیاس زیادہ صحیح نہیں ۱۲ انظر شاہ۔

وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ ع

اور (ایسا معبود) جو تم سب کا معبود بننے کا مستحق ہو وہ تو ایک ہی معبود (حقیقی) ہے اسکے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں (وہی) رحمٰن ہے اور رحیم ہے۔

یعنی خدائی میں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی ساجھی نہیں نہ اس جیسا کوئی ہے وہ واحد اور احد ہے وہ فرد اور صمد ہے اسکے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں، وہ رحمٰن اور رحیم ہے، سورۂ فاتحہ کے شروع میں ان دونوں ناموں کی پوری تفسیر گزر چکی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، اسم اعظم ان دونوں آیتوں میں ہے۔ ایک یہ آیت دوسری آیت الٓمّٓ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ۔ اسکے بعد اس توحید کی دلیل ہو رہی ہے، اسے بھی توجہ سے سنئے فرماتا ہے۔

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ

بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے میں اور جہازوں میں جو کہ

فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ

سمندر میں چلتے ہیں آدمیوں کے نفع کی چیزیں (اور اسباب) لے کر اور (بارش کے) پانی میں جسکو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے برسایا پھر اس سے زمین کو تروتازہ کیا اس کے خشک ہوئے

مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ

پیچھے اور ہر قسم کے حیوانات اس میں پھیلائے اور ہواؤں کے بدلنے میں اور ابر میں جو زمین و آسمان کے درمیان (مقید)

السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

(اور معلق) رہتا ہے دلائل (توحید کے موجود) ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل (سلیم) رکھتے ہیں۔

کائنات کا ذرہ ذرہ ایک دلیل ہے

مطلب یہ ہے کہ اس خدا کی خدائی اور اس کی توحید پر دلیل ایک تو یہ آسمان ہے جسکی بلندی لطافت کشادگی جسکے ٹھیرے ہوئے اور چلنے پھرنے والے روشن ستارے تم دیکھ رہے ہو۔ پھر زمین کی پیدائش جو کثیف چیز ہے جو تمہارے قدموں تلے بچھی ہوئی ہے جس میں بلند بلند چوٹیوں کے سر بفلک پہاڑ ہیں جس میں موجیں مارنے والے بے پایاں سمندر ہیں جس میں انواع و اقسام کے خوش رنگ بیل بوٹے ہیں جس میں طرح طرح کی پیداوار ہوتی ہے جس پر تم رہتے سہتے ہو اور اپنی مرضی کے مطابق آرام دہ مکانات بنا کر بستے ہو اور جس سے صدہا طرح کا نفع اٹھاتے ہو، پھر رات دن کا آنا جانا رات گئی دن آیا دن گیا رات آگئی نہ وہ اس پر سبقت کرے نہ یہ اس پر ہر ایک اپنے صحیح اندازے سے آئے اور جائے کبھی کے دن بڑے کبھی کی راتیں کبھی دن کا کچھ حصہ رات میں جائے کبھی رات کا کچھ حصہ دن میں آجائے، پھر کشتیوں کو دیکھو جو خود تمہیں اور تمہارے مال اسباب اور تجارتی چیزوں کو لیکر سمندر میں ادھر سے ادھر جاتی آتی رہتی ہیں، اس ملک والے اس ملک والوں سے اور اس ملک والے اس ملک والوں سے لین دین کر سکتے ہیں یہاں کی چیزیں وہاں اور وہاں کی یہاں پہنچ سکتی ہیں، پھر اللہ تعالیٰ کا اپنی رحمت کاملہ سے بارش برسانا اور اس سے مردہ زمین کو زندہ کر دینا، اس سے اناج اور کھیتیاں پیدا کرنا، چو طرف ریل پیل کر دینا، زمین میں مختلف قسم کے چھوٹے بڑے کار آمد جانوروں کو پیدا کرنا، ان سب کی حفاظت کرنا انہیں روزیاں پہنچانا انکے سونے بیٹھنے چرنے چگنے کی جگہ تیار کرنا، ہواؤں کو پروا پچھوا چلانا، کبھی ٹھنڈی کبھی گرم کبھی کم کبھی زیادہ بادلوں کو آسمان و زمین کے درمیان مسخر کرنا انہیں ایکطرف سے دوسری طرف لیجانا، ضرورت کی جگہ برسانا وغیرہ یہ سب قدرت خدا کی نشانیاں ہیں جن سے عقلمند اپنے خدا کے وجود کو اور اسکی وحدانیت کو پا لیتے ہیں، جیسے اور جگہ فرمایا کہ آسمان و زمین کی پیدائش اور رات دن کے ہیر پھیر میں عقلمندوں کیلئے نشانیاں ہیں جو اٹھتے بیٹھتے لیٹتے اللہ تعالیٰ کا نام لیا کرتے ہیں اور زمین آسمان کی پیدائش میں غور و فکر سے کام لیتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے رب تو نے انہیں بیکار نہیں بنایا تیری ذات پاک ہے تو ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ قریشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دے ہم اس سے گھوڑے اور ہتھیار وغیرہ خریدیں اور آپکا ساتھ دیں اور ایمان بھی لائیں آپ نے فرمایا پختہ وعدہ کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں پختہ وعدہ ہے آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا تمہاری دعا تو قبول ہے لیکن اگر یہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لائے تو ان پر خدا کا وہ عذاب آئیگا جو آج سے پہلے کسی پر نہ آیا ہو۔ آپ کانپ اٹھے اور عرض کرنے لگے نہیں خدایا تو انہیں یوں ہی رہنے دے میں انہیں تیری طرف بلاتا رہوں گا۔ کیا عجب آج نہیں کل اور کل نہیں پرسوں ان میں سے کوئی نہ کوئی تیری طرف جھک جائے اس پر یہ آیت اتری کہ اگر انہیں قدرت کی نشانیاں دیکھنی ہیں تو کیا یہ نشانیاں کچھ کم ہیں؟ اسکے علاوہ ایک اور شان نزول یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جب آیت وَاِلٰهُكُمْ الخ اتری تو مشرکین کہنے لگے ایک خدا تمام جہاں کا بندوبست کیسے کریگا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ وہ خدا اتنی بڑی قدرت والا ہے بعض روایتوں میں ہے کہ خدا کا ایک ہونا سنکر انہوں نے دلیل طلب کی جس پر یہ آیت نازل ہوئی اور نشان ملے قدرت ان پر ظاہر کیئے گئے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ

اور ایک آدمی وہ بھی ہیں جو علاوہ خدا تعالیٰ کے اوروں کو بھی شریک (خدائی) قرار دیتے ہیں ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ سے رکھنا ضروری ہے اور جو مومن ہیں ان کو

اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ لا اَنَّ الْقُوَّةَ

بھی) اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہایت قوی محبت ہے اور کیا خوب ہوتا اگر یہ ظالم (مشرکین) (جب دنیا میں)، کسی مصیبت کو دیکھتے تو اگر دقیق میں غور کرکے سمجھ لیا کرتے کہ سب قوۃ

لِلّٰهِ جَمِيْعًا لا وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ○ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ

حق تعالیٰ ہی کو ہے اور یہ سمجھ لیا کرتے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب (آخرۃ میں اور بھی) سخت ہوگا جبکہ وہ لوگ جن کے کہنے پر دوسرے چلتے تھے ان لوگوں سے صاف الگ ہو جاوینگے جو انکے کہنے

اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ○ وَقَالَ الَّذِيْنَ

پر چلتے تھے اور سب عذاب کا مشاہدہ کرلیں گے۔ اور باہم ان میں جو تعلقات تھے اس وقت سب قطع ہو جاوینگے اور یہ تابع لوگ یوں کہنے

اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ط كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ

لگیں گے کسی طرح ہم سب کو ذرا ایک دفعہ (دنیا میں) جانا مل جاتا تو ہم بھی ان سے صاف الگ ہو جاویں جیسا یہ ہم سے اس وقت صاف الگ ہو بیٹھے اللہ تعالیٰ یوں ہی ان کی بداعمالیوں

اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ط وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ○ ④ ع

کو خالی ارمان کرکے ان کو دکھلا دینگے اور ان کو دوزخ سے نکلنا کبھی نصیب نہ ہوگا۔

گناہ عظیم

اس آیت میں مشرکین کا دنیوی اور اخروی حال بیان ہو رہا ہے یہ خدا کا شریک مقرر کرتے ہیں، اس جیسا اور دل کو ٹھہراتے ہیں اور پھر ان کی محبت اپنے دل میں ایسی جماتے ہیں جیسی خدا کی ہونی چاہیئے حالانکہ وہ معبود برحق صرف ایک ہی ہے، وہ شریک اور ساجھی سے پاک ہے صحیحین میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے پوچھا یا رسول اللہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا خدا کیساتھ شرک کرنا حالانکہ پیدا اسی اکیلے نے کیا ہے۔ پھر فرمایا ایماندار اللہ تعالیٰ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں انکے دل عظمت الٰہی اور توحید ربانی سے معمور ہوتے ہیں، وہ نہ خدا کے سوا دوسرے کی ایسی محبت کریں نہ کسی اور کیطرف التجا کریں نہ دوسروں کیطرف جھکیں نہ اسکی پاک ذات کے ساتھ کسی کو شریک کریں پھر ان مشرکین کو جو اپنی جانوں پر بوجہ شرک کے ظلم کرتے ہیں عذابوں کی خبر پہنچاتا ہے کہ اگر یہ لوگ عذابوں کو دیکھ لیتے تو یقین ہو جاتا کہ قدرتوں والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، تمام چیزیں اسی کے ماتحت اور زیر فرمان ہیں اور اسکے عذاب بھی بڑے بھاری ہیں، جیسے اور جگہ ہے کہ اس دن نہ تو اسکے عذاب جیسا کوئی عذاب کرسکتا ہے نہ اسکی پکڑ جیسی کسی کی پکڑ ہو سکتی ہے، دوسرا یہ مطلب بھی ہے کہ اگر انہیں اس منظر کا علم ہوتا تو یہ اپنی گمراہی اور شرک و کفر پر ہرگز نہ اڑتے۔ اس دن بھی جن کو ان لوگوں نے اپنا پیشوا بنا رکھا ہے وہ سب ان سے الگ ہو جائینگے، فرشتے کہیں گے خدایا ہم ان سے بیزار ہیں یہ ہماری ہی عبادت نہیں کرتے تھے خدایا تو پاک ذات ہے تو ہی ہمارا ولی ہے، یہ لوگ تو جنات کی عبادت کرتے تھے انہیں پر ایمان رکھتے تھے اسیطرح جنات بھی ان کی بیزاری کا

اعلان کرینگے اور صاف صاف انکے دشمن ہو جائینگے اور عبادت سے انکار کریں گے۔ قرآن میں یہ بھی ہے کہ جن جن کی لوگ عبادت کرتے تھے وہ سب کے سب قیامت کے دن سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝ انکی عبادت سے انکار کریں گے اور انکے دشمن بن بیٹھینگے۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کا فرمان ہے اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا الخ تم نے خدا کے سوا بتوں کی محبت دل میں بٹھا کر انکی پوجا شروع کر دی ہے قیامت کے دن وہ تمہاری عبادت کا انکار کرینگے اور آپس میں ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا اور تمہارا مددگار کوئی نہ ہوگا۔ اور یہ بھی ارشاد ہے کہ وَلَوْ تَرٰى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ الخ یعنی یہ ظالم رب کے سامنے کھڑے ہونگے اور اپنے پیشواؤں سے کہہ رہے ہونگے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ایماندار بنجاتے، وہ جواب دینگے، کیا ہمنے تمہیں خدا پرستی سے روکا؟ حقیقت یہ ہے کہ تم خود مجرم تھے۔ وہ کہیں گے تمہاری دن رات کی مکاریاں تمہارے کفریہ احکام تمہاری شرک کی تعلیم نے ہمیں پھانس لیا۔ اب سب کو ندامت ہوگی اور ان کی گردنوں میں انکے اعمال کے بدلے طوق ہونگے اور جگہ ہے کہ اس دن شیطان بھی کہیگا اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ الخ یعنی خدا کا وعدہ تو سچا تھا اور میں تمہیں جو سبز باغ دکھا رہا تھا وہ محض دھوکہ تھا۔ تم پر میرا کوئی زور تو تھا ہی نہیں مگر میں نے تمہیں کہا تم نے منظور کر لیا اب مجھے ملامت کرنے سے کیا فائدہ؟ اپنی جانوں کو لعنت ملامت کرو نہ میں تمہاری فریادرسی کر سکونگا نہ تم میری میں تمہارے شرک سے انکاری ہوں جان لو کہ ظالموں کیلئے دردناک عذاب ہیں۔ پھر فرمایا کہ وہ عذاب دیکھ لیں گے اور تمام اسباب منقطع ہو جائیں گے نہ کوئی بھاگنے کی جگہ رہیگی نہ چھٹکارے کی کوئی صورت نظر آئیگی دوستیاں کٹ جائیں گی اور رشتے ٹوٹ جائینگے۔

بلا دلیل باتیں ماننے والے اور بیوجہ اعتقاد رکھنے والے اور پوجا پاٹ اور اطاعت کرنیوالے جب اپنے پیشواؤں کو اسطرح بری الذمہ ہوتے ہوئے دیکھیں گے تو نہایت حسرت و یاس سے کہینگے کہ اگر اب ہم دنیا میں پھر جائیں تو ہم بھی ان سے ایسے ہی بیزار ہو جائیں جیسے یہ ہم سے ہوئے نہ انکی طرف التفات کریں نہ انکی باتیں مانیں نہ انہیں شریک خدا سمجھیں بلکہ اللہ واحد کی خالص عبادت کریں، حالانکہ درحقیقت اگر بالفرض یہ لوٹائے بھی جائیں تو وہی کرینگے جو اس سے پہلے کرتے تھے جیسے فرمایا وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ ۝ اسی لئے یہاں فرمایا انہیں اللہ تعالےٰ انکے کرتوت اسیطرح دکھائیگا ان پر حسرت و افسوس ہے، یعنی اعمال نیک جو تھے وہ ضائع ہو گئے جیسے اور جگہ ہے وَقَدِمْنَا اِلٰى مَا عَمِلُوْا الخ اور جگہ ہے اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ الخ اور جگہ ہے اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ الخ یعنی انکے اعمال برباد ہیں۔ انکے اعمال کی مثال راکھ کیطرح ہے جسے تند ہوائیں اڑا دیں انکے اعمال ریت کیطرح ہیں جو دور سے پانی دکھائی دیتا ہے مگر پاس جاؤ تو ریت کا تودا ہوتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ لوگ آگ سے نکلنے والے نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ

اے لوگو جو چیزیں زمین میں موجود ہیں ان میں سے (شرعی) حلال پاک چیزوں کو کھاؤ (برتو) اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو فی الواقع

لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَاۗءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ وہ تم کو انہیں باتوں کی تعلیم کریگا جو کہ (شرعاً) بری اور گندی ہیں اور یہ (بھی تعلیم کریگا) کہ اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ کہ جسکی تم سند بھی نہیں رکھتے

رزاق عالم کون ہے؟

ایک سوال اور اسکا جواب

اوپر چونکہ توحید کا بیان ہوا تھا اسلئے یہاں یہ بیان ہو رہا ہے کہ تمام مخلوق کا روزی رساں بھی وہی ہے، فرماتا ہے کہ میرا یہ احسان بھی نہ بھلاؤ کہ میں نے تم پر پاکیزہ چیزیں حلال کیں جو تمہیں لذیذ اور مرغوب ہیں جو نہ جسم کو ضرر پہونچائیں نہ صحت کو نہ عقل و ہوش کو، میں تمہیں روکتا ہوں کہ شیطان کی راہ نہ چلو جسطرح اور لوگوں نے اسکی چال چل کر بعض حلال چیزیں اپنے اوپر حرام کرلیں، صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پروردگار عالم فرماتا ہے میں نے جو مال اپنے بندوں کو دیا ہے اُسے اُنکے لئے حلال کر دیا ہے میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا مگر شیطان نے اس دین حنیف سے انہیں ہٹا دیا اور میری حلال کردہ چیزوں کو ان پر حرام کر دیا۔ حضورؐ کے سامنے جسوقت اس آیت کی تلاوت ہوئی تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ نے کھڑے ہو کر کہا حضورؐ میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ تعالےٰ میری دعاؤں کو قبول فرمالیا کرے، آپ نے فرمایا اے سعدؓ پاک چیزیں اور حلال لقمہ کھاتے رہو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری دعائیں قبول فرماتا رہے گا۔ قسم ہے اُس خدا کی جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے حرام لقمہ جو انسان اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے اسکی شومی کی وجہ سے

چالیس دن اسکی عبادت قبول نہیں ہوتی، جو گوشت پوست حرام سے پلا وہ جہنمی ہے۔ پھر فرمایا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ جیسے اور جگہ ہے، کہ شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے دشمن سمجھو اس کی اور اس والوں کی تو یہ عین تمنا ہے کہ لوگوں کو عذاب میں جھونکیں، ایک اور جگہ فرمایا اَفَتَتَّخِذُوْنَہٗ وَذُرِّیَّتَہٗٓ اَوْلِیَآءَ الخ کیا تم اسے اور اس کی اولاد کو اپنا دوست جانتے ہو، حالانکہ حقیقتاً وہ تمہارا دشمن ہے ظالموں کیلئے برا بدلہ ہے،

شیطان اور اس کی اطاعت

خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ سے مراد خدائے تعالٰے کی ہر معصیت ہے جس میں شیطان کا اغوا ہوتا ہے شعبیؒ فرماتے ہیں ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ اپنے لڑکے کو ذبح کریگا، حضرت مسروق کے پاس جب یہ واقعہ پہنچا تو آپ نے فتویٰ دیا کہ وہ شخص ایک بھیڑ ذبح کر دے یہ نذر خطوات شیطان سے ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن بکری کا کھر نمک لگا کر کھا رہے تھے ایک شخص جو آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا وہ ہٹ کر دور جا بیٹھا آپ نے فرمایا کھاؤ اس نے کہا میں نہیں کھاؤں گا آپ نے پوچھا کیا روزے سے ہو؟ کہا نہیں میں تو اسے اپنے اوپر حرام کر چکا ہوں آپ نے فرمایا یہ شیطان کی راہ چلنا ہے اپنی قسم کا کفارہ دو اور کھا لو، ابو رافعؒ کہتے ہیں ایک دن میں اپنی بیوی پر ناراض ہوا تو وہ کہنے لگی کہ میں ایک دن یہودیہ ہوں ایک دن نصرانیہ ہوں اور میرے تمام غلام آزاد ہیں اگر تو اپنی بیوی کو طلاق نہ دے۔ اب میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس مسئلہ پوچھنے آیا کہ اس صورت میں کیا کیا جائے؟ تو آپ نے فرمایا یہ شیطان کے قدموں کی پیروی ہے پھر میں حضرت زینب بنت سلمہؓ کے پاس گیا اور اسوقت مدینہ بھر میں ان سے زیادہ فقیہ عورت کوئی نہ تھیں میں نے ان سے بھی یہی مسئلہ پوچھا یہاں سے بھی یہی جواب ملا، عاصم اور ابن عمرؓ نے بھی یہی فتویٰ دیا۔ حضرت ابن عباسؓ کا فتویٰ ہے کہ جو قسم غصہ کی حالت میں کھائی جائے اور جو نذر ایسی حالت میں مانی جائے وہ شیطانی قدم کی تابعداری ہے اس کا کفارہ قسم کے کفارے کے برابر دیدے۔ پھر فرمایا کہ شیطان تمہیں برے کاموں اور اس سے بھی بڑھ کر زناکاری اور اس سے بڑھ کر خدا پر ان باتوں کے تہمت تراشی کو کہتا ہے۔ جنکا تمہیں علم نہ ہو پس ہر کافر اور بدعتی اس میں داخل ہے جو برائی کا حکم کرے اور بدی کی طرف رغبت دلائے۔

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَیْنَا عَلَیْہِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ کَانَ اٰبَآؤُ

اور جب کوئی ان (مشرک) لوگوں سے کہتا ہے کہ اللہ تعالٰی نے جو حکم بھیجا ہے اس پر چلو تو کہتے ہیں کہ (نہیں) بلکہ ہم تو اسی (طریق) پر چلیں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے کیا اگرچہ انکے باپ دادا

هُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْـًٔا وَّلَا یَھْتَدُوْنَ ۝ وَمَثَلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ بِمَا

(دین کی) نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ (کسی آسمانی کتاب کی) ہدایت رکھتے ہوں اور ان کافروں کی کیفیت تو ناسمجھی میں اس (جانور) کی حالت کے مثل ہے کہ ایک شخص ہے وہ ایسے

لَا یَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ۭ صُمٌّۢ بُکْمٌ عُمْیٌ فَھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝

جانور کے پیچھے چلا رہا ہے جو بجز بلانے اور پکارنے کے کوئی بات نہیں سنتا ایسے ہی یہ کفار بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو سمجھتے کچھ نہیں۔

یعنی ان کافروں اور مشرکوں سے کہا جاتا ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی پیروی کرو اور اپنی ضلالت و جہالت کو چھوڑ دو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے بڑوں کی راہ لگے ہوئے ہیں جن چیزوں کی وہ پوجا پاٹ کرتے تھے ہم بھی کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے جس کے جواب میں قرآن کہتا ہے کہ وہ تو فہم و ہدایت سے غافل تھے، یہ آیت یہودیوں کے بارے میں اتری ہے۔ پھر ان کی مثال دی کہ جس طرح چرنے چگنے والے جانور اپنے چرواہے کی کوئی بات صحیح طور سے سمجھ نہیں سکتے صرف آواز کانوں میں پڑتی ہے اور کلام کی بھلائی برائی سے بے خبر رہتے ہیں۔ اسی طرح یہ لوگ ہیں، یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ یہ جن کو یہ خدا کے سوا پوجتے ہیں اور ان سے اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگتے ہیں، وہ نہ سنتے ہیں نہ جانتے ہیں نہ دیکھتے ہیں نہ ان میں زندگی ہے نہ انہیں کچھ احساس ہے، کافروں کی یہ جماعت حق کی باتوں کے سننے سے بہری ہے حق کہنے سے بے زبان ہے سیدھی راہ چلنے سے اندھی ہے عقل و فہم سے دور ہے جیسے اور جگہ ہے صُمٌّ وَّبُکْمٌ فِی الظُّلُمٰتِ یعنی ہماری باتوں کو جھٹلانے والے بہرے گونگے اور اندھیرے میں ہیں جسے خدا چاہے گمراہ کرے اور جسے وہ چاہے سیدھی راہ لگا دے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ

اے ایمان والو جو (شرع کی رو سے) پاک چیزیں ہم نے تمکو مرحمت فرمائی ہیں انہیں کو (جو چاہو) کھاؤ (برتو) اور حق تعالیٰ کی شکر گذاری کرو۔ اگر تم خاص ان کے ساتھ غلامی کا تعلق رکھتے ہو۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ج فَمَنِ اضْطُرَّ

اللہ تعالیٰ نے تو تم پر صرف حرام کیا ہے مردار کو اور خون کو (جو بہتا ہو) اور خنزیر کے گوشت کو (اسیطرح اسکے سب اجزا کو بھی) اور ایسی جانور کو جو (بقصد تقرب) غیر اللہ کا نامزد کر دیا گیا ہو پھر بھی جو شخص

غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

(بھوک سے) بہت ہی بیتاب ہو جاوے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ (قدر حاجت سے) تجاوز کرنیوالا ہو تو اس شخص پر کچھ گناہ نہیں واقعی اللہ تعالیٰ ہیں بڑے غفور رحیم۔

قبولیت دعا کے بعض اہم شرائط

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ تم پاک صاف اور حلال طیبہ چیزیں کھایا کرو اور میری شکر گذاری کرو۔ لقمۂ حلال دعا اور عبادت کی قبولیت کا سبب ہے اور لقمۂ حرام عدم قبولیت کا، مسند احمد میں حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لوگو اللہ تعالیٰ پاک ہے وہ پاک چیز کو قبول فرماتا ہے اُسنے رسولوں کو اور ایمان والوں کو حکم دیا کہ وہ پاک چیزیں کھائیں اور نیک اعمال کریں فرمان ہے يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ الخ اور فرمایا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ الخ پھر آپ نے فرمایا ایک شخص لمبا سفر کرتا ہے وہ پراگندہ بالوں والا غبار آلود ہوتا ہے اپنے ہاتھ آسمان کیطرف اٹھا کر دعا کرتا ہے اور گڑگڑا گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے۔ لیکن اس کا کھانا پینا، لباس اور غذا سب حرام کی ہیں، اس لئے اسکی ایسے وقت کی ایسی دعا بھی قبول نہیں ہوتی[1]۔

حرام اشیا اور کھانوں کی کچھ تفصیل

حلال چیزوں کا ذکر کرنے کے بعد پھر حرام چیزوں کا بیان ہو رہا ہے کہ تم پر مردار جانور جو اپنی موت آپ مر گیا ہو جسے شرعی طور پر ذبح نہ کیا گیا ہو حرام ہے خواہ کسی نے اس کا گلا گھونٹ دیا ہو یا لکڑی اور کنکر لگنے سے مر گیا ہو یا کہیں سے گر پڑا ہو اور مر گیا ہو، یا دوسرے جانوروں نے اپنے سینگ سے اسے ہلاک کیا ہو یا درندوں نے اسے مار ڈالا ہو یہ سب میتہ میں داخل ہے اور حرام ہے لیکن اس میں سے پانی کے جانور مخصوص ہیں وہ اگرچہ خود بخود مر جائیں تاہم حلال ہیں قرآن کہتا ہے اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ الخ اس کا پورا بیان اسی آیت کی تفسیر میں آئیگا انشاء اللہ تعالیٰ عنبر نامی جانور کا مرا ہوا ملنا اور صحابہ کا اُسے کھانا پھر حضور کو اس کی خبر ہونا اور آپ کا اسے جائز قرار دینا یہ سب حدیث میں ہیں، ایک اور حدیث میں ہے کہ سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے، ایک اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دو مردے اور دو خون ہم پر حلال ہیں مچھلی اور ٹڈی کلیجی اور تلی، سورۂ مائدہ میں اس کا بیان تفصیلاً آئے گا انشاء اللہ۔

مسئلہ۔ مردار جانور کا دودھ اور اسکے انڈے جو اسمیں ہوں نجس ہیں، امام شافعیؒ کا یہی مذہب ہے اسلئے کہ وہ بھی میت کا ایک جز ہے، امام مالکؒ سے ایک روایت میں ہے کہ ہے تو وہ پاک لیکن میت کے ملنے کیوجہ سے نجس ہو جاتی ہے اسیطرح مردار کی کھیس (جھوسی) بھی مشہور مذہب میں ان بزرگوں کے نزدیک ناپاک ہے گو اس میں اختلاف بھی ہے، صحابہؓ کا مجوسیوں کی پنیر کھانا گو اس پر بطور اعتراض کے وارد ہو سکتا ہے مگر اسکا جواب قرطبیؒ نے یہ دیا ہے کہ دودھ بہت ہی کم ہوتا ہے اور کوئی بہنے والی ایسی تھوڑی سی چیز جب زیادہ میں پڑ جائے تو کوئی حرج نہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گھی پنیر اور گورخر کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو آپ فرماتے ہیں حلال وہ ہے جسے خدا نے اپنی کتاب میں حلال بتایا اور حرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام کیا اور جسکا بیان نہیں وہ سب معاف ہیں۔ پھر فرمایا تم پر سؤر کا گوشت بھی حرام ہے خواہ اسے ذبح کیا ہو خواہ وہ خود مر گیا ہو، سؤر کی چربی کا بھی حکم یہی ہے اس لئے کہ چونکہ اکثر گوشت ہی ہوتا ہے اور چربی گوشت کے ساتھ ہی ہوتی ہے پس جب گوشت حرام ہوا تو چربی بھی حرام ہوئی، دوسرے اسلئے بھی کہ گوشت میں ہی چربی ہوتی ہے اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے۔ پھر فرمایا کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے نام پر مشہور کیجائے وہ بھی حرام ہے جاہلیت کے زمانہ میں کافر لوگ اپنے معبودان باطل کے

---

[1] یعنی باوجودیکہ اس پریشانی اور بے سروسامانی کے عالم میں دعاؤں کے مقبول ہونیکے امکانات بہت زیادہ تھے لیکن اکل حلال کے نہ ہونے کیوجہ سے دعا مقبول نہ ہو سکی۔

(انظر شاہ)

نام پر جانور ذبح کیا کرتے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا۔ ایک مرتبہ ایک عورت نے گڑیا کے نکاح پر ایک جانور ذبح کیا تو حسن بصریؒ نے فتویٰ دیا کہ اُسے نہ کھانا چاہیئے اسلئے کہ وہ ایک تصویر کیلئے ذبح کیا گیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال ہوتا ہے کہ عجمی لوگ جو اپنے تہوار اور عید کے موقعہ پر جانور ذبح کرتے ہیں اور مسلمانوں کو بھی اُس میں سے ہدیہ بھیجتے ہیں ان کا گوشت کھانا چاہیئے یا نہیں؟ تو فرمایا اس دن کی عظمت کیلئے جو جانور ذبح کیا جائے اُسے نہ کھاؤ ہاں ان کے درختوں کے پھل کھاؤ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ضرورت اور حاجت کے وقت جبکہ کچھ اور کھانے کو نہ ملے ان حرام چیزوں کا کھالینا مباح کیا اور فرمایا جو شخص بے بس ہو جائے اور وہ باغی سرکش اور حد سے بڑھ جانے والا نہ ہو اس پر ان چیزوں کے کھانے میں گناہ نہیں اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے۔

باغی کی تفسیر اور تشریحی اقوال

باغ اور عادٍ کی تفسیر میں حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں۔ ڈاکو راہزن مسلمان بادشاہ پر چڑھائی کرنیوالا سلطنت اسلام کا مخالف اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں سفر کرنیوالا مراد ہے انہیں اس اضطرار کے وقت بھی حرام چیزیں حرام ہی رہتی ہیں، غَیْرَ بَاغٍ کی تفسیر حضرت مقاتل بن حیان یہ بھی کرتے ہیں کہ وہ اُسے حلال سمجھنے والا نہ ہو، اور اسمیں لذت اور مزہ کا خواہشمند نہ ہو، اُسے بھون بھان کر لذیذ بنا کر اچھا پکا کر نہ کھائے بلکہ جیسا تیسا صرف جان بچانے کے لئے کھائے اور اگر ساتھ لے تو اتنا کہ زندگی کیساتھ حلال چیز کے ملنے تک باقی رہ جائے، جب حلال چیز مل گئی اسے پھینکدے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اُسے خوب پیٹ بھر کر نہ کھائے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں جو شخص اس کے کھانے کیلئے مجبور کر دیا جائے اور بے اختیار ہو جائے اسکا بھی یہی حکم ہے۔ مسئلہ ایک شخص بھوک کے مارے بے بس ہو گیا ہے اُسے ایک مردار جانور نظر پڑا اور کسی دوسرے کی حلال چیز بھی دکھائی دی جس میں نہ رشتہ کا ٹوٹنا ہے نہ ایذا دہی تو اُسے اُس دوسرے کی چیز کو کھالینا چاہیئے مردار نہ کھائے پھر آیا اس چیز کی قیمت یا وہ چیز اس کے ذمہ رہیگی یا نہیں اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ رہیگی دوسرے یہ کہ نہ رہیگی۔ نہ رہنے والے قول کی تائید میں یہ حدیث ہے جو ابن ماجہ میں ہے۔ حضرت عباد بن شرحبیل غبریؓ کہتے ہیں ہمارے ہاں ایک سال قحط سالی کی شدت ہوئی میں مدینہ گیا اور ایک کھیت میں سے کچھ بالیں توڑ کر چھیل کر دانے چبانے لگا اور تھوڑی سی بالیں اپنی چادر میں باندھ کر لئے چلا کھیت والے نے دیکھ لیا اور مجھے پکڑ کر مارا پیٹا اور میری چادر چھین لی۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا، اور آپ سے واقعہ عرض کیا تو آپ نے اس شخص کو کہا اس بھوکے کو نہ تو تو نے کھانا کھلایا نہ اس کیلئے کوئی اور کوشش کی نہ اسے کچھ سمجھایا سکھایا یہ بیچارہ بھوکا تھا۔ نادان تھا جاؤ اس کا کپڑا واپس کر دو اور ایک وسق یا آدھا وسق غلہ اسے دیدو (ایک وسق چار من کے قریب ہوتا ہے) ایک اور حدیث میں ہے کہ درختوں میں لگے ہوئے پھلوں کی نسبت حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا جو حاجتمند شخص ہیں کچھ کھالے لیکر نہ جائے اس پر کچھ جرم نہیں الخ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں مطلب آیت کا یہ ہے کہ اضطرار اور بے بسی کے وقت بے بسی اور اضطرار ہٹ جائے اتنا کھالینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ تین لقموں سے زیادہ نہ کھائے غرض ایسے وقت میں خدا کی مہربانی اور نوازش سے یہ حرام اسکے لئے حلال ہے۔

ایک اہم مسئلہ

حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں اضطرار کے وقت بھی جو شخص حرام چیز نہ کھائے اور مر جائے وہ جہنمی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ایسے وقت ایسی چیز کھانی ضروری ہے نہ کہ صرف رخصت ہی ہو یہی بات زیادہ صحیح ہے جیسے بیمار کا روزہ چھوڑ دینا وغیرہ۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۙ أُولٰئِكَ

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتاب (کے مضامین) کا اخفا کرتے ہیں اور اسکے معاوضہ میں (دنیا کا) متاع قلیل وصول کرتے ہیں۔ ایسے لوگ

مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۚ وَلَهُمْ

اور کچھ شبہ نہیں اپنے شکم میں آگ (ہی آگ) بھر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے نہ تو قیامت میں (لطف کے ساتھ) کلام کریں گے اور نہ (ان کے گناہ معاف کر کے) انکی صفائی کرینگے اور ان کو

عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ أُولٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ

سزائے دردناک ہوگی یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے (دنیا میں تو) ہدایت چھوڑ کر ضلالت اختیار کی اور (آخرت میں) مغفرت چھوڑ کر عذاب (سر پر لیا)

فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۭ وَ

سو دوزخ کے لئے کیسے باہمت ہیں ۔ یہ (ساری مذکورہ) سزائیں (ان کو) اسوجہ سے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اس کتاب کو ٹھیک ٹھیک بھیجا تھا۔ اور

اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿ع﴾ ع

جو لوگ (ایسی) کتاب میں بے راہی کریں وہ بڑی دور کے خلاف میں ہونگے

چاہ و منزلت کے ناپائیدار نقوش اسلام کو قبول کرنے سے مانع ہے!

یعنی جو یہودی نبیؐ کی صفات کی آیتوں کو جو توراۃ میں ہیں چھپاتے ہیں اور اس باعث اپنی آؤ بھگت عرب سے کراتے ہیں اور عوام سے تحفے اور ہدیے سمیٹتے رہتے ہیں، اور اس دنیائے دنی کے بدلے اپنی آخرت سے خراب کر رہے ہیں، انہیں ڈر لگا ہوا ہے کہ اگر حضورؐ کی نبوت کی سچائی اور آپکے دعوے کی تصدیق کی آیتیں جو توراۃ میں ہیں لوگوں پر ظاہر ہو گئیں تو لوگ آپکے ماتحت ہو جائیں گے اور انہیں چھوڑ دینگے اس خوف سے وہ ہدایت و مغفرت کو چھوڑ بیٹھے اور ضلالت و عذاب پر خوش ہو گئے اس باعث دنیا اور آخرت کی بربادی انپر نازل ہوئی، آخرت کی رسوائی تو ظاہر ہے، لیکن دنیا میں بھی لوگوں پر ان کا مکر کھل گیا، وقتاً فوقتاً وہ آیتیں جنہیں یہ بدترین علماء چھپاتے رہے تھے ظاہر ہو گئیں علاوہ ازیں خود حضورؐ کے معجزات اور آپکی پاکیزہ عادتوں نے لوگوں کو آپ کی تصدیق پر آمادہ کر دیا اور ان کی وہ جماعت جس کے ہاتھ سے نکل جانے کے ڈر نے انہیں کلام خدا چھپانے پر آمادہ کیا تھا بالآخر ہاتھ سے جاتی رہی ان لوگوں نے حضورؐ سے بیعت کر لی ایمان لے آئے اور آپکے ساتھ مل کر ان حق کے چھپانے والوں کی جانیں لیں اور ان سے باقاعدہ جہاد کیا، قرآن کریم میں ان کی ایسی بیہودہ کوششیں جگہ جگہ بیان کی گئیں یہاں بھی فرمایا کہ یہ مال جو خدا کی باتوں کو چھپا کر تم کماتے ہو یہ دراصل آگ کے انگارے ہیں جنہیں تم اپنے پیٹ میں بھر رہے ہو، قرآن کریم نے ان لوگوں کے بارے میں جو یتیموں کا مال ظلم سے کھا جائیں یہی فرمایا ہے کہ وہ بھی اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھر رہے ہیں اور قیامت کے دن بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص سونے چاندی کے برتن میں کھاتا پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے ۔ پھر فرمایا ان سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات چیت بھی نہ کریگا، نہ انہیں پاک کریگا بلکہ المناک عذابوں میں مبتلا رہیں گے اس لئے کہ ان کے اس کرتوت کی وجہ سے خدا کا غضب ان پر نازل ہوا ہے اور اب انپر سے نظرِ رحمت ہٹ گئی ہے اور یہ ستائش اور تعریف کے قابل نہیں رہے بلکہ سزایاب ہوں گے اور وہاں تلملاتے رہیں گے حدیث شریف میں ہے تین قسم کے لوگوں سے اللہ بات چیت نہ کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا نہ انہیں پاک کریگا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہیں بڈھا زانی ۔ پادشاہ جھوٹا فقیر متکبر۔ پھر فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی لے لی انہیں چاہیئے تھا کہ توراۃ میں جو خبریں حضورؐ کی نسبت تھیں انہیں ان پڑھوں تک پہنچاتے لیکن اس کے بدلے انہوں نے انہیں چھپا لیا اور خود بھی آپکے ساتھ کفر کیا اور آپ کی تکذیب کی پس اظہار پر جو نعمتیں اور مغفرتیں انہیں ملنے والی تھیں، انکے بدلے زحمتیں اور عذاب اپنے سر لئے، پھر فرماتا ہے انہیں وہ دردناک اور حیرت انگیز عذاب ہونگے کہ دیکھنے والا ششدر رہ جائے اور یہ بھی معنی ہیں کہ انہیں آگ کے عذاب کی برداشت پر کس چیز نے آمادہ کیا جو یہ خدا کی نافرمانیوں میں مشغول ہو گئے ۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ لوگ اس عذاب کے مستحق یوں ہوئے کہ انہوں نے اللہ کی باتوں کو ہنسی کھیل سمجھا اور جو کتاب خدا نے حق کو ظاہر کرنے اور باطل کو نابود کرنے کیلئے اتاری تھی انہوں نے اسکی مخالفت کی ظاہر کرنے کی باتیں چھپائیں ۔ اللہ کے نبی کی دشمنی کی آپکی صفتوں کو ظاہر نہ کیا فی الواقع اس کتاب کے بارے میں اختلاف کرنیوالے دور کی گمراہی میں جا پڑے ہیں ۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

کچھ سارا کمال (اسی میں نہیں (آگیا) کہ تم اپنا منہ مشرق کو کر لو یا مغرب کو لیکن (اصلی) کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر یقین رکھے

وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَةِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ج وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی

اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب (کتب سماویہ) پر اور پیغمبروں پر اور مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو

وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ج وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ

اور محتاجوں کو اور (بے خرچ) مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردن چھڑانے میں اور نماز کی پابندی رکھتا ہو۔

وَاٰتَی الزَّکٰوةَ ج وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِیْنَ فِی

اور زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو اور جو اشخاص (ان عقائد و اعمال کے ساتھ یہ اخلاق بھی) رکھتے ہوں کہ اپنے عہدوں کو پورا کرنیوالے ہوں جب عہد کرلیں اور وہ لوگ مستقل رہنے والے ہوں

الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ط وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○

تنگدستی میں اور بیماری میں اور قتال میں یہ لوگ ہیں جو سچے (کمال کے ساتھ موصوف ہیں) اور یہی لوگ ہیں جو سچے متقی کہے جاسکتے ہیں

ایمان کی تعریف اور اسکے برگ و بار

اس پاک آیت میں صحیح عقیدے اور راہ مستقیم کی تعلیم ہو رہی ہے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضور علیہ السلام سے ایمان کے بارے میں سوال کیا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ تو حضورؐ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی، انہوں نے پھر سوال کیا حضورؐ نے پھر یہی آیت تلاوت فرمائی پھر یہی سوال کیا آپ نے فرمایا سن نیکی کی محبت اور برائی کی عداوت ایمان ہے (ابن ابی حاتم) لیکن اس روایت کی سند منقطع ہے، مجاہدؒ حضرت ابوذرؓ سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں حالانکہ انکی ملاقات ثابت نہیں ہوئی ایک شخص نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ ایمان کیا ہے؟ تو آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی اس نے کہا حضرت میں آپ سے بھلائی کے بارے کا سوال نہیں کرتا میرا سوال ایمان کے بارے میں ہے تو آپ نے فرمایا سن ایک شخص نے یہی سوال حضورؐ سے کیا آپ نے اسی آیت کی تلاوت کردی وہ بھی تمہاری طرح راضی نہ ہوا تو آپ نے فرمایا مومن جب نیک کام کرتا ہے تو اس کا جی خوش ہو جاتا ہے اور اسے ثواب کی امید ہوتی ہے اور جب گناہ کرتا ہے تو اسکا دل غمگین ہو جاتا ہے اور وہ عذاب سے ڈرنے لگتا ہے (ابن مردویہ) یہ روایت بھی منقطع ہے، اب اس آیت کی تفسیر سنئے۔ مومنوں کو پہلے تو حکم ہوا کہ وہ بیت المقدس کیطرف منہ کرکے نماز پڑھیں پھر انہیں کعبہ کیطرف گھما دیا گیا جو اہل کتاب پر اور بعض ایمان والوں پر بھی شاق گزرا پس اللہ تعالیٰ نے اسکی حکمت بیان فرمائی کہ اصل مقصد اطاعت فرمان خدا ہے وہ جدھر منہ کرنے کو کہے کرلو، اصل تقویٰ اصل بھلائی اور کامل ایمان یہی ہے کہ مالک کے زیر فرمان رہے، اگر کوئی مشرق کیطرف منہ کرے یا مغرب کیطرف منہ پھیر لے اور خدا کا حکم نہ ہو تو وہ اس توجہ سے ایماندار نہیں ہو جائیگا بلکہ حقیقت میں باایمان وہ ہے جس میں وہ اوصاف ہوں جو اس آیت میں بیان ہوئے، قرآن کریم نے ایک اور جگہ فرمایا ہے لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰکِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ یعنی تمہاری قربانیوں کے گوشت اور لہو خدا کو نہیں پہنچتے بلکہ اس تک تقویٰ پہنچتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ تم نمازیں پڑھو اور دوسرے اعمال نہ کرو یہ کوئی بھلائی نہیں، یہ حکم اسوقت تھا جب مکہ سے مدینہ کیطرف لوٹے تھے لیکن پھر اسکے بعد اور فرائض اور احکام نازل ہوئے اور ان پر عمل کرنا ضروری قرار دیا گیا۔ مشرق و مغرب کو اس لئے خاص کیا گیا کہ یہود مغرب کیطرف اور نصاریٰ مشرق کیطرف منہ کیا کرتے تھے، پس غرض یہ ہے کہ یہ تو ایمان کا کلام ہے اور حقیقت ایمان کی عمل ہے، حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں بھلائی یہ ہے کہ اطاعت کا مادہ دل میں پیدا ہو جائے فرائض پابندی کے ساتھ ادا ہوں، تمام بھلائیوں کا عامل ہو، حق تو یہ ہے کہ جس نے اس آیت پر عمل کرلیا اس نے کامل اسلام لے لیا اور دل کھول کر بھلائی سمیٹ لی، اسکا ذات باری پر ایمان ہے یہ جانتا ہے کہ معبود برحق وہی ہے، فرشتوں کے وجود کو اور اس بات کو کہ وہ خدا کا پیغام خدا کے مخصوص بندوں پر لاتے ہیں یہ مانتا ہے، کل آسمانی کتابوں کو برحق جانتا ہے اور سب سے آخری کتاب قرآن کریم کو جو کہ تمام اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی تمام بھلائیوں کی جامع اور دین و دنیا کی سعادت کو شامل ہے وہ مانتا ہے اسیطرح اول سے آخر تک کے تمام انبیاء پر بھی اسکا ایمان ہے۔ بالخصوص خاتم الانبیاء رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی۔

بعض مصارف خیر کی تفصیل

مال کو باوجود مال کی محبت کے راہ خدا میں خرچ کرتا ہے، صحیح حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں افضل صدقہ یہ ہے کہ تو اپنی صحت اور مال کی محبت کی حالت میں اللہ کے نام دے، تجھے مال کی کمی کا اندیشہ ہو اور زیادتی کی رغبت ہو (صحیحین) مستدرک حاکم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ پڑھ کر فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم صحت میں اور مال کی محبت کی حالت میں فقیری سے ڈرتے ہوئے اور امیری کی خواہش رکھتے ہوئے صدقہ کرو، لیکن اس روایت کا موقوف ہونا زیادہ صحیح ہے، اصل میں یہ فرمان حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، قرآن کریم میں سورۂ دھر میں فرمایا وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ الخ مسلمان باوجود کھانا کھانے کی شدید ضرورت کے مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تمہیں خدا کی خوشنودی کے لیے کھلاتے ہیں نہ تم سے اس کا بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ، اور جگہ فرمایا لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۔ جب تک تم اپنی محبوب چیزیں خدا کے نام نہ دو تم حقیقی بھلائی نہیں پا سکتے اور جگہ فرمایا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ یعنی باوجود اپنی حاجت اور ضرورت کے وہ دوسروں کو اپنے نفس پر مقدم کرتے ہیں، پس یہ لوگ بڑے پایہ کے ہیں کیونکہ پہلی قسم کے لوگوں نے تو اپنی پسندیدہ چیز باوجود اس کی محبت کے دوسروں کو دی لیکن ان بزرگوں نے اپنی محبت اور ضرورت کی وہ چیز جس کے وہ خود محتاج تھے دوسروں کو دیدی اور اپنی حاجت مندی کا خیال بھی نہ کیا۔ ذَوِی الْقُرْبٰی انہیں کہتے ہیں جو رشتہ دار ہوں صدقہ دینے کے وقت یہ دوسروں سے زیادہ مقدم ہیں، حدیث میں ہے مسکین کو دینا بھی ثواب ہے لیکن قرابت دار مسکین کو دینا دوہرا ثواب ہے ایک ثواب صدقہ کا دوسرا صلہ رحمی کا تمہاری بخشش اور خیراتوں کے زیادہ مستحق یہ ہیں، قرآن کریم میں ان کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم کئی جگہ ہے۔ یتیم سے مراد چھوٹے بچے ہیں جن کے والد مر گئے ہوں اور کوئی ان کا کمانیوالا نہ ہو نہ خود انہیں اپنی روزی حاصل کرنے کی قوت و طاقت ہو، حدیث شریف میں ہے بلوغت کے بعد یتیمی نہیں رہتی۔ مساکین وہ ہیں جن کے پاس اتنا نہ ہو جو ان کے کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، رہنے سہنے کو کافی ہو سکے ان کے ساتھ بھی سلوک کیا جائے جس سے ان کی حاجت پوری ہو اور فقر و فاقہ اور قلت و ذلت کی حالت سے بچ سکیں، صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مسکین صرف وہی لوگ نہیں جو مانگتے پھرتے ہوں اور ایک ایک دو دو کھجوریں یا ایک ایک دو دو لقمے روٹی کے لیجاتے ہوں بلکہ مسکین وہ بھی ہیں جن کے پاس اتنا نہ ہو کہ ان کے سب کام نکل جائیں نہ وہ اپنی حالت ایسی بنائیں جس سے لوگوں کو علم ہو جائے اور انہیں کوئی کچھ دیدے۔ اِبْنَ السَّبِيْلِ مسافر کو کہتے ہیں، یہاں مراد وہ مسافر ہیں جن کے پاس سفر خرچ نہ رہا ہو انہیں اتنا دیا جائے جس سے یہ باطمینان اپنے وطن پہونچ جائیں۔ اسی طرح وہ شخص بھی جو اطاعت خدا میں سفر کر رہا ہو اسے جانے آنے کا خرچ دینا، مہمان بھی اسی حکم میں ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ مہمان کو بھی ابن السبیل میں داخل کرتے ہیں اور دوسرے بزرگ سلف بھی۔ سائلین وہ لوگ ہیں جو اپنی حاجت ظاہر کر کے لوگوں سے کچھ مانگیں انہیں بھی صدقہ، زکوٰۃ دینا چاہیے۔ حضور ؐ فرماتے ہیں سائل کا حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار آئے (ابو داؤد) فی الرقاب سے مراد غلاموں کی آزادگی ہے خواہ یہ وہ غلام ہوں جنہوں نے اپنے مالکوں کو لکھ دیا ہو کہ اتنا اتنا ہم تمہیں دیدیں تو ہم آزاد ہیں، لیکن اب ان بیچاروں سے نہیں پہنچا جاتا تو ان کی امداد کر کے انہیں آزاد کرانا، ان تمام قسموں کی اور دوسرے اسی قسم کے لوگوں کی پوری تفسیر سورۂ براءۃ میں اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ کی تفسیر میں بیان ہوگی، انشاء اللہ، حضرت فاطمہ بنت قیس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مال میں زکوٰۃ کے سوا کچھ اور بھی اللہ تعالیٰ کا حق ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی اس حدیث کا ایک راوی ابو حمزہ میمون اعور ضعیف ہے۔ پھر فرمایا نماز کو وقت پر پورے رکوع سجدے اطمینان اور آرام خشوع اور خضوع کے ساتھ ادا کرے جس طرح کی ادائیگی کا شریعت کا حکم ہے اور زکوٰۃ کو بھی ادا کرے یا یہ معنی کہ اپنے نفس کو واہی باتوں اور رذیل اخلاق سے پاک کرے جیسے فرمایا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا الخ اپنے نفس کو پاک کرنیوالا فلاح پا گیا اور اسے گندگی میں لتھیڑنیوالا تباہ ہو گیا، موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے بھی فرمایا تھا کہ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى الخ اور جگہ خدا تعالیٰ کا فرمان ہے وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ یعنی ان مشرکوں کی ہلاکت ہے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے یا یہ کہ جو اپنے آپ کو شرک سے پاک نہیں کرتے پس یہاں مندرجہ بالا آیت میں زکوٰۃ سے مراد زکوٰۃ نفس یعنی اپنے آپ کو گندگیوں اور شرک و کفر سے پاک کرنا ہے۔ اور ممکن ہے مال کی زکوٰۃ مراد ہو تو اور احکام نفلی صدقہ کے سمجھے جائیں گے جیسے اوپر حدیث بیان ہوئی کہ مال میں زکوٰۃ کے سوا اور حق بھی ہیں۔ پھر فرمایا وعدے پورے کرنیوالے جیسے اور جگہ ہے يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ الخ یہ لوگ خدا کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور وعدے نہیں توڑتے، وعدہ توڑنا نفاق

کی خصلت ہے، جیسے حدیث میں ہے منافق کی تین نشانیاں ہیں بات کرتے ہوئے جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، امانت میں خیانت کرنا۔ ایک اور حدیث میں ہے جھگڑے کے وقت گالیاں بکنا۔ پھر فرمایا فقر و فاقہ میں مال کی کمی کے وقت، بدن کی بیماری کے وقت لڑائی کے موقعہ پر دشمنانِ دین کے سامنے میدانِ جنگ میں جہاد کے وقت صبر و سہار کرنے والے اور لوہے کی لاٹھ کی طرح جم جانے والے۔ صَابِرِیْنَ کا نصب بطور مدح کے ہے ان سختیوں اور مصیبتوں کے وقت صبر کی تعلیم اور تلقین ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے ہمارا بھروسہ اسی پر ہے۔ پھر فرمایا جن میں یہ اوصاف ہیں یہی سچے ایمان والے وہی ہیں ان کا ظاہر و باطن قول و فعل یکساں ہے اور متقی بھی یہی لوگ ہیں کیونکہ اطاعت گذار ہیں اور نافرمانیوں سے دور ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى

اے ایمان والو تم پر (قانون) قصاص فرض کیا جاتا ہے مقتولین (بقتل عمد) کے بارے میں آزاد آدمی آزاد آدمی کے عوض میں اور غلام غلام کے عوض میں اور عورت عورت کے

فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ

میں، ہاں جس کو اس کے فریق کی طرف سے کچھ معافی ہو جاوے (مگر پوری معافی نہ ہو تو مدعی) کے ذمہ معقول طور پر خونبہا کا مطالبہ کرنا اور قاتل کے ذمہ خوبی کیساتھ اسکے پاس پہنچا دینا

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

(یہ قانون دیت و عفو) تمہارے پروردگار کی طرف سے (سزا میں) تخفیف ہے اور (تم پر) رحم ہے۔ پھر جو شخص اس کے بعد تعدی کا مرتکب ہو تو اس شخص کو بڑا دردناک عذاب ہوگا۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

اور فہیم لوگو (اس قانون) قصاص میں تمہاری جانوں کا بڑا بچاؤ ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ تم لوگ (ایسے قانون امن کی خلاف ورزی کرنے سے) پرہیز رکھو گے۔

قصاص امن و امان کی ضمانت ہے

یعنی اے مسلمانو قصاص کے وقت عدل سے کام لیا کرو آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام، عورت کے بدلے عورت، اس بارے میں حد سے نہ بڑھو جیسے کہ اگلے لوگ حد سے بڑھ گئے اور خدا کا حکم بدل دیا۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں بنو قریظہ اور بنو نضیر کی جنگ ہوئی تھی جس میں بنو نضیر غالب آئے تھے۔ اب یہ دستور ہو گیا تھا کہ جب نضری کسی قرظی کو قتل کرے تو اس کے بدلے اسے قتل نہ کیا جاتا تھا بلکہ ایک سو وسق کھجور دیت میں لی جاتی تھی اور جب کوئی قرظی نضری کو مار ڈالے تو قصاص میں اسے بھی قتل کر دیا جاتا تھا اور اگر دیت لی جائے تو ڈبل دیت یعنی دو سو وسق کھجور لی جاتی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی اس رسم کو مٹایا اور عدل و مساوات کا حکم دیا۔ ابو حاتم کی روایت میں شان نزول یوں بیان ہوا ہے کہ عرب کے دو قبیلوں میں جدال و قتال ہوا تھا اسلام کے بعد اس کا بدلہ لینے کی ٹھانی اور کہا کہ ہمارے غلام کے بدلے ان کا آزاد قتل ہو اور عورت کے بدلے مرد قتل ہو، تو ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی اور یہ حکم بھی منسوخ ہے قرآن فرماتا ہے اَلنَّفْسَ بِالنَّفْسِ پس ہر قاتل مقتول کے بدلے مار ڈالا جائے گا خواہ آزاد نے کسی غلام کو قتل کیا ہو خواہ اس کے برعکس ہو خواہ مرد نے عورت کو قتل کیا ہو خواہ اس کے برعکس ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ مرد کو عورت کے بدلے قتل نہیں کرتے تھے جس پر اَلنَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ نازل ہوئی پس آزاد لوگ سب برابر ہیں، جان کے بدلے جان لی جائیگی خواہ قاتل مرد ہو خواہ عورت ہو اسی طرح مقتول خواہ مرد ہو خواہ عورت، ہو جب کہ ایک آزاد انسان نے ایک آزاد انسان کو مار ڈالا ہے تو اسے بھی مار ڈالا جائے گا اسی طرح یہی حکم غلاموں اور لونڈیوں میں بھی جاری ہوگا اور جو کوئی جان لینے کے قصد سے دوسرے کو قتل کرے گا وہ قصاص میں قتل کیا جائے گا اور یہی حکم قتل کے علاوہ اور زخموں کا اور دوسرے اعضاء کی بربادی کا بھی ہے (حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی اس آیت کو اَلنَّفْسَ بِالنَّفْسِ سے منسوخ بتلاتے ہیں۔ مسئلہ امام ابو حنیفہ رح امام ثوری رح امام ابن ابی لیلیٰ اور امام داؤد کا مذہب ہے کہ آزاد نے اگر غلام کو قتل کیا ہے تو اس کے بدلے وہ بھی قتل کیا جائے گا۔ حضرت علی رض حضرت ابن مسعود رض حضرت سعید بن جبیر حضرت ابراہیم نخعی حضرت قتادہ اور حضرت حکم رض کا بھی یہی مذہب ہے۔ حضرت امام بخاری علی بن مدینی ابراہیم نخعی اور ایک روایت کی رو سے حضرت ثوری رح کا بھی مذہب یہی ہے کہ اگر کوئی آقا اپنے غلام کو مار ڈالے تو اس کے بدلے اس کی جان لی جائے گی۔ دلیل میں یہ حدیث بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص اپنے غلام کو قتل کرے ہم اسے قتل کریں گے اور جو شخص اپنے غلام کو نکٹا کرے ہم بھی اس کی ناک کاٹ دیں گے

اور جو اسے خصی کرے اس سے بھی یہی بدلہ لیا جائے گا لیکن جمہور کا مذہب ان بزرگوں کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں آزاد، غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائیگا اس لیے کہ غلام مال ہے اگر وہ خطاء سے قتل ہو جائے تو دیت یعنی جرمانہ نہیں دینا پڑتا صرف اس کے مالک کو اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور اسی طرح اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ کے نقصان پر بدلے کا حکم نہیں[2] آیا مسلمان کافر کے بدلے قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ اس بارے میں جمہور علماء امت کا مذہب تو یہ ہے کہ قتل نہ کیا جائے گا۔ اور دلیل صحیح بخاری شریف کی یہ حدیث ہے لَا یُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِکَافِرٍ مسلمان، کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے۔ اس حدیث کے خلاف نہ تو کوئی صحیح حدیث ہے نہ کوئی ایسی تاویل ہو سکتی ہے جو اس کے خلاف ہو لیکن تاہم صرف امام ابو حنیفہ رح کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان کافر کے بدلے[1] قتل کر دیا جا مسئلہ حضرت حسن بصری اور حضرت عطاء کا قول ہے کہ مرد کو عورت کے بدلے قتل نہ کیا جائے اور دلیل میں مندرجہ بالا آیت کو پیش کرتے ہیں لیکن جمہور علماء اسلام اس کے خلاف ہیں کیونکہ سورۂ مائدہ کی آیت عام ہے جس میں اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ موجود ہے۔ علاوہ ازیں حدیث شریف میں بھی ہے اَلْمُسْلِمُوْنَ تَتَکَافَأُ دِمَاءُهُمْ یعنی مسلمانوں کے خون آپس میں یکساں ہیں، حضرت لیث رح کا مذہب ہے کہ خاوند اگر اپنی بیوی کو مار ڈالے تو اس کے بدلے اس کی جان نہیں لیجائیگی۔ مسئلہ چاروں اماموں اور جمہور امت کا مذہب ہے کہ کئی ایک نے مل کر ایک مسلمان کو قتل کیا ہے تو وہ سارے اس کے بدلے قتل کر دیئے جائیں گے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک شخص کو سات شخص مل کر مار ڈالتے ہیں تو آپ ان ساتوں کو قتل کراتے ہیں اور فرماتے ہیں اگر صنعاء بستی کے سب لوگ اس قتل میں شریک ہوتے تو میں قصاص میں سب کو قتل کرا دیتا۔ آپ کے اس فرمان کا خلاف آپ کے زمانہ میں کسی صحابی رض نے نہیں کیا پس اس بات پر گویا اجماع ہو گیا لیکن امام احمد رح سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں ایک کے بدلے صرف ایک ہی قتل کیا جائے زیادہ قتل نہ کیے جائیں۔ حضرت معاذ رض حضرت ابن زبیر رض عبدالملک بن مروان زہری، ابن سیرین حبیب بن ابی ثابت رض سے بھی یہی قول نقل ہے ابن المنذر فرماتے ہیں یہی زیادہ صحیح ہے اور ایک جماعت کو ایک مقتول کے بدلے قتل کرنے کی کوئی دلیل نہیں اور حضرت ابن زبیر رض سے یہ ثابت ہے کہ وہ اس مسئلہ کو نہیں مانتے تھے پس جب صحابہ میں اختلاف ہوا تو اب مسئلہ غور طلب ہو گیا پھر فرماتا ہے کہ یہ اور بات ہے کہ کسی قاتل کو مقتول کا کوئی وارث کچھ حصہ معاف کر دے یعنی قتل کے بدلے وہ دیت قبول کر لے یا دیت بھی اپنے حصہ کی چھوڑ دے اور صاف معاف کر دے۔ اگر وہ دیت پر راضی ہو گیا ہے تو قاتل پر زور نہ ڈالے بلکہ خوش اخلاقی اور نرمی سے وصول کرے اور قاتل کو بھی چاہیئے کہ فوری طور پر احسن ادا کرے حیل حجت نہ کرے، مسئلہ امام مالک کا مشہور مذہب اور امام ابو حنیفہ رح اور آپ کے شاگردوں کا اور امام شافعی رح اور امام احمد رح کا ایک روایت کی رُو سے یہ مذہب ہے کہ مقتول کے اولیاء کو قصاص چھوڑ کر دیت پر راضی ہونا اس وقت جائز ہے جب خود قاتل بھی اس پر آمادہ ہو لیکن اور بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ اس میں قاتل کی رضامندی شرط نہیں۔ مسئلہ سلف کی ایک جماعت کہتی ہے کہ عورتیں قصاص سے درگذر کر کے دیت پر اگر رضامند ہوں تو ان کا اعتبار نہیں حسن، قتادہ، زہری، ابن شبرمہ، لیث اور اوزاعی رح کا یہی مذہب ہے لیکن باقی علماء دین ان کے مخالف ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی عورت نے بھی دیت پر رضامندی ظاہر کی تو قصاص جاتا رہیگا، پھر فرماتا ہے کہ قتل عمد میں دیت لینا یہ خدا کی طرف سے تخفیف اور مہربانی ہے اگلی امتوں کو یہ اختیار نہ تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں بنی اسرائیل پر قصاص فرض تھا انھیں قصاص سے درگذر کرنے اور دیت لینے کی اجازت نہ تھی لیکن اس امت پر یہ مہربانی ہوئی کہ دیت لینی بھی جائز کی گئی تو یہاں تین چیزیں ہوئیں، قصاص دیت اور معافی، اگلی امتوں میں صرف قصاص اور معافی ہی تھی دیت نہ تھی، بعض لوگ کہتے ہیں اہل تورات کے ہاں صرف قصاص اور معافی تھی اور اہل انجیل

---

[1] افسوس کہ جس مذہب کی تائید سینکڑوں اجلہ علماء مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال سے ہو رہی ہے ابن کثیر رح اس مذہب کو جمہور کی رائے کے خلاف صرف اس وجہ سے قرار دے رہے ہیں کہ وہ غریب ابو حنیفۃ الامام رح کا مذہب ہے،

[2] کیا مسلمان ایک کافر کو قتل کرنیکے بعد قصاص میں قتل کیا جائیگا؟ ائمہ مجتہدین میں یہ مسئلہ کافی اختلاف کا باعث بنا ہوا ہے امام مالک، شافعی، احمد حنبل رحمہم اللہ کا اتفاقی فیصلہ ہے کہ مسلمان کو قصاص میں قتل نہیں کیا جائیگا لیکن ابو حنیفہ الامام، ابو داؤد ظاہری۔ ابو بکر ضحاک کہتے ہیں کہ مسلمان نے اگر کسی کافر کو قتل کر دیا تو مسلمان قصاص میں ضرور قتل ہو گا۔ اب یہ حدیث جس میں بصراحت موجود ہے کہ مسلمان کافر کے قصاص میں قتل نہ ہوگا، امام ابو حنیفہ کے مذہب کے بظاہر خلاف نظر آتی ہے لیکن علماء احناف نے اس کے بعض شافی جواب دیئے ہیں۔ مثلاً طحاوی نے کہا ہے کہ یہ حدیث کافروں کے سلسلے میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان نے اس کافر کو قتل کر دیا جس کا تعلق محارب قوم سے تھا تو اس کے قصاص میں مسلمان کو قتل کرنا ٹھیک نہیں کیونکہ اس کافر کی پوری قوم مسلمانوں کے ساتھ ہر وقت جنگ کے لیے تیار رہے۔ ایسے حالات میں اگر اس کا کوئی فرد مسلمان کے ہاتھ سے قتل ہو جائے تو وہ ہنگامی حالات کے تحت سمجھا جائیگا اور جنگی نقطہ نظر سے (باقی بر ۲۸)

کے ہاں صرف معافی ہی تھی۔ پھر فرمایا جو شخص دیت یعنی جرمانہ لینے کے بعد یا دیت قبول کر لینے کے بعد بھی زیادتی پر تل جائے اس کے لیے سخت دردناک عذاب ہے۔ مثلاً دیت لے لی پھر قتل کے درپے ہوا وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس شخص کا کوئی مقتول یا مجروح ہو تو اسے تین باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے یا قصاص یعنی بدلہ لیلے یا درگذر کرے اور معاف کر دے یا دیت یعنی جرمانہ لیلے اور اگر کچھ اور کرنا چاہے تو اسے روک دو ان میں سے ایک کرنے کے بعد جو زیادتی کرے وہ ہمیشہ کیلئے جہنمی ہو جائیگا (احمد) دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے دیت لیلی پھر قاتل کو قتل کیا تو اب میں اس سے دیت بھی نہ لوں گا بلکہ اسے قتل ہی کراؤں گا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اے عقلمندو قصاص میں نسل انسان کی بقا ہے۔ اس میں حکمت عظیمہ ہے گو بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک کے بدلے ایک قتل ہوا تو دو مرے لیکن اگر سوچو تو معلوم ہوگا کہ یہ سبب زیست ہے، قاتل کو خود خیال ہوگا کہ میں اسے قتل نہ کروں ورنہ خود بھی قتل کر دیا جاؤں گا تو وہ اقدام سے رک جائیگا، تو دو آدمی قتل و خون سے بچ گئے۔ اگلی کتابوں میں بھی یہ بات بیان فرمائی تھی کہ اَلْقَتْلُ اَنْفٰی لِلْقَتْلِ قتل قتل کو روک دیتا ہے لیکن قرآن پاک میں بہت ہی فصاحت و بلاغت کے ساتھ اس مضمون کو بیان کیا گیا۔ فرمایا یہ تمہارے بچاؤ کا سبب ہے کہ ایک تو خدا کی نافرمانی سے محفوظ رہو گے دوسرے نہ کوئی کسی کو قتل کریگا نہ وہ قتل کیا جائیگا۔ زمین پر امن و امان سکون و سلام رہے گا۔ تقویٰ کل نیکیوں کے کرنے اور کل برائیوں کے چھوڑنے کا نام ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ

تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب کسی کو موت نزدیک معلوم ہونے لگے بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں چھوڑتا ہو تو والدین اور اقارب کیلئے معقول طور پر (کہ مجموعہ ایک ثلث سے زیادہ نہ ہو) کچھ

بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَمَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ

بتلا جاوے (اس کا نام وصیت ہے) جن کو خدا کا خوف ہے ان کے ذمہ یہ ضروری ہے۔ پھر جو شخص (اس وصیت کے) سن لینے کے بعد اس کو تبدیل کریگا تو اس کا گناہ ان ہی لوگوں کو ہوگا جو اس کو

يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ

تبدیل کر دیں گے اللہ تعالیٰ تو یقیناً سننے جانتے ہیں ہاں جس شخص کو وصیت کرنے والے کی جانب سے کسی بے عنوانی کی یا کسی جرم کے ارتکاب کی تحقیق ہوئی ہو پھر

بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ ع

یہ شخص ان میں باہم مصالحت کرا دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے واقعی اللہ تعالیٰ تو خود گناہوں کے معاف فرمانے والے ہیں اور گنہگاروں پر رحم کرنے والے ہیں۔

قتل جو ایک موت تھی اس کے بعد وصیت کی طرف توجہ دلانا لطف سے خالی نہیں

اس آیت میں ماں باپ اور قرابت داروں کے لیے وصیت کرنے کا حکم ہو رہا ہے۔ میراث کے حکم سے پہلے یہ واجب تھی لیکن میراث کے احکام نے اس وصیت کے حکم کو منسوخ کر دیا، ہر وارث اپنا مقررہ حصہ بغیر وصیت بھی لے سکے گا سنن وغیرہ میں حضرت عمرو بن خارجہ رض سے حدیث ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق پہنچا دیا ہے۔ اب کسی وارث کیلئے کوئی وصیت نہیں۔ ابن عباسؓ سورۂ بقرہ کی تلاوت کرتے ہیں۔ جب آپ اس آیت پر پہنچتے ہیں تو فرماتے ہیں یہ آیت منسوخ ہے (مسند احمد) آپ سے یہ بھی روایت ہے کہ پہلے ماں باپ کے ساتھ اور کوئی رشتہ دار وارث نہ تھا اوروں کے لئے صرف وصیت ہوتی تھی،

(بقیہ صفحہ ۲۷) اس پر کوئی دار و گیر نہ ہوگی۔ اور ابن ہمام نے اس حدیث کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ کوئی مسلمان جس نے اسلام لانے سے پہلے کسی کافر کو قتل کر دیا تھا اسلام لانے کے بعد اس قتل پر قصاصاً قتل نہ ہوگا لیکن اسلام لانے کے بعد مسلمان کسی کافر کو قتل کریگا تو بلاشبہ قصاص میں اس کی گردن اسی طرح اتاری جائیگی جیسا کہ دوسری قوم کے مجرم کی۔ سیدنا الامام مولانا انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ نے ابن ہمام کے اس جواب کو بے حد پسند فرمایا ہے، امام کشمیری کہتے ہیں کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فتح مکہ کے موقع پر فرمایا تھا اور آپ نے اپنے اس خطبہ میں جاہلیت کی بہت سی غلط رسموں کو ختم کرنے کا اعلان کیا تھا۔ لہذا جاہلیت کی اس شاخ کو بھی آپ کاٹ دینا چاہتے تھے جس میں اسلام سے قبل کے قتل و قتال پر طول و طویل معرکوں کی بنیاد پڑتی تھی۔ اہل علم اس موقع پر فیض الباری جلد اول صفحہ ۲۱۱ کا ضرور مطالعہ کریں۔ افسوس کہ ابن کثیر رح نے یہاں بھی مذہبی تعصب سے کام لیا اور لکھا ہے کہ ابو حنیفہ اپنی اس رائے میں منفرد ہیں حالانکہ عمر فاروق، علی کرم اللہ وجہہ، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے (دیکھو احکام القرآن ج ۱) الأزہر شاہ کشمیری، خادم التدریس دار العلوم دیوبند۔ ۱۱ محرم الحرام ۱۳۸۶ھ۔

پھر میراث کی آیتیں نازل ہوئیں اور ایک تہائی مال میں وصیت کا اختیار باقی رہا، اس آیت کے حکم کو منسوخ کرنیوالی آیت لِلرِّجَالِ نَصِیبٌ الخ ہے حضرت ابن عمرؓ حضرت ابو موسیٰ رضؓ سعید بن مسیب حسن مجاہد عطاء سعید بن جبیر محمد بن سیرین عکرمہ زید بن اسلم ربیع بن انس قتادہ سدی مقاتل بن حیان طاؤس ابراہیم نخعی شریح ضحاک اور زہری رحمہم اللہ یہ سب حضرات بھی اس آیت کو منسوخ بتلاتے ہیں لیکن باوجود اس کے تعجب ہے کہ امام رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں ابو مسلم اصفہانی سے یہ کیسے نقل کر دیا کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ آیت میراث اس کی تفسیر ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ تم پر وہ وصیت فرض کی گئی جس کا بیان آیت یُوصِیکُمُ اللّٰہُ فِی اَولَادِکُم الخ میں ہے اور یہی قول اکثر مفسرین اور معتبر فقہا کا ہے بعض کہتے ہیں کہ وصیت کا حکم وارثوں کے حق میں منسوخ ہے اور جن کا ورثہ مقرر نہیں ان کے حق میں ثابت ہے حضرت ابن عباس رضؓ حسن مسروق طاؤس ضحاک مسلم بن یسار اور علاء بن زیاد رحمہ کا مذہب بھی یہی ہے، میں کہتا ہوں سعید بن جبیر ربیع بن انس قتادہ اور مقاتل بن حیانؒ بھی یہی کہتے ہیں لیکن ان حضرات کے اس قول کی بناء پر پچھلے فقہاء کی اصطلاح میں یہ آیت منسوخ نہیں ٹھیرتی۔ اس لیے کہ میراث کی آیت سے وہ لوگ تو اس حکم سے مخصوص ہو گئے جن کا حصہ شریعت نے خود مقرر کر دیا اور جو اس سے پہلے اس آیت کے حکم کی رُو سے وصیت میں داخل تھے کیونکہ قرابت دار عام تھے خواہ ان کا ورثہ مقرر ہو یا نہ ہو تو اب وصیت ان کے حق میں رہی جو وارث نہیں یہ قول اور بعض دیگر حضرات کا یہ قول کہ وصیت کا حکم ابتداء اسلام میں تھا اور وہ بھی غیر ضروری، دونوں کا مطلب قریباً ایک ہو گیا، لیکن جو لوگ وصیت کے اس حکم کو واجب کہتے ہیں اور ابتدائی عبارت اور سیاق کلام سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے ان کے نزدیک یہ تو آیت منسوخ ہی ٹھیرے گی جیسے کہ اکثر مفسرین اور معتبر فقہاء کرام کا قول ہے، پس والدین اور ورثہ پانے والے قرابت داروں کے لیے وصیت کرنا بالاجماع منسوخ ہے بلکہ ممنوع ہے۔ حدیث شریف میں آچکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دیدیا ہے اب وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں، آیت میراث کا حکم مستقل ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ واجب و فرض ہے، ذوی الفروض اور عصبات کا حصہ مقرر ہے اور اس سے اس آیت کا حکم کلیۃً اٹھ گیا، باقی رہ گئے وہ قرابت دار جن کا کوئی ورثہ مقرر نہیں ان کے لیے تہائی مال میں وصیت کرنا مستحب ہے کچھ تو اس کا حکم اس آیت سے بھی نکلتا ہے دوسرے یہ کہ حدیث شریف میں صاف آچکا ہے صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کسی مرد مسلمان کو لائق نہیں کہ اس کے پاس کوئی چیز ہو اور وہ وصیت کرنی چاہتا ہو کہ دو راتیں بھی وصیت لکھے بغیر گذارے راوی حدیث حضرت عمر فاروق رضؓ کے صاحبزادے فرماتے ہیں اس فرمان کے سننے کے بعد میں نے تو ایک رات بھی بلا وصیت نہیں گذاری، قرابت داروں اور رشتہ داروں سے سلوک و احسان کرنے کے بارے میں بہت سی آیتیں اور حدیثیں آئی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم تو جو مال میری راہ میں خرچ کریگا میں اس کی وجہ سے تجھے پاک صاف کروں گا اور تیرے انتقال کے بعد بھی اپنے نیک بندوں کو دعاؤں کا سبب بناؤں گا۔ خَیر سے مراد یہاں مال ہے اکثر جلیل القدر مفسرین کی یہی تفسیر ہے۔ بعض مفسرین کا تو قول ہے کہ مال خواہ تھوڑا ہو خواہ بہت، وصیت مشروع ہے جیسے میراث تھوڑے مال میں بھی ہے اور زیادہ میں بھی بعض کہتے ہیں وصیت کا حکم اس وقت ہے جب زیادہ مال ہو، حضرت علی رضؓ سے ذکر ہوتا ہے کہ ایک قریشی مرگیا ہے اور تین چار سو دینار اس کے ورثہ میں ہیں اور اس نے وصیت کچھ نہیں کی، آپ نے فرمایا یہ رقم وصیت کے قابل ہی نہیں اللہ تعالیٰ نے اِن تَرَکَ خَیرًا فرمایا ہے، ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت علی رضؓ اپنی قوم کے ایک بیمار کی بیمار پرسی کو گئے ان سے کسی نے کہا وصیت کرو تو آپ نے فرمایا وصیت خیر میں ہوتی ہے اور تو تو کم مال چھوڑ رہا ہے اسے اپنی اولاد کے لیے ہی چھوڑ جا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ساٹھ دینار جس نے نہیں چھوڑے اس نے خیر نہیں چھوڑی یعنی اس کے ذمہ وصیت کرنا نہیں۔ طاؤسؒ اسی دینار بتلاتے ہیں، قتادہؒ ایک ہزار بتلاتے ہیں۔ معروف سے مراد نرمی اور احسان ہے۔ حضرت حسن رحؒ فرماتے ہیں وصیت کرنا ہر مسلمان پر ضروری ہے اس میں بھلائی کرے برائی نہ کرے وارثوں کو نقصان نہ پہنچائے اسراف اور فضول خرچی نہ کرے۔ صحیحین میں ہے کہ حضرت سعدؓ نے فرمایا، یا رسول اللہ! میں مالدار ہوں اور میری وارث صرف میری ایک لڑکی ہی ہے تو آپ اجازت دیجئے کہ میں اپنے دو تہائی مال کی وصیت کروں آپؐ نے فرمایا، نہیں کہا آدھے کی اجازت دیجئے فرمایا نہیں کہا ایک تہائی کی اجازت دیجئے، کہا خیر تہائی مال کی وصیت کرو گو یہ بھی بہت ہے۔ تم اپنے پیچھے اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ کر جاؤ یہ بہتر ہے اس سے کہ تم انہیں فقیر اور تنگدست چھوڑ کر جاؤ کہ وہ اوروں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں صحیح بخاری شریف میں ہے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کاش کہ لوگ تہائی سے ہٹ کر چوتھائی پر آجائیں اس لیے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تہائی کی رخصت دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ تہائی بہت ہے۔ مسند احمد میں ہے حنظلہ کے دادا حنیفہ نے ایک یتیم بچے کے لیے جو ان کے ہاں پلتے تھے سو اونٹوں کی وصیت کی۔

ان کی اولاد پر یہ بہت گراں گذرا معاملہ حضورؐ تک پہونچا، حضورؐ نے فرمایا نہیں نہیں صدقہ میں پانچ دو ورنہ دس دو، ورنہ پندرہ ورنہ بیس ورنہ پچیس دو ورنہ تیس دو ورنہ پینتیس دو اگر اس پر بھی نہ مانو خیر زیادہ سے زیادہ چالیس دو الخ پھر فرماتا ہے جو شخص وصیت کو بدل دے اس میں کمی بیشی کر دے یا وصیت کو چھپالے اس کا گناہ بدلنے والے کے ذمہ ہے میت کا اجر خدا تعالیٰ کے ذمہ ثابت ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ وصیت کرنے والے کی وصیت کی اصلیت کو بھی جانتا ہے اور بدلنے والے کی تبدیلی کو بھی نہ اس سے کوئی آواز پوشیدہ نہ کوئی راز۔ جَنَفٌ کے معنی خطا اور غلطی کے ہیں مثلاً کسی وارث کو کسی طرح زیادہ دلوا دینا مثلاً کہدیا کہ فلاں چیز فلاں کے ہاتھ اتنے میں بیچ دی جائے وغیرہ۔ اب یہ خواہ بطور غلطی اور خطا کے ہو یا زیادتی محبت و شفقت کی وجہ سے بغیر قصد ایسی حرکت سرزد ہوگئی ہو یا گناہ کے طور پر ہو تو وصی کو اس کے ردوبدل میں کوئی گناہ نہیں۔ وصیت کو شرعی احکام کے مطابق کر کے جاری کر دے تاکہ میت بھی عذاب الٰہی سے بچے اور حقداروں کو حق بھی پہنچے اور وصیت بھی مطابق شرع پوری ہو ایسی حالت میں بدلنے والے پر کوئی گناہ یا حرج نہیں واللہ اعلم۔

ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں زندگی میں ظلم کر کے صدقہ دینے والے کا صدقہ اس طرح لوٹا دیا جائے جس طرح موت کے وقت خطا کاری کرنے والے کا صدقہ لوٹا دیا جاتا ہے، یہ حدیث ابن مردویہ میں بھی مروی ہے۔ ابن ابی حاتم فرماتے ہیں۔ ولید بن یزید جو اس حدیث کا راوی ہے اس نے اس میں غلطی کی ہے۔ دراصل یہ کلام حضرت عروہ کا ہے۔ ولید بن مسلم نے اسے اوزاعی سے روایت کیا ہے اور عروہ سے آگے سند نہیں لے گئے۔ امام ابن مردویہ بھی ایک مرفوع حدیث بروایت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ وصیت کی کمی بیشی کبیرہ گناہ ہے لیکن اس حدیث کے مرفوع ہونے میں بھی کلام ہے۔ اس بارے میں سب سے جامع وہ حدیث ہے جو مسند عبدالرزاق میں بروایت حضرت ابوہریرہ رض موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی نیک لوگوں کے اعمال ستر سال تک کرتا رہتا ہے اور وصیت میں ظلم کرتا ہے اور برائی کے عمل پر خاتمہ ہونے کی وجہ سے جہنمی بن جاتا ہے اور بعض لوگ ستر برس تک بداعمالیاں کرتے رہتے ہیں لیکن وصیت میں عدل و انصاف کرتے ہیں اور آخری عمل ان کا بھلا ہوتا ہے اور وہ جنتی بن جاتے ہیں، پھر حضرت ابوہریرہ نے فرمایا اگر چاہو تو قرآن پاک کی اس آیت کو پڑھ لو تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا الخ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ

اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے (امتوں کے) لوگوں پر فرض کیا گیا تھا اس توقع پر کہ تم (روزہ کی بدولت

تَتَّقُوْنَ ۝ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ

رفتہ رفتہ) متقی بن جاؤ تھوڑے سے دنوں روزہ رکھ لیا کرو پھر (اس میں بھی اتنی آسانی کہ) جو شخص تم میں (ایسا) بیمار ہو (جس میں روزہ رکھنا مشکل یا مضر ہو) یا (شرعی) سفر

مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۭ فَمَنْ تَطَوَّعَ

میں ہو تو دوسرے ایام کا شمار (رکھ) کے ان میں (روزہ) رکھنا (اس پر واجب) ہے اور (دوسری) آسانی جو بعد میں منسوخ ہوگئی یہ ہے کہ جو لوگ روزہ کی طاقت رکھتے ہوں ان کے ذمہ

خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ۭ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

فدیہ ہے کہ وہ ایک غریب کا کھانا کھلا دینا یا دے دینا ہے اور جو شخص خوشی سے (زیادہ) خیر خیرات کرے (کہ زیادہ فدیہ دے) تو یہ اس شخص کیلئے اور بھی بہتر ہے اور تمہارا روزہ رکھنا (اس حالت میں بھی) زیادہ بہتر ہے اگر تم

اسلام کا دوسرا عملی ستون، اس کے احکام اور متعلقہ تفصیلات

اللہ تعالیٰ اس امت کے ایمانداروں کو مخاطب کر کے انہیں حکم دے رہا ہے کہ روزے رکھو، روزے کے معنی اللہ تعالیٰ کے فرمان کی بجا آوری کی خالص نیت کے ساتھ کھانے پینے اور جماع سے رک جانے کے ہیں، اس سے فائدہ یہ ہے کہ نفس انسان پاک صاف اور طیب و طاہر ہو جاتا ہے ردی اخلاط اور واہی اخلاق سے انسان کا تنقیہ ہو جاتا ہے اس حکم کے ساتھ ہی فرمایا ہے کہ اس حکم کے ساتھ تم تنہا نہیں بلکہ تم سے اگلوں کو بھی روزوں کا حکم تھا، اس بیان سے یہ بھی مقصد ہے کہ یہ امت اس فریضہ کی بجا آوری میں اگلی امتوں سے پیچھے نہ رہ جائے جیسے اور جگہ ہے لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا الخ یعنی ہر ایک کے لیے ایک طریقہ اور راستہ ہے اگر خدا چاہتا تو تم سب کو

ایک ہی امت کر دیتا لیکن وہ تمہیں آزمانا چاہتا ہے تمہیں چاہیئے کہ نیکیوں میں سبقت کرتے رہو، یہی یہاں بھی فرمایا کہ تم پر بھی روزے اسی طرح فرض ہیں جس طرح تم سے اگلوں پر تھے روزے سے بدن کی پاکیزگی ہے اور شیطانی راہ کی روک ہے۔ صحیحین میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اے جوانو! تم میں سے جسے نکاح کی طاقت ہو وہ نکاح کرلے اور جسے طاقت نہ ہو وہ روزے رکھے اس کے لیے یہ خصی ہونا ہے۔ پھر روزوں کی مقدار بیان ہو رہی ہے کہ یہ چند دن ہی ہیں تاکہ کسی پر بھاری نہ پڑے اور ادائیگی سے قاصر نہ رہ جائے بلکہ ذوق و شوق سے خدائی فریضہ کو بجالائے پہلے تو ہر ماہ میں تین روزوں کا حکم تھا پھر رمضان کے روزوں کا حکم ہوا اور اگلا حکم منسوخ ہوا اس کا مفصل بیان آرہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ حضرت معاذ رض حضرت ابن مسعود رض حضرت ابن عباس رض عطاء رح قتادہ ضحاک کا فرمان ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے ہر مہینہ میں تین روزوں کا حکم تھا جو حضور ص کی امت کے لئے بدلا اور ان پر اس مبارک مہینہ کے روزے فرض ہوئے، حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ اگلی امتوں پر بھی ایک مہینہ کامل کے روزے فرض تھے، ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ رمضان کے روزے تم سے اگلی امتوں پر بھی فرض تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگلی امتوں کو یہ حکم تھا کہ جب وہ عشاء کی نماز ادا کرلیں اور سو جائیں تو ان پر کھانا پینا عورتوں سے مباشرت کرنا حرام ہو جاتا تھا، حضرت ابن عباس رض فرماتے ہیں اگلے لوگوں سے مراد اہل کتاب ہیں۔ پھر بیان ہو رہا ہے کہ تم میں سے جو شخص ماہ رمضان میں بیمار یا سفر میں ہو تو وہ اس حالت میں روزے چھوڑ دے مشقت نہ اٹھائے اور اس کے بعد اور دنوں میں جبکہ وہ عذر ختم ہو جائے قضا کرلے، ہاں ابتداء اسلام میں جو شخص تندرست ہو اور مسافر بھی نہ ہو اسے بھی اختیار تھا خواہ روزہ رکھے خواہ نہ رکھے اور فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دے اگر ایک سے زیادہ کو کھلائے تو افضل تھا گو روزہ رکھنا فدیہ دینے سے زیادہ بہتر تھا، ابن مسعود رض ابن عباس رض مجاہد رح طاؤس رح مقاتل رح وغیرہ یہی فرماتے ہیں۔

کچھ تبدیلیاں

مسند احمد میں ہے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، نماز کی اور روزے کی تین حالتیں بدلی گئیں۔ پہلے تو سولہ سترہ مہینے تک مدینہ میں آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی طرف نماز ادا کی پھر قَدْ نَرٰی الخ والی آیت اتری اور مکہ شریف کی طرف آپ نے منہ پھیرا۔ دوسری تبدیلی یہ ہوئی کہ نماز کے لئے ایک دوسرے کو پکارتا تھا اور جمع ہو جاتے تھے لیکن اس سے آخر عاجز آگئے پھر ایک انصاری حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہ رض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے خواب میں دیکھا، لیکن وہ خواب گویا بیداری کی سی حالت میں تھا کہ ایک شخص سبز رنگ کا حلہ پہنے ہوئے ہے اور قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر کہہ رہا ہے اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دو بار غرض یوں ہی اذان پوری کی پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے تکبیر کہی جس میں قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ بھی دو مرتبہ کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت بلال رض کو یہ سکھاؤ وہ اذان کہیں گے چنانچہ سب سے پہلے حضرت بلال رض نے اذان کہی، دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر رض نے بھی آکر اپنا یہی خواب بیان کیا تھا لیکن ان سے پہلے حضرت زید رض آچکے تھے۔ تیسری تبدیلی یہ ہوئی کہ پہلے یہ دستور تھا کہ حضور ص نماز پڑھا رہے ہیں، کوئی آیا کچھ رکعتیں ہو چکی ہیں تو وہ کسی سے دریافت کرتا کہ کتنی رکعتیں ہو چکی ہیں، وہ جواب دیتا کہ اتنی رکعتیں پڑھ لی ہیں، وہ اتنی رکعتیں ادا کرتا پھر حضور ص کے ساتھ مل جاتا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ آئے اور کہنے لگے کہ میں تو حضور ص کو جس حال میں پاؤں گا اسی حال میں مل جاؤں گا اور جو نماز چھوٹ گئی ہے اسے حضور ص کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کروں گا۔ چنانچہ انہوں نے یہی کیا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی باقی رکعتیں ادا کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ کر فرمایا حضرت معاذ رض نے تمہارے لئے یہ اچھا طریقہ نکالا ہے تم بھی اب یونہی کیا کرو۔ یہ تین تبدیلیاں تو نماز کی ہوئیں۔ روزوں کی تبدیلیاں سنیئے۔ اول جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو ہر مہینہ میں تین روزے

لہ حدیث میں ہے کہ روزہ رکھو کیونکہ وہ شہوت کو توڑتا ہے۔ اب اس حدیث پر اشکال یہ ہے کہ تجربے سے یہ بات سامنے آچکی ہے کہ روزہ سے شہوت ختم ہونے کے بجائے اور بڑھتی ہے، کیونکہ روزہ (یا فاقہ) سے صحت ہوتی ہے اور صحت جسمانی پر شہوت میں اضافہ بدیہی بات ہے۔ اس اشکال کا حل یہ ہے کہ روزہ سے دو فائدے حاصل ہوں گے۔ پہلا فائدہ تو ترک اکل و شرب سے مراقبہ کا ملکہ راسخ ہوگا، اور دوسرے یہ کہ کھانے اور پینے کے چھوڑنے سے منہیات سے محفوظ رہنے کی راہ آسان ہو جائے گی۔ تو گویا روزہ سے جب ایک خواہش پر کنٹرول کرلیا جاتا ہے یعنی کھانے پینے کی خواہش پر۔ تو باقی نفسانی خواہشوں پر کنٹرول کرنے کی طاقت اور ملکہ بآسانی حاصل ہو جائے گا۔ بس یہ روزہ کا فائدہ ہے جس کو آپ نے بیان فرمایا ہے۔ انظر شا کا۔

رکھتے تھے اور عاشورے کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آیت کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ الخ نازل فرما کر رمضان کے روزے فرض کئے۔ دوسری ابتداء یہ حکم تھا کہ جو چاہے روزہ رکھے جو چاہے روزہ نہ رکھے اور فدیہ دیدے پھر یہ آیت اتری فَمَنْ شَهِدَ مِنْکُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ تم میں سے جو شخص رمضان کے مہینے میں قیام کی حالت میں ہو وہ روزہ رکھا کرے۔ پس جو شخص مقیم ہو مسافر نہ ہو، تندرست ہو بیمار نہ ہو اس پر روزہ رکھنا ضروری ہو گیا ہاں بیمار اور مسافر کے لئے رخصت ملی اور ایسا بوڑھا کھوسٹ جو روزے کی طاقت ہی نہ رکھتا ہو اسے بھی رخصت دی گئی۔ تیسری حالت یہ کہ ابتدا میں کھانا پینا، عورتوں کے پاس آنا سونے سے پہلے پہلے جائز تھا، سو گیا تو پھر گو رات ہی کو جاگے لیکن کھانا پینا اور جماع اس کے لئے منع تھا۔ پھر صرمہ نامی ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ دن بھر کام کاج کر کے رات کو تھکے ہارے گھر آئے عشاء کی نماز ادا کی۔ اور نیند آگئی، دوسرے دن کچھ کھائے پیئے بغیر روزہ رکھا لیکن حالت بہت نازک ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ تو انہوں نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ ادھر یہ واقعہ تو ان کے ساتھ ہوا۔ ادھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سو جانے کے بعد اپنی بیوی صاحبہ سے مجامعت کر لی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر حسرت و افسوس کے ساتھ اپنے اس قصور کا اقرار کیا جس پر یہ آیت اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمْ سے ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ تک نازل ہوئی۔ اور مغرب کے بعد سے لے کر صبح صادق کے طلوع ہونے تک رمضان کی راتوں میں کھانے پینے اور مجامعت کرنے کی رخصت دی گئی۔

بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ پہلے عاشورہ کا روزہ رکھا جاتا تھا۔ جب رمضان کی فرضیت نازل ہوئی تو اب ضروری نہ رہا جو چاہتا رکھ لیتا جو نہ چاہتا نہ رکھتا۔ حضرت ابن عمر رض اور حضرت ابن مسعود رض سے بھی یہ نقل ہے وَعَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ کا مطلب حضرت معاذ رض یہ بیان فرماتے ہیں کہ ابتدا اسلام میں جو چاہتا روزہ رکھتا جو چاہتا نہ رکھتا، ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتا۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے بھی صحیح بخاری میں ایک روایت آئی ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے وقت جو شخص چاہتا افطار کرتا اور فدیہ دے دیتا۔ یہاں تک کہ اس کے بعد کی آیت اتری، اور یہ منسوخ ہوئی۔ حضرت ابن عمر رض بھی اس کو منسوخ کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ منسوخ نہیں، مراد اس سے بوڑھا مرد اور بڑھیا عورت ہے جسے طاقت روزے کی نہ ہو، ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں عطاء رحمۃ اللہ علیہ کے پاس میں رمضان میں گیا دیکھا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ مجھے دیکھ کر فرمانے لگے کہ حضرت ابن عباس رض کا قول ہے کہ اس آیت نے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا، اب یہ حکم صرف بہت زیادہ بے طاقت بوڑھے ناتواں کے لئے ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ جو شخص مقیم ہو اور تندرست ہو اس کے لئے یہ حکم نہیں بلکہ اسے روزہ ہی رکھنا ہوگا، ہاں ایسے بوڑھے بڑے معمر اور کمزور آدمی جنہیں روزے کی طاقت ہی نہ ہو وہ روزہ نہ رکھیں اور نہ ان پر قضا ضروری ہے لیکن اگر وہ مالدار ہوں تو آیا انھیں کفارہ بھی دینا پڑیگا یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی کا ایک قول تو یہ ہے کہ چونکہ اس میں روزے کی طاقت نہیں لہٰذا مثل بچے کے یہ بھی ہے، اس پر کفارہ نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ دوسرا قول حضرت امام شافعی کا یہ ہے کہ اس کے ذمہ کفارہ ہے، اکثر علماء کرام کا بھی یہی فیصلہ ہے، حضرت ابن عباس رض وغیرہ کی تفسیر سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا راجح قول یہی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ بہت بڑی عمر والا بڈھا جسے روزے کی طاقت نہ ہو تو فدیہ دے دے جیسے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑھاپے کے آخری وقتوں میں سال دو سال تک روزہ نہ رکھا اور ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو روٹی گوشت کھلا دیا۔

مسند ابو یعلیٰ میں ہے کہ جب حضرت انس رضی اللہ عنہ روزہ رکھنے سے عاجز ہو گئے تو گوشت روٹی تیار کر کے تیس مسکینوں کو بلا کر کھلا دیا۔ اسی طرح حمل والی اور دودھ پلانے والی عورت کے بارے میں جب انھیں اپنی جان کا یا اپنے بچے کی جان کا خوف ہو، علماء میں سخت اختلاف ہے۔ بعض تو کہتے ہیں کہ وہ روزہ نہ رکھیں فدیہ دے دیں اور جب خوف ہٹ جائے قضا بھی کر لیں بعض کہتے ہیں صرف فدیہ کافی ہے قضا نہ کریں۔ بعض کہتے ہیں قضا کر لیں فدیہ نہیں۔ اور بعض کا قول ہے کہ نہ روزہ رکھیں نہ فدیہ دیں نہ قضا کریں ....

شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الۡهُدٰی

(وہ تھوڑے سے دن) ماہ رمضان ہے جس میں قرآن مجید بھیجا گیا ہے جس کا (ایک) وصف یہ ہے کہ لوگوں کیلئے (ذریعہ) ہدایت ہے اور دوسرا (وصف) واضح الدلالۃ ہیں منجملہ ان کتب کے جو کہ (ذریعہ) ہدایت (بھی) ہیں

وَ الۡفُرۡقَانِ ۚ فَمَنۡ شَهِدَ مِنۡکُمُ الشَّهۡرَ فَلۡیَصُمۡهُ ؕ وَ مَنۡ کَانَ مَرِیۡضًا اَوۡ عَلٰی

اور (حق و باطل میں) فیصلہ کرنے والی (بھی) ہیں۔ سو جو شخص اس ماہ میں موجود ہو اس کو ضرور اس میں روزہ رکھنا چاہیے۔ اور جو شخص بیمار ہو یا

سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنۡ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ یُرِیۡدُ اللّٰهُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَ لَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ ۫

سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا (اتنا ہی) شمار (کرکے اُن میں روزہ) رکھنا (اس پر واجب) ہے اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ (احکام میں) آسانی کرنا منظور ہے اور تمہارے ساتھ (احکام وقوانین مقرر کرتے ہیں) دشواری منظور نہیں

وَ لِتُکۡمِلُوا الۡعِدَّۃَ وَ لِتُکَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىکُمۡ وَ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ③

اور تاکہ تم لوگ (ایام ادا یا قضا کی) شمار کی تکمیل کر لیا کرو (کہ ثواب میں کمی نہ رہے) لہٰذا تم لوگ اللہ تعالیٰ کی بزرگی (وثنا) بیان کیا کرو اس پر کہ تم کو ۳

۳ (ایک ایسا طریقہ بتلا دیا جس سے تم برکات وثمرات صیام رمضان سے محروم نہ رہو گے) اور (عذر سے خاص رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت اس لئے دیدی) تاکہ تم لوگ (اس نعمت کی آسانی پر اللہ کا) شکر ادا کیا کرو۔

ماہ رمضان المبارک کی فضیلت

ماہ رمضان شریف کی فضیلت وعظمت کا بیان ہو رہا ہے کہ اسی ماہ مبارک میں قرآن کریم اترا مسند احمد کی حدیث میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ابراہیمی صحیفہ رمضان کی پہلی رات میں اُترا اور تورات چھٹی تاریخ انجیل تیرہویں تاریخ اور قرآن چوبیسویں تاریخ نازل ہوا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ زبور بارھویں کو اور انجیل اٹھارھویں کو۔ اگلے تمام صحیفے اور تورات و انجیل و زبور جس جس پیغمبر پر اتریں ایک ساتھ ایک ہی مرتبہ اُتریں۔ لیکن قرآن کریم بیت العزۃ سے آسمان دنیا تک تو ایک ساتھ ایک مرتبہ نازل ہوا اور پھر وقتاً فوقتاً حسب ضرورت زمین پر نازل ہوتا رہا۔ یہی مطلب ہے اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ اور اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ اور اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ کا کہ قرآن کریم ایک ساتھ آسمان اول پر رمضان المبارک کے مہینے میں لیلۃ القدر کو نازل ہوا اور اسی کو لیلہ مبارکہ بھی کہا ہے۔ ابن عباسؓ وغیرہ سے یہی روایت ہے۔ آپ سے جب یہ سوال ہوا کہ قرآن کریم تو مختلف مہینوں میں برسوں میں جا کر اُترا پھر رمضان میں اور وہ بھی لیلۃ القدر میں اترنے کے کیا معنے ہیں؟ تو آپ نے یہی مطلب بیان کیا (ابن مردویہ وغیرہ) آپ سے یہ بھی روایت ہے کہ آدھے رمضان میں قرآن کریم آسمان دنیا کی طرف اُترا۔ بیت العزۃ میں رکھا گیا پھر حسب ضرورت وقائع اور سوالات پر تھوڑا تھوڑا اترتا رہا اور بیس سال میں کامل ہوا۔ اس میں بہت سی آیتیں کفار کے جواب میں بھی اتریں۔ کفار کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ یہ قرآن کریم ایک ساتھ سارے کا سارا کیوں نہیں اُترا جس کے جواب میں فرمایا گیا۔ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَکَ وَ رَتَّلۡنٰهُ تَرۡتِیۡلًا الخ یعنی اس لئے کہ یہ تیرے دل کو برقرار اور مضبوط رکھیں وغیرہ۔ پھر قرآن کریم کی تعریف میں بیان ہو رہا ہے کہ یہ لوگوں کے دلوں کی ہدایت ہے اور اس میں واضح اور روشن دلیلیں ہیں غور وفکر کرنے والا اس سے صحیح راہ پر پہنچ سکتا ہے یہ حق و باطل حرام و حلال میں فرق ظاہر کرنے والا ہے۔ ہدایت و گمراہی اور رشد و برائی میں جدائی کرنے والا ہے۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ صرف رمضان کہنا مکروہ ہے شہر رمضان یعنی رمضان کا مہینہ کہنا چاہیے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے نقل ہے رمضان نہ کہو یہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے شہر رمضان یعنی رمضان کا مہینہ کہا کرو۔ حضرت مجاہدؒ اور محمد بن کعبؒ سے بھی یہی نقل ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کا مذہب اس کے خلاف ہے۔ رمضان نہ کہنے کے بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی ہے لیکن سنداً وہ کمزور ہے۔ امام بخاریؒ نے بھی اس کے رد میں باب باندھ کر بہت سی حدیثیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک میں ہے جو شخص رمضان کے روزے ایمان اور نیک نیتی کے ساتھ رکھے اُس کے سب اگلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں وغیرہ۔ غرضیکہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ جب رمضان کا چاند چڑھے کوئی شخص اپنے گھر ہو مسافرت میں نہ ہو اور تندرست بھی ہو تو اُسے روزے رکھنے لازمی اور ضروری ہیں۔ پہلے اس قسم کے لوگوں کو بھی جو رخصت تھی وہ اٹھ گئی۔

بیمار کو روزہ نہ رکھنے کی رخصت

اس کا بیان فرما کر پھر بیمار اور مسافر کی رخصت کا بیان کیا گیا کہ یہ لوگ روزہ ان دنوں میں نہ رکھیں اور پھر قضا کرلیں یعنی جس کے بدن میں کوئی تکلیف ہو جس کی وجہ سے روزے میں مشقت پڑے یا تکلیف بڑھ جائے یا سفر میں ہو تو افطار کرلے اور جتنے روزے جائیں اُتنے دن پھر قضا کرلے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان حالتوں میں رخصت عطا فرما کر تمھیں مشقت سے بچا لینا یہ سراسر ہماری رحمت کا ظہور ہے۔ اور احکام اسلام میں آسانی ہے۔ اس موقع پر چند مسائل قابل غور ہیں (۱) سلف کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ جو شخص اپنے گھر میں مقیم ہو رمضان شریف کا مہینہ آجائے۔ پھر درمیان میں اُسے سفر در پیش ہو تو اُسے روزہ ترک کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ ایسے لوگوں کو روزہ رکھنے کا صاف حکم قرآن پاک میں موجود ہے۔ ہاں اُن لوگوں کا بحالتِ سفر روزہ چھوڑنا جائز ہے جو سفر میں ہوں اور رمضان کا مہینہ آجائے۔ لیکن یہ قول غریب ہے۔ ابو محمد بن حزم نے اپنی کتاب محلّٰی میں صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کا یہی مذہب نقل کیا ہے لیکن اس میں کلام ہے واللہ اعلم۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں فتح مکہ کے غزوہ کے لئے نکلے تو روزے سے تھے۔ کدید[1] میں پہنچ کر روزہ افطار کیا اور لوگوں کو بھی حکم دیا کہ روزہ توڑ دیں (متفق علیہ)۔ (۲) صحابہ اور تابعین کی ایک اور جماعت نے کہا ہے کہ مسافرت میں روزہ توڑ دینا واجب ہے کیونکہ قرآن کریم میں ہے فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ۔ لیکن صحیح قول جو جمہور کا مذہب ہے یہ ہے کہ آدمی کو اختیار ہے خواہ رکھے خواہ نہ رکھے اس لئے کہ ماہِ رمضان میں لوگ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلتے تھے۔ بعض روزے سے ہوتے تھے بعض روزے سے نہیں ہوتے تھے پس روزے دار بے روزہ پر اور بے روزہ روزہ دار پر کوئی عیب نہیں پکڑتا تھا اگر افطار واجب ہوتا تو روزہ رکھنے والوں پر انکار کیا جاتا۔ بلکہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بحالتِ سفر روزہ رکھنا ثابت ہے صحیحین میں ہے حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رمضان المبارک میں سخت گرمی کے موسم میں ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے گرمی کی شدت کی وجہ سے سر پر ہاتھ رکھے رکھے پھر رہے تھے ہم میں سے کوئی بھی روزے سے نہ تھا سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضؓ کے۔ **تیسرا مسئلہ۔** ایک جماعت علماء کا خیال ہے جن میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں کہ سفر میں روزہ رکھنا نہ رکھنے سے افضل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بحالتِ سفر روزہ رکھنا ثابت ہے۔ ایک دوسری جماعت کا خیال ہے کہ روزہ نہ رکھنا افضل ہے کیونکہ اس میں رخصت پر عمل ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سفر کے روزے کی بابت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا جو روزہ توڑ دے اس نے اچھا کیا اور جو نہ توڑے اُس پر کوئی گناہ نہیں۔ ایک اور حدیث شریف میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خدا کی رخصتوں کو جو اس نے تمھیں دی ہیں تم لے لو۔ تیسری جماعت کا قول ہے کہ رکھنا نہ رکھنا دونوں برابر ہیں ان کی دلیل حضرت عائشہ رضؓ والی حدیث ہے کہ حضرت حمزہ ابن عمرو اسلمی رضؓ نے کہا یا رسول اللہ میں روزے اکثر رکھا کرتا ہوں تو کیا اجازت ہے کہ سفر میں بھی روزے رکھ لیا کروں۔ فرمایا اگر چاہو رکھو اور چاہو نہ رکھو (بخاری و مسلم) بعض لوگوں کا قول ہے کہ اگر روزہ بھاری پڑتا ہو تو افطار کرنا افضل ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس پر سایہ کیا گیا ہے۔ پوچھا یہ کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا حضور یہ روزے سے ہے آپ نے فرمایا سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں (بخاری مسلم) یہ خیال رہے کہ جو شخص سنت کو ترک کرے اور روزہ چھوڑنا سفر کی حالت میں بھی مکروہ جانے تو اس پر افطار ضروری ہے اور روزہ رکھنا حرام ہے۔ مسند احمد وغیرہ میں حضرت ابن عمر رضؓ حضرت جابرؓ وغیرہ سے نقل ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رخصت کو قبول نہ کرے اُس پر عرفات کے پہاڑوں کے برابر گناہ ہوگا۔

قضا کس طرح ہوگی؟

چوتھا مسئلہ آیا قضا روزوں میں پے در پے روزے رکھنے ضروری ہیں یا جُدا جُدا بھی رکھ لئے جائیں تو حرج نہیں؟ ایک مذہب بعض لوگوں کا یہ ہے کہ قضا کو مثل ادا کے پورا کرنا چاہیے ایک کے پیچھے ایک یونہی لگاتار روزے رکھنے چاہئیں۔ دوسرے یہ کہ پے در پے رکھنے واجب نہیں خواہ الگ الگ رکھے خواہ ایک ساتھ اختیار کرے جمہور سلف و خلف کا یہی قول ہے اور دلائل سے ثبوت بھی اسی کا ہے۔ رمضان میں پے در پے رکھنا اس لئے ہے کہ وہ مہینہ ہی ادائیگی روزہ کا ہے اور رمضان کے ختم ہو جانے کے بعد تو صرف وہ گنتی پوری کرنی ہے۔ خواہ کوئی دن ہو اسی لئے قضا کے حکم کے بعد خدا کی آسانی کی نعمت کا بیان ہوا ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

---

[1] ایک جگہ کا نام ہے ۱۲ م

بہتر دین وہی ہے جو آسانی والا ہو۔ بہتر دین وہی ہے جو آسانی والا ہو۔ مسند ہی کی ایک اور حدیث میں ہے۔ ابو عروہؓ کہتے ہیں ہم ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے کہ آپ تشریف لائے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ وضو یا غسل کر کے تشریف لا رہے ہیں جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے آپ سے سوالات کرنے شروع کر دیئے کہ حضور کیا فلاں کام میں کوئی حرج ہے؟ فلاں کام میں کوئی حرج ہے؟ آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا دین آسانیوں والا ہے۔ تین مرتبہ یہی فرمایا۔ مسند احمد ہی کی ایک اور حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لوگو آسانی کرو سختی نہ کرو۔ تسکین دو نفرت نہ دلاؤ۔ صحیحین کی حدیث میں بھی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضؓ اور حضرت ابو موسیٰ رضؓ کو جب یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا تم دونوں خوشخبریاں دینا نفرت نہ دلانا آسانیاں کرنا سختیاں نہ کرنا آپس میں اتفاق سے رہنا اختلاف نہ کرنا۔ سنن اور مسانید میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں یک طرفہ نرمی اور آسانی والے دین کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔ محجن بن اورع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ غور سے آپ اُسے دیکھتے رہے۔ پھر فرمایا کیا تم اسے سچائی کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے دیکھ رہے ہو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ یہ تمام اہلِ مدینہ سے زیادہ نماز پڑھنے والا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اُسے نہ سُناؤ کہیں یہ اس کی ہلاکت کا باعث نہ ہو سُنو! اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس امت کے ساتھ آسانی کا ہے سختی کا نہیں۔ پس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ مریض اور مسافر وغیرہ کو یہ رخصت دینا اور انہیں معذور رکھنا اس لئے ہے کہ خدائے تعالیٰ کا ارادہ آسانی کا ہے سختی کا نہیں اور قضا کا حکم گنتی کے پورا کرنے کے لئے ہے اور اس رحمت، نعمت، ہدایت اور عبادت پر تمہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی بڑائی اور ذکر کرنا چاہئے۔ جیسے اور جگہ حج کے موقعہ پر فرمایا فَاِذَا قَضَیۡتُمۡ مَّنَاسِکَکُمۡ فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ الخ یعنی جب احکام حج ادا کر چکو تو خدا کا ذکر کرو۔ اور جگہ جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے بعد فرمایا کہ جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ، رزق تلاش کرو اور خدا کا ذکر زیادہ کرو تاکہ تمہیں فلاح ملے اور جگہ فرمایا فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ الخ یعنی سورج کے نکلنے سے پہلے۔ سورج کے ڈوبنے سے پہلے۔ رات کو اور سجدوں کے بعد اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو۔ اسی لئے مسنون طریقہ یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد تسبیح اور تکبیر پڑھنی چاہیے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز سے فارغ ہونا صرف اَللّٰہُ اَکۡبَرُ کی آوازوں سے جانتے تھے۔ یہ آیت دلیل ہے اس امر کی کہ عید الفطر میں بھی تکبیریں پڑھنی چاہئیں۔ داؤد بن علی اصبہانی ظاہریؒ کا مذہب ہے کہ اس عید میں تکبیروں کا کہنا واجب ہے کیونکہ اس امر میں صیغہ امر کا ہے وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ اور اس کے بالکل برخلاف حنفی مذہب ہے وہ کہتے ہیں کہ اس عید میں تکبیریں پڑھنا مسنون نہیں[عہ]۔ باقی بزرگانِ دین اُسے مستحب بتلاتے ہیں گو بعض تفصیلوں میں قدرے اختلاف ہے۔ پھر فرمایا تاکہ تم شکر کرو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لا کر اس کے فرائض کو ادا کر کے اس کے حرام کردہ کاموں سے بچکر اس کی حدود کی حفاظت کر کے تم شکر گذار بندے بن جاؤ۔

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ

اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں (آپ میری طرف سے فرما دیجئے) میں قریب ہی ہوں (اور باستثنا نامناسب درخواست کے) منظور کر لیتا ہوں (ہر) عرضی درخواست کرنیوالے کی جبکہ وہ میرے حضور میں درخواست دے۔

فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لِیۡ وَلۡیُؤۡمِنُوۡا بِیۡ لَعَلَّہُمۡ یَرۡشُدُوۡنَ (۴)

سو اُن کو چاہئے کہ میرے احکام کو قبول کیا کریں اور مجھ پر یقین رکھیں امید ہے کہ وہ لوگ رشد (و فلاح) حاصل کر سکیں گے۔

دل کے آئینہ میں الخ

ایک اعرابی نے پوچھا تھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم کیا ہمارا رب قریب ہے؟ اگر قریب ہو تو ہم اُس سے سرگوشیاں کریں۔ یا دُور ہے؟ اگر دُور ہو تو ہم اونچی اونچی آوازوں سے اُسے پکاریں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اس پر یہ آیت اُتری (ابن ابی حاتم) ایک اور روایت میں ہے کہ صحابہؓ کے اس سوال پر کہ ہمارا رب کہاں ہے؟ یہ آیت اُتری (ابن جریر) حضرت عطا فرماتے ہیں

[عہ] امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ تکبیر میں آواز بلند کرنا خلافِ اولیٰ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "اپنے خدا کو چپکے چپکے دل ہی دل میں یاد کرو" اسی طرح آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "بہترین ذکر وہ ہے جو دل ہی دل میں ہو"۔ اور تکبیر بلند آواز سے صرف عید الاضحیٰ میں ثابت ہے اس لئے عید الفطر میں خلافِ اولیٰ کے ارتکاب کی کیا ضرورت ہے ۱۲ انظر شاہ +

کہ جب آیت اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ نازل ہوئی یعنی مجھے پکارو میں تمہاری دعائیں قبول کرتا رہوں گا تو لوگوں نے پوچھا کہ دعا کس وقت کرنی چاہئے؟ اس پر یہ آیت اُتری (ابن جریج) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوے میں تھے ہر اونچائی پر چڑھتے وقت ہر بلندی پر چڑھتے وقت ہر وادی میں اُترتے وقت بلند آواز سے تکبیر کہتے جاتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آن کر فرمانے لگے۔ لوگو! اپنی جانوں پر رحم کرو تم کسی کم سننے والے یا دُور والے کو نہیں پکار رہے بلکہ جسے تم پکار رہے ہو وہ تو تم سے تمہاری سواریوں کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے اے عبداللہ بن قیس سن جنت کا خزانہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ہے (مسند احمد) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میرا بندہ میرے ساتھ جیسا عقیدہ رکھتا ہے میں بھی اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ برتتا ہوں جب جب وہ مجھ سے دعا مانگتا ہے میں اس کے ساتھ ہی ہوتا ہوں (مسند احمد)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ جب مجھے یاد کرتا ہے اور اس کے ہونٹ میرے ذکر میں ہلتے ہیں میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ (رواہ الامام احمد)۔ اس مضمون کی آیت کلام پاک میں بھی ہے۔ فرمان ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۝ جو تقویٰ اور احسان و خلوص والے لوگ ہوں اُن کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے فرمایا جاتا ہے اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ۝ میں تم دونوں کے ساتھ ہوں سنتا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔ مقصود یہ ہے کہ باری تعالیٰ دعا کرنے والوں کی دعا کو بیکار نہیں کرتا نہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ اس دعا سے غافل رہے یا نہ سنے۔ اس میں دعا کرنے کی رغبت دلائی ہے اور اس کے ضائع نہ ہونے کا وعدہ کیا ہے۔

دعا کی اہمیت، اس کی شرائط اور قبولیتِ دعا کے اسباب

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ بلند کر کے دعا مانگتا ہے تو وہ ارحم الراحمین اس کے ہاتھوں کو خالی پھیرتے ہوئے شرماتا ہے (مسند احمد)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ سے کوئی ایسی دعا کرتا ہے جس میں نہ گناہ ہو نہ رشتے ناتے ٹوٹتے ہوں تو اسے اللہ تعالیٰ تین باتوں میں سے ایک ضرور عطا فرماتا ہے یا تو اس کی دعا اسی وقت قبول فرما کر اس کی منہ مانگی مراد پوری کرتا ہے یا اسے ذخیرہ کر کے رکھ چھوڑتا ہے اور آخرت میں عطا فرماتا ہے یا اس کی وجہ سے کوئی آنے والی بلا اور مصیبت کو ٹال دیتا ہے۔ لوگوں نے یہ سن کر کہا کہ حضور پھر تو ہم بکثرت دعا مانگا کریں گے۔ آپ نے فرمایا پھر خدا کے ہاں کیا کمی ہے؟ (مسند احمد)۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ روئے زمین کا جو مسلمان اللہ عزوجل سے دعا مانگے اسے خدائے تعالیٰ قبول فرماتا ہے یا تو اسے اس کی منہ مانگی مراد ملتی ہے یا ویسی ہی برائی ٹلتی ہے جب تک کہ گناہ کی اور رشتہ داری کے کٹنے کی دعا نہ ہو (مسند احمد) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک کوئی شخص دعا میں جلدی نہ کرے اس کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ جلدی کرنا یہ ہے کہ کہنے لگے میں نے تو ہر چند دعا مانگی لیکن خدا قبول نہیں کرتا (موطا مالک)۔ بخاری کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اسے ثواب میں جنت عطا فرماتا ہے۔ صحیح مسلم میں یہ بھی ہے کہ نامقبولیت کا خیال کر کے وہ ناامیدی کے ساتھ دعا مانگنا ترک کر دے یہ جلدی کرنا ہے۔ ابو جعفر طبری کی تفسیر میں یہ قول حضرت عائشہ کا بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دل مثل برتنوں کے ہیں بعض بعض سے زیادہ نگرانی کرنے والے ہوتے ہیں۔ اے لوگو! تم جب اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرو تو قبولیت کا یقین رکھا کرو۔ سنو! غفلت والے دل کی دعا اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا (مسند احمد)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے دعا کی کہ خدایا عائشہ کے اس سوال کا کیا جواب ہے؟ جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے۔ مراد اس سے وہ شخص ہے جو نیک اعمال کرنے والا ہو اور سچی نیت اور نیک دلی کے ساتھ مجھے پکارے تو میں لبیک کہہ کر اس کی حاجت ضرور پوری کر دیتا ہوں (ابن مردویہ) یہ حدیث اسناد کی رو سے غریب ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی پھر فرمایا خدایا تو نے دعا کا حکم دیا ہے اور اجابت کا وعدہ فرمایا ہے میں حاضر ہوں الٰہی میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں اے لاشریک خدا میں حاضر ہوں حمد و نعمت اور ملک تیرے ہی لئے

ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ میری گواہی ہے کہ تو تنہا یکتا بے مثل اور ایک ہی ہے، تو پاک ہے بیوی اور اولاد سے دُور ہے، نہ تیرا ہمسر کوئی نہ تیری کفو کا کوئی نہ تجھ جیسا کوئی۔ میری گواہی یہ ہے کہ تیرا وعدہ سچا، تیری ملاقات حق، جنت، دوزخ، قیامت اور دوبارہ جینا یہ سب برحق امر ہیں (ابن مردویہ) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے اے ابن آدم ایک چیز تو تیری ہے ایک میری ہے اور ایک مجھ میں اور تجھ میں مشترک ہے۔ خالص میرا حق تو یہ ہے کہ ایک میری ہی عبادت کرے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ تیرے لئے مخصوص یہ ہے کہ تیرے ہر عمل کا پورا پورا بدلہ میں تجھے ضرور دوں گا کسی نیکی کو ضائع نہ کروں گا۔ مشترک چیز یہ ہے کہ تو دعا کر اور میں قبول کروں۔ ایک کام دعا کرنا تیرا، ایک کام قبول کرنا میرا (بزار) دعا کی اس آیت کو روزوں کے احکام کی آیتوں کے درمیان ذکر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ روزے ختم ہونے کے بعد لوگوں کو دعا کی ترغیب ہو بلکہ ہر روز افطار کے وقت وہ بکثرت دعائیں کیا کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ روزے دار افطار کے وقت جو دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے قبول فرماتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ افطار کے وقت اپنے گھر والوں کو اور بچوں کو سب کو بلا لیتے اور دعائیں کیا کرتے تھے (ابوداؤد طیالسی) ابن ماجہ میں بھی یہ روایت ہے اور اس میں صحابہ کی یہ دعا منقول ہے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِرَحْمَتِكَ الَّتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ اَنْ تَغْفِرَ لِیْ یعنی اے اللہ میں تیری اس رحمت کو تجھے یاد دلا کر جس نے تمام چیزوں کو گھیر رکھا ہے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو میرے گناہ معاف فرما دے۔ اور حدیث میں ہے تین شخصوں کی دعا رد نہیں ہوتی۔ عادل بادشاہ، روزے دار شخص اور مظلوم۔ اسے قیامت والے دن اللہ تعالیٰ بلند کرے گا۔ مظلوم کی بددعا کے لئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے میری عزت کی قسم میں تیری مدد ضرور کروں گا گو دیر سے کروں (مسند، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ)۔

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ۭ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۭ

تم لوگوں کے واسطے روزہ کی شب میں اپنی بیبیوں سے مشغول ہونا حلال کر دیا گیا کیونکہ وہ تمہارے (بجائے) اوڑھنے بچھونے (کے) ہیں اور تم ان کے (بجائے) اوڑھنے

عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ

خدا تعالیٰ کو اس کی خبر تھی کہ تم خیانت (کے گناہ) میں اپنے کو مبتلا کر رہے تھے (مگر) خیر اللہ تعالیٰ نے تم پر عنایت فرمائی اور تم سے گناہ کو دھو دیا سو اب ان سے

بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ

ملو ملاؤ اور جو (قانون اجازت) تمہارے لئے تجویز کر دیا ہے (بلا تکلف) اس کا سامان کرو اور کھاؤ اور پیو (بھی) اُس وقت تک کہ تم کو سفید خط

الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۠ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ

(یعنی نور) صبح (صادق) کا متمیز ہو جاوے سیاہ خط سے پھر (صبح صادق سے) رات تک روزہ کو پورا کیا کرو

وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ۭ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا

اور ان بیبیوں سے اپنا بدن بھی مت ملنے دو جس زمانہ میں کہ تم لوگ اعتکاف والے ہو مسجدوں میں۔ یہ خداوندی ضابطے ہیں سو ان سے نکلنے کے نزدیک

تَقْرَبُوْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ⑤

بھی مت ہونا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے (اور) احکام (بھی) لوگوں (کی اصلاح) کے واسطے بیان فرمایا کرتے ہیں اس امید پر کہ وہ لوگ (مطلع ہو کر خلاف کرنے سے) بچیں

ابتدا میں کچھ احکام روزہ سے متعلق تھے لیکن پھر منسوخ ہو گئے

ابتدائے اسلام میں یہ حکم تھا کہ افطار کے بعد کھانا پینا، جماع کرنا عشاء کی نماز تک جائز تھا اور اگر کوئی اس سے بھی پہلے سو گیا تو اس پر نیند آتے ہی حرام ہو گیا۔ اس میں صحابہؓ کو قدرے مشقت ہوئی جس پر یہ رخصت کی آیتیں نازل ہوئیں اور آسانی

کے احکام مل گئے۔ "رَفَثْ" سے مراد یہاں جماع ہے۔ ابن عباس رضؓ عطاؒ مجاہدؒ سعید بن جبیرؒ طاؤسؒ سالم بن عبداللہؒ عمرو بن دینارؒ حسنؒ قتادہؒ زہریؒ ضحاکؒ ابراہیم نخعیؒ سدیؒ عطا خراسانیؒ مقاتل بن حبان رحمہم اللہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ لباس سے مراد مسکون ہے۔ ربیع بن انس لحاف کے معنی بیان کرتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ میاں بیوی کے آپس کے تعلقات اس قسم کے ہیں کہ انھیں ان راتوں میں بھی اجازت دی جاتی ہے۔ پہلے حدیث گذر چکی ہے کہ اس آیت کا شانِ نزول کیا ہے۔ جس میں بیان ہو چکا ہے کہ جب یہ حکم تھا کہ افطار سے پہلے اگر کوئی سو جائے تو اب رات کو جاگ کر کھا پی نہیں سکتا۔ اب اسے یہ رات اور دوسرا دن گذار کر بعد از مغرب کھانا پینا حلال ہوگا۔ حضرت قیس بن صرمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ دن بھر کھیتی باڑی کا کام کر کے شام کو گھر آئے۔ بیوی سے کہا کچھ کھانے کو ہے؟ جواب ملا کچھ نہیں۔ میں جاتی ہوں اور کہیں سے لاتی ہوں۔ تو وہ گئیں اور یہاں ان کی آنکھ لگ گئی۔ جب آکر دیکھا تو بڑا افسوس کیا کہ اب یہ رات اور دوسرا دن بھوکے بیٹھوں سے کیسے گذرے گا۔ چنانچہ جب آدھا دن ہوا تو حضرت قیسؓ بھوک کے مارے بیہوش ہو گئے۔ حضور علیہ السلام کے پاس ذکر ہوا۔ اس پر یہ آیت اتری اور مسلمان بہت خوش ہوئے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ صحابہؓ رمضان بھر عورتوں کے پاس نہیں جاتے تھے۔ لیکن بعض لوگوں سے کچھ ایسے قصور بھی ہو جایا کرتے تھے جس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ قصور کئی ایک حضرات سے ہو گیا تھا۔ جن میں حضرت عمر بن خطابؓ بھی تھے۔ جنھوں نے عشاء کی نماز کے بعد اپنی اہلیہ سے مباشرت کی تھی۔ پھر دربارِ نبوت میں شکایتیں ہوئیں اور یہ رحمت کی آیتیں اتریں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب آکر یہ واقعہ سنایا تو آپؐ نے فرمایا عمر تم سے تو ایسی امید نہ تھی۔ اسی وقت یہ آیت اتری۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت قیسؓ نے عشاءؓ کی نماز کے بعد نیند سے بیدار ہو کر کھا پی لیا تھا اور صبح حاضر ہو کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا یہ قصور بیان کیا تھا۔ ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب مباشرت کا ارادہ کیا تو بیوی صاحبہ نے فرمایا کہ مجھے نیند آگئی تھی۔ لیکن انھوں نے اسے بہانہ سمجھا۔ اُس رات آپ دیر تک مجلس نبوی میں بیٹھے رہے تھے اور بہت رات گئے گھر پہنچے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ایسا ہی قصور ہو گیا تھا۔ مَا كَتَبَ اللّٰهُ سے مراد اولاد ہے۔ بعضوں نے کہا ہے جماع مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں لیلۃ القدر مراد ہے۔ قتادہؒ کہتے ہیں مراد اس سے رخصت ہے۔ تطبیق ان سب اقوال میں اس طرح ہو سکتی ہے کہ عموم کے طور پر سب ہی مراد ہیں۔ جماع کی رخصت کے بعد کھانے پینے کی اجازت مل رہی ہے کہ صبح صادق تک اس کی اجازت ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں پہلے مِنَ الْفَجْرِ کا لفظ نہیں اترا تھا تو چند لوگوں نے اپنے پاؤں میں سفید اور سیاہ دھاگے باندھ لئے اور جب تک ان کی سفیدی اور سیاہی میں تمیز نہ ہوئی کھاتے پیتے رہے۔ اس کے بعد یہ لفظ اترا اور معلوم ہو گیا کہ اس سے مراد رات دن ہے۔ مسند احمد میں ہے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بھی دو دھاگے سیاہ اور سفید اپنے تکیے تلے رکھ لئے اور جب تک ان کے رنگ میں تمیز نہ ہوئی تب تک کھاتا پیتا رہا۔ صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا تیرا تکیہ بڑا لمبا چوڑا نکلا۔ اس سے مراد تو صبح کی سفیدی کا رات کی سیاہی سے ظاہر ہونا ہے۔ یہ حدیث صحیحین میں بھی ہے۔ مطلب حضور کے اس قول کا یہ ہے کہ آیت میں تو دھاگوں سے مراد دن کی سفیدی اور رات کی تاریکی ہے تو اگر تیرے تکیے تلے یہ دونوں آجاتی ہوں تو گویا اس کی لمبائی مشرق مغرب تک محیط ہے۔ صحیح بخاری میں یہ تفسیر بھی روایتاً موجود ہے۔ بعض روایتوں میں یہ لفظ بھی ہیں کہ پھر تو تو بڑی لمبی چوڑی گردن والا ہے۔ بعض لوگوں نے اس کے معنی بیان کئے ہیں کہ کند ذہن ہے۔ لیکن یہ معنی غلط ہیں۔ بلکہ مطلب دونوں جملوں کا ایک ہی ہے کیونکہ جب تکیہ اتنا بڑا ہے تو گردن بھی اتنی بڑی ہوگی۔ واللہ اعلم۔ بخاری شریف میں حضرت عدی رضی اللہ عنہ کا اسی طرح کا سوال اور آپ کا اسی طرح کا جواب تفصیل سے یہی ہے۔ آیت کے ان الفاظ سے سحری کھانے کا استحباب بھی ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ خدا کی رخصتوں پر عمل کرنا اسے پسند ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ سحری کھایا کرو اس میں برکت ہے (بخاری مسلم)۔ ہمارے اور اہلِ کتاب کے روزوں میں سحری کھانے ہی کا فرق ہے (مسلم) سحری کا کھانا برکت ہے اسے نہ چھوڑو۔ اگر کچھ نہ ملے تو پانی کا گھونٹ ہی سہی۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر رحمت بھیجتے ہیں (مسند احمد) اسی طرح اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ سحری کو دیر کر کے کھانا چاہئے ایسے وقت کہ فراغت کے کچھ ہی دیر بعد صبح صادق ہو جائے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سحری کھاتے ہی نماز کے لئے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ اذان اور سحری کے درمیان اتنا ہی فرق ہوتا تھا کہ پچاس آیتیں پڑھ لی جائیں (بخاری مسلم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب تک میری امت افطار میں جلدی کرے اور سحری میں تاخیر کرے اس وقت تک

بھلائی سے رہے گی (مسند احمد) یہ بھی حدیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام غذائے مبارک رکھا ہے۔ مسند احمد وغیرہ کی حدیث میں ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی ایسے وقت کہ گویا سورج طلوع ہونے والا ہی تھا۔ لیکن اس میں ایک راوی عاصم بن ابو نجود منفرد ہیں اور مراد اس سے دن کی نزدیکی ہے جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ الخ یعنی جب وہ عورتیں اپنے وقتوں کو پہنچ جائیں۔ مراد یہ ہے کہ جب عدت کا زمانہ ختم ہو جانے کے قریب آجائے۔ یہی مراد اس حدیث میں بھی ہے کہ اُنھوں نے سحری کھائی۔ اور صبح صادق ہو جانے کا یقین نہ تھا بلکہ ایسا وقت تھا کہ کوئی کہتا تھا ہوگئی کوئی کہتا تھا نہیں ہوئی۔ اکثر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیر سے سحری کھانا اور آخری وقت تک کھاتے رہنا ثابت ہے۔ جیسے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت علی ابنِ مسعود حضرت حذیفہؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اور تابعین کی بھی ایک بہت بڑی جماعت سے صبح صادق کے طلوع ہونے کے بالکل قریب ہی سحری کھانا نقل ہے۔ جیسے محمد بن علی بن حسین ابو مجلز، ابراہیم نخعی، ابو الضحیٰ، ابو وائل وغیرہ شاگردانِ ابن مسعود اور عطا اور حسن اور حاکم بن عیینہ اور مجاہد اور عروہ بن زبیر اور ابو الشعثاء جابر بن زید اور یہی مذہب ہے اعمش اور جابر بن رشد کا اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ ہم نے ان سب کی اسنادیں اپنی مستقل کتاب "کتاب الصیام" میں بیان کر دی ہیں۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں بعض لوگوں سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ سورج کے طلوع ہونے تک کھانا پینا جائز ہے جیسے غروب ہوتے ہی افطار کرنا۔ لیکن یہ قول کوئی عالم قبول نہیں کر سکتا۔ کیونکہ نصِ قرآن کے خلاف ہے۔ قرآن میں خیط کا لفظ موجود ہے۔ بخاری، مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت (بلال رضی اللہ عنہ) کی اذان سُن کر تم سحری سے نہ رُک جایا کرو وہ رات باقی ہوتے ہوئے اذان دیا کرتے ہیں تم کھاتے پیتے رہو جب تک حضرت عبداللہ بن ام مکتوم (رضی اللہ عنہ) کی اذان نہ سُن لو۔ وہ اذان نہیں کہتے جب تک فجر طلوع نہ ہو جائے۔ مسند احمد میں حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ فجر نہیں جو آسمانوں کے کناروں میں لمبی پھیلتی ہے بلکہ وہ سرخی والی اور کنارے کنارے ظاہر ہونے والی ہوتی ہے۔ ترمذی میں بھی یہ روایت ہے اُس میں ہے کہ اُس پہلی فجر کو جو طلوع ہو کر اوپر کو چڑھتی ہے دیکھ کر کھانے پینے سے نہ رُکو بلکہ کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ سُرخ دھاری سامنے آجائے۔ ایک اور حدیث میں صبح کاذب اور اذان بلال رضؓ کو ایک ساتھ بھی بیان فرمایا ہے۔ ایک اور روایت میں صبح کاذب کو سفیدیِ صبح کی ستون کی مانند بتلایا ہے۔ دوسری روایت میں اس پہلی اذان کی جس کے مؤذن حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ یہ وجہ بیان کی ہے کہ وہ سوتوں کو جگانے اور نماز (تہجد) پڑھنے والوں کو لوٹانے کے لئے ہوتی ہے فجر اس طرح نہیں ہے جب تک اس طرح نہ ہو (یعنی آسمان میں اونچی چڑھنے والی نہیں بلکہ کناروں میں دھاری کی طرح ظاہر ہونے والی) ایک مرسل حدیث میں ہے۔ فجر دو ہیں ایک تو بھیڑیئے کی دُم کی طرح اُس سے روزے دار پر کوئی چیز حرام نہیں ہوتی ہاں وہ فجر جو کناروں میں ظاہر ہو وہ نماز صبح کا وقت ہے اور روزے دار کے کھانے پینے کو موقوف کرنے کا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ جو سفیدی آسمان کے نیچے سے اوپر کو چڑھتی ہے اُسے نماز کی حلت اور روزے کی حرمت سے کوئی سروکار نہیں۔ لیکن وہ فجر جو پہاڑوں کی چوٹیوں پر چمکنے لگتی ہے وہ کھانا پینا حرام کرتی ہے۔ حضرت عطاؒ سے روایت ہے کہ آسمان میں لمبی لمبی چڑھنے والی روشنی نہ تو روزہ رکھنے والے پر کھانا پینا حرام کرتی ہے نہ اُس سے نماز کا وقت آیا ہوا معلوم ہو سکتا ہے نہ حج فوت ہوتا ہے۔ لیکن جو صبح پہاڑوں کی چوٹیوں پر پھیل جاتی ہے یہ وہ صبح ہے کہ روزہ دار کو سب چیزیں حرام کر دیتی ہے اور نمازی کو نماز حلال کر دیتی ہے اور حج فوت ہو جاتا ہے۔ ان دونوں روایتوں کی سند صحیح ہے۔ اور بہت سے سلف سے یہ منقول ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ **مسئلہ:** چونکہ جماع کا اور کھانے پینے کا آخری وقت اللہ تعالیٰ نے روزہ رکھنے والے کے لئے صبح صادق مقرر کیا ہے اس سے اس مسئلہ پر استدلال ہو سکتا ہے کہ صبح کے وقت جو شخص جنبی اٹھا وہ غسل کر لے اور اپنا روزہ پورا کر لے اُس پر کوئی حرج نہیں۔ چاروں اماموں اور سلف و خلف کے جمہور علماء کرام رح کا یہی مذہب ہے۔ بخاری مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو جماع کرتے صبح کے وقت جنبی اُٹھتے پھر غسل کر کے روزے سے رہتے آپ کا یہ جنبی ہونا احتلام کے سبب نہ ہوتا تھا حضرت اُم سلمہؓ والی روایت میں ہے پھر آپ نہ افطار کرتے تھے نہ قضا کرتے تھے۔ صحیح مسلم شریف

میں حضرت عائشہ رضہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ میں صبح نماز کا وقت آجانے تک جنبی ہوتا ہوں تو پھر کیا میں روزہ رکھ لوں؟ آپ نے فرمایا یہی بات میرے ساتھ بھی ہوتی ہے اور میں روزہ رکھتا ہوں اُس نے کہا یا رسول اللہ ہم تو آپ جیسے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تو سب اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں آپ نے فرمایا واللہ مجھے تو امید ہے کہ تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ تقویٰ کی باتوں کو جاننے والا میں ہوں۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ جب صبح کی اذان ہو جائے اور تم میں سے کوئی جنبی ہو تو وہ اس دن روزہ نہ رکھے اس کی اسناد نہایت صحیح ہے اور یہ حدیث شرط شیخین پر ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ یہ حدیث بخاری مسلم میں بھی حضرت ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے وہ فضل بن عباس سے روایت کرتے ہیں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ سنن نسائی میں یہ حدیث بروایت ابوہریرہ رضہ ہے وہ اسامہ بن زید سے اور فضل بن عباس رضہ سے روایت کرتے ہیں اور مرفوع نہیں کرتے اسی لئے بعض علماء کا تو قول ہے کہ اس حدیث میں یہ علت ہے کہ وہ مرفوع نہیں اور بعض دیگر علماء کا یہی مذہب ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، سالم رحہ، عطاء رحہ، ہشام بن عروہ اور حسن بصری رحہ یہی کہتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر جنبی ہو کر سو گیا ہو اور آنکھ کھلی تو صبح صادق ہو گئی ہو تو اس کے روزے میں کوئی نقصان نہیں۔ حضرت عائشہ رضہ اور حضرت ام سلمہ رضہ والی حدیث کا یہی مطلب ہے۔ اور اگر اس نے عمداً غسل نہیں کیا اور اسی حالت میں صبح ہو گئی تو اُس کا روزہ نہیں ہوگا۔ حضرت عروہ رحہ، طاؤس رحہ اور حسن رحہ یہی کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں اگر فرضی روزہ ہو تو پورا تو کرے لیکن قضا لازم ہے اور نفلی روزہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ ابراہیم نخعی رحہ یہی کہتے ہیں۔ خواجہ حسن بصری رحہ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ بعض کہتے ہیں حضرت ابوہریرہ رضہ والی حدیث حضرت عائشہ رضہ والی حدیث سے منسوخ ہے لیکن حقیقت میں تاریخ کا پتہ نہیں جس سے نسخ ثابت ہو سکے۔ ابن حزم رحہ فرماتے ہیں اس کی ناسخ یہ آیت قرآنی ہے لیکن یہ بھی کمزور سی ہے اس لئے کہ اس آیت کا بعد میں ہونا تاریخ سے ثابت نہیں۔ بلکہ اس حیثیت سے تو بظاہر یہ حدیث اس آیت کے بعد کی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث میں لا نفی کمال کا ہے یعنی اُس شخص کا روزہ کامل نہیں کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضہ والی حدیث سے جواز صاف طور سے ثابت ہو رہا ہے یہی مسلک ٹھیک بھی ہے اور دوسرے تمام اقوال سے یہ قول زیادہ صحیح ہے اور یوں کہنے سے دونوں روایتوں میں تطبیق کی صورت بھی نکل آتی ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ روزے کو رات تک پورا کرو۔ اس سے ثابت ہوا کہ سورج کے ڈوبتے ہی روزہ افطار کر لینا چاہئے۔ بخاری مسلم میں امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اِدھر سے رات آجائے اور اُدھر سے دن چلا جائے تو روزے دار افطار کرلے۔ بخاری مسلم میں حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک لوگ افطار کرنے میں جلدی کریں گے خیر سے رہیں گے۔ مسند احمد میں حضرت ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ مجھے سب سے زیادہ پیارے وہ بندے ہیں جو روزہ افطار کرنے میں جلدی کرنے والے ہیں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو حسن غریب کہتے ہیں۔ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ بشیر بن خصاصیہ رضہ کی بیوی صاحبہ حضرت لیلیٰ فرماتی ہیں کہ میں نے دو روزوں کو بغیر افطار کئے ملانا چاہا تو میرے خاوند نے مجھے منع کیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ کام نصرانیوں کا ہے تم تو روزے اس طرح رکھو جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ رات کو روزہ افطار کر لیا کرو۔ اور بھی بہت سی حدیثوں میں بیچ کے روزہ کو ملانے کی ممانعت آئی ہے۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزہ سے روزہ نہ ملاؤ تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ خود آپ تو ملاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تم جیسا نہیں ہوں میں رات گذارتا ہوں۔ میرا رب مجھے کھلا پلا دیتا ہے۔ لیکن لوگ پھر بھی اس سے باز نہ رہے۔ تو آپ نے دو دن دو راتوں کا برابر روزہ رکھا پھر چاند دکھائی دے گیا تو آپ نے فرمایا اگر چاند نہ چڑھتا تو میں تو یونہی روزوں کو ملائے جاتا گویا آپ ان کی عاجزی ظاہر کرنا چاہتے تھے۔ صحیحین میں بھی یہ حدیث ہے۔ اور اسی طرح روزے کو بے افطار کئے اور رات کو کچھ کھائے بغیر دوسرے روزے سے ملا لینے کی ممانعت میں بخاری مسلم میں حضرت انس حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی مرفوع حدیثیں نقل ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ امت کو ممانعت ہے اور آپ کی ذات اس سے مخصوص تھی آپ کو اس کی طاقت تھی اور خدائے تعالیٰ کی طرف سے اس پر آپ کی مدد کی جاتی تھی۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہ جو آپ نے فرمایا کہ مجھے

سیراب کھلا پلا دیتا ہے۔ اس سے مراد حقیقتاً کھانا پینا نہیں۔ کیونکہ پھر تو روزے سے روزے کا وصال نہ ہوا بلکہ یہ صرف روحانی طور پر مدد ہے۔ جیسے کہ ایک عربی شاعر کا شعر ہے ؎ لَهَا اَحَادِيْثُ مِنْ ذِكْرَاكَ تَشْغَلُهَا + عَنِ الشَّرَابِ وَتُلْهِيْهَا عَنِ الزَّادِ۔ یعنی اسے تیرے ذکر اور تیری باتوں میں وہ دلچسپی ہے کہ کھانے پینے سے یک قلم بے پرواہ ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص دوسری سحری تک رُک رہنا چاہے تو یہ جائز ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وصال نہ کرو۔ جو کرنا ہی چاہے تو سحری تک کرلے۔ لوگوں نے کہا آپ تو وصال کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تم جیسا نہیں مجھے تو رات ہی کو کھلانے والا کھلا دیتا ہے اور پلانے والا پلا دیتا ہے (بخاری مسلم) ایک اور روایت میں ہے کہ ایک صحابیہ عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں آپ سحری کھا رہے تھے فرمایا آؤ تم بھی کھالو۔ اس نے کہا میں تو روزے سے ہوں۔ آپ نے فرمایا تم روزہ کس طرح رکھتی ہو؟ انھوں نے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرح سحری کے وقت سے دوسری سحری کے وقت تک کا ملا ہوا روزہ کیوں نہیں رکھتیں؟ (ابن جریر) مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک سحری سے دوسری سحری تک کا روزہ رکھتے تھے۔ ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ سلف صالحین سے مروی ہے کہ وہ کئی کئی دن تک پے درپے بغیر کچھ کھائے روزہ رکھتے تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ عبادت کے طور پر نہ تھا۔ بلکہ نفس کو مارنے کے لئے ریاضت کے طور پر تھا۔ واللہ اعلم۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ انھوں نے سمجھا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سے روکنا صرف شفقت اور مہربانی کی رو سے ہے نہ کہ ناجائز ہونے کی بنا پر۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضہ فرماتی ہیں۔ آپ نے لوگوں پر رحم کھا کر اس سے منع فرمایا تھا۔ پس ابن زبیر رضہ اور ان کے صاحبزادے عامر رضہ اور ان کی راہ چلنے والے اپنے نفس میں قوت پاتے تھے اور روزے پر روزے رکھے جاتے تھے۔ یہ بھی مروی ہے کہ جب وہ افطار کرتے تو پہلے گھی اور کڑوا گوند کھاتے تاکہ پہلے پہل غذا پہنچنے سے آنتیں جل نہ جائیں۔ روایت ہے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سات سات دن تک برابر روزے سے رہتے۔ اس اثنا میں دن کو یا رات کو کچھ نہ کھاتے اور پھر ساتویں دن خوب تندرست چست و چالاک اور سب سے زیادہ قوی پائے جاتے۔ ابوالعالیہ رح فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دن کا روزہ فرض کر دیا۔ رہی رات تو جو چاہے کھالے جو نہ چاہے نہ کھائے۔

پھر فرمان ہوتا ہے کہ اعتکاف کی حالت میں عورتوں سے مباشرت نہ کرو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے جو شخص مسجد میں اعتکاف میں بیٹھا ہو خواہ رمضان میں خواہ اور مہینوں میں۔ اس پر دن کے وقت رات کے وقت اپنی بیوی سے جماع کرنا حرام ہے۔ جب تک اعتکاف پورا نہ ہو جائے حضرت ضحاک رح فرماتے ہیں پہلے لوگ اعتکاف کی حالت میں بھی جماع کر لیا کرتے تھے جس پر یہ آیت اُتری۔ اور جس نے مسجد میں اعتکاف کیا ہو اس کے لئے یہ کام حرام کیا گیا۔ مجاہد رح اور قتادہ رح بھی یہی کہتے ہیں۔ پس علمائے کرام کا متفقہ فتویٰ ہے کہ اعتکاف والا اگر کسی ضروری حاجت کے لئے گھر میں جائے مثلاً پیشاب یا پاخانہ کے لئے یا کھانا کھانے کے لئے تو اس کام سے فارغ ہوتے ہی مسجد میں چلا آئے۔ وہاں ٹھیرنا جائز نہیں۔ نہ اپنی بیوی سے بوس و کنار وغیرہ جائز ہے نہ کسی اور کام میں سوائے اعتکاف کے مشغول ہونا اس کے لئے جائز ہے بلکہ بیمار کی بیمار پرسی کے لئے بھی جانا جائز نہیں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ چلتے چلتے پوچھ لے۔ اعتکاف کے اور بھی بہت سے احکام ہیں۔ بعض میں اختلاف بھی ہے جن سب کو ہم نے اپنی مستقل کتاب "کتاب الصیام" کے آخر میں بیان کیا ہے وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ۔ چونکہ قرآن پاک میں روزوں کے بیان کے بعد اعتکاف کا ذکر ہے اسی لئے اکثر مصنفین نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں روزے کے بعد ہی اعتکاف کے احکام بیان کئے ہیں۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اعتکاف روزے کی حالت میں کرنا چاہئے یا رمضان کے آخر میں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی رمضان شریف کے آخری دنوں میں اعتکاف کیا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کے بعد اُمہات المؤمنین رضہ آپ کی بیویاں اعتکاف کیا کرتی تھیں (بخاری مسلم) صحیحین میں ہے کہ حضرت صفیہ بنت حیی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کی اعتکاف کی حالت میں حاضر ہوتی تھیں اور کوئی ضروری بات پوچھنے کی ہوتی وہ دریافت کر کے چلی جاتیں۔ ایک مرتبہ رات کو جب جانے لگیں تو چونکہ مکان مسجد نبوی سے فاصلہ پر تھا اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ ہو لئے کہ پہنچا آئیں۔ راستہ میں دو انصاری صحابی مل گئے اور آپ کے ساتھ آپ کی بیوی صاحبہ رض کو دیکھ کر شرم کے مارے جلدی جلدی قدم بڑھا کر جانے لگے آپ نے فرمایا ٹھیر جاؤ۔ سُنو یہ میری بیوی صفیہ ہیں وہ کہنے لگے سبحان اللہ (کیا ہمیں کوئی اور خیال بھی ہو سکتا ہے؟)۔ آپ نے فرمایا شیطان

انسان کی رگ رگ میں خون کی طرح پھرتا رہتا ہے۔ مجھے خیال ہوا کہ کہیں تمہارے دل میں وہ کوئی بدگمانی نہ پیدا کر دے۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس اپنے واقعہ سے اپنی امت کو گویا سبق سکھا رہے ہیں کہ وہ تہمت کی جگہوں سے بچتے رہیں ورنہ ناممکن ہے کہ وہ پاکباز صحابہ رضؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کوئی برا خیال بھی دل میں لائیں اور یہ بھی ناممکن ہے کہ آپ ان کی نسبت یہ خیال فرمائیں۔ واللہ اعلم۔

آیت میں مراد مباشرت سے جماع اور اس کے اسباب ہیں جیسے بوس و کنار وغیرہ ورنہ کسی چیز کا لینا دینا وغیرہ یہ سب باتیں جائز ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کی حالت میں میری طرف سر جھکا دیا کرتے تھے میں آپ کے سر میں کنگھی کر دیا کرتی تھی حالانکہ میں حیض سے ہوتی تھی۔ آپ اعتکاف کے دنوں میں ضروری حاجت کے رفع کے سوا اور وقت گھر میں تشریف نہیں لاتے تھے۔ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں اعتکاف کی حالت میں تو چلتے چلتے ہی گھر کے بیمار کی بیمار پرسی کر لیا کرتی ہوں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ ہماری بیان کردہ باتیں اور فرض کئے ہوئے احکام اور مقرر کی ہوئی حدیں روزے اور روزوں کے احکام اور اس کے مسائل اس میں جو کام جائز ہیں جو ناجائز ہیں وہ ...... سب ہماری حد بندیاں ہیں خبردار ان کے قریب بھی نہ آنا نہ ان سے تجاوز کرنا نہ ان کے آگے بڑھنا۔ بعض کہتے ہیں یہ حد اعتکاف کی حالت میں مباشرت سے الگ رہنا ہے۔ بعض کہتے ہیں ان آیتوں کے چاروں حکم مراد ہیں۔ پھر فرمایا جس طرح روزے اور اس کے احکام اور اس کے مسائل اور اس کی تفصیل ہم نے بیان کر دی اسی طرح اور احکام بھی ہم اپنے بندے اور رسولؐ کی معرفت سب کے سب تمام جہان کے لئے بیان کیا کرتے ہیں تاکہ وہ یہ معلوم کر سکیں کہ ہدایت کیا ہے اور اطاعت کسے کہتے ہیں؟ اور اس بنا پر وہ متقی بن جائیں۔ جیسے اور جگہ ہے هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ یعنی وہ خدا جو اپنے بندے پر روشن آیتیں نازل فرماتا ہے تاکہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائے اللہ تعالیٰ تم پر بڑی شفقت و رحمت کرنے والا ہے۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا

اور آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق (طور پر) مت کھاؤ اور ان (کے مقدمہ) کو حکام کے یہاں اس غرض سے رجوع مت کرو کہ (اس کے ذریعہ سے) لوگوں کے مالوں کا

فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ع

ایک حصہ بطریق گناہ (یعنی ظلم) کے کھا جاؤ اور تم کو (اپنے جھوٹ اور ظلم کا) علم بھی ہو۔

لوگوں کے اموال ہڑپ کر لینا گناہِ عظیم ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یہ آیت اس شخص کے بارے میں ہے جس پر کسی اور کا مال چاہیئے اور اس حقدار کے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو یہ شخص اس کا انکار کر جائے اور حاکم کے پاس جا کر بری ہو جائے حالانکہ وہ جانتا ہو کہ اس پر اس کا حق ہے وہ اس کا مال مار رہا ہے اور حرام کھا رہا ہے اور اپنے تئیں گنہگاروں میں شامل ہو رہا ہو حضرت مجاہدؒ سعید بن جبیرؒ عکرمہؒ حسنؒ قتادہؒ سدیؒ مقاتل بن حیانؒ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ باوجود اس علم کے کہ تو ظالم ہے جھگڑا نہ کر۔ صحیحین میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں انسان ہوں میرے پاس لوگ جھگڑا لیکر آتے ہیں شاید ایک دوسرے سے زیادہ حجت باز ہو میں اس کی چکنی چپڑی تقریر سن کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں (حالانکہ در حقیقت میرا فیصلہ واقعہ کے خلاف ہو) تو سمجھ لو کہ جس کے حق میں اس طرح کے فیصلہ سے کسی مسلمان کے حق کو میں دلوا دوں وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے خواہ اٹھالے خواہ نہ اٹھالے۔ میں کہتا ہوں یہ آیت اور یہ حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ حاکم کا حکم کسی معاملہ کی حقیقت کو شریعت کے نزدیک بدلتا نہیں۔ فی الواقع جو حرام ہو وہ قاضی کے فیصلے سے حلال اور حلال حرام نہیں ہو سکتا۔ قاضی کا فیصلہ صرف ظاہری ہوتا ہے۔ باطن میں نافذ نہیں ہوتا۔ اگر وہ فی الواقع بھی نفس الامر کے مطابق ہو تو خیر ورنہ حاکم کو تو اجر ملے گا لیکن اس فیصلہ کی بنا پر حق کو ناحق اور ناحق کو حق بنا لینے والا خدا کا مجرم ٹھیرے گا اور اس پر وبال باقی رہے گا۔ جس پر آیت مندرجہ بالا گواہ ہے کہ تم اپنے دعوے کے باطل ہونے کا علم رکھتے ہوئے لوگوں کے مال مار کھانے کے لئے جھوٹے مقدمات بنا کر جھوٹے گواہ گزار کر ناجائز طریقوں سے حکام کو دھوکہ دے کر اپنے دعووں کو ثابت نہ کیا کرو۔ حضرت

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ لوگو! سمجھ لو کہ قاضی کا فیصلہ تمہارے لیے حرام کو حلال نہیں کرسکتا اور نہ باطل کو حق کر سکتا ہے۔ قاضی تو اپنی عقل سمجھ سے گواہوں کی گواہی کے مطابق ظاہری حالات کے دیکھتے ہوئے فیصلہ صادر کر دیتا ہے اور وہ بھی آخر انسان ہی ہے۔ ممکن ہے خطا کرے اور ممکن ہے کہ خطا سے بچ جائے تو اگر فیصلہ قاضی کا واقعہ کے خلاف ہو تو تم صرف قاضی کا فیصلہ سمجھ کر اُسے جائز مال نہ سمجھ لو۔ یہ جھگڑا باقی ہی ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دونوں کو جمع کرے اور باطل والوں پر حق والوں کو غلبہ دے کر اُن کا حق ان سے دلوائے اور دنیا میں جو فیصلہ ہوا تھا اس کے خلاف فیصلہ صادر فرما کر اُس کی نیکیوں میں سے اُسے بدلہ دلوائے۔ [illegible]

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ ؕ وَ لَیْسَ الْبِرُّ

آپ سے چاندوں کی حالت تحقیقات کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ وہ چاند آلۂ شناخت اوقات ہیں لوگوں کے (اختیاری معاملات مثل عدۃ و مطالبۂ حقوق کے) لئے اور دیگر اختیاری عبادات

بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰی ۚ وَ اْتُوا الْبُیُوْتَ

گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آیا کرو ہاں لیکن فضیلت یہ ہے کہ کوئی شخص حرام (چیزوں) سے بچے۔ اور گھروں میں

مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ①

اُن کے دروازوں سے آؤ اور خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو امید ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

لایعنی سوالات کا جواب ضروری نہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے چاند کے بارے میں سوال کیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اس سے قرض وغیرہ کے وعدوں کی میعاد معلوم ہو جاتی ہے عورتوں کی عدت کا وقت معلوم ہوتا ہے حج کا وقت معلوم ہوتا ہے مسلمانوں کے روزے کے افطار کا تعلق بھی اسی سے ہے۔ مسند عبدالرزاق میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے چاند کو لوگوں کے وقت معلوم کرنے کے لئے بنایا ہے اُسے دیکھ کر روزے رکھو اُسے دیکھ کر عید مناؤ۔ اگر ابر و باراں کی وجہ سے چاند نہ دیکھ سکو تو تیس ۳۰ دن پورے گن لیا کرو۔ اس روایت کو حضرت امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے۔ یہ حدیث اور سندوں سے بھی روایت ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک موقوف روایت میں بھی یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے کہ بھلائی گھروں کے پیچھے سے آنے میں نہیں بلکہ بھلائی تقویٰ میں ہے۔ گھروں میں دروازوں سے آؤ۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں یہ دستور تھا کہ احرام میں ہوتے تو گھروں میں پشت کی جانب سے آتے جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابوداؤد طیالسی میں بھی یہ روایت ہے۔ انصار کا عام دستور تھا کہ سفر سے جب واپس آتے تو گھر کے دروازے سے گھر میں نہیں گھستے تھے۔ دراصل یہ بھی جاہلیت کے زمانہ کے قریشیوں نے اپنے لیے ایک امتیاز قائم کر لیا تھا کہ اپنا نام انہوں نے حُمس رکھا تھا احرام کی حالت میں یہ تو براہ راست اپنے گھروں میں آسکتے تھے لیکن باقی کے سب لوگ اس طرح نہیں جاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں تھے وہاں سے آپ اس کے دروازے میں سے نکلے آپ کے ایک انصاری صحابی حضرت قطبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ کے ساتھ ہی اُسی دروازے سے نکلے۔ اُس پر لوگوں نے حضرت سے کہا یا رسول اللہ یہ تو ایک تجارت پیشہ شخص ہیں یہ آپ کے ساتھ آپ کی طرح دروازے سے کیوں نکلے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں نے تو حضور کو جس طرح کرتے دیکھا کیا۔ مانا کہ آپ حُمس میں سے ہیں لیکن میں بھی تو آپ کے دین پر ہی ہوں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (ابن ابی حاتم) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے بھی یہ روایت ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانے میں بہت سی قوموں کا یہ رواج تھا کہ جب وہ سفر کے ارادے سے نکلتے پھر سفر ادھورا چھوڑ کر اگر کسی وجہ سے واپس چلے آتے تو گھر کے دروازے سے گھر میں نہ آتے بلکہ پیچھے کی طرف سے چڑھ کر آتے جس سے اس آیت میں روکا گیا۔ محمد بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اعتکاف کی حالت میں بھی یہی دستور تھا جسے اسلام نے مٹایا۔ عطا فرماتے ہیں اہل مدینہ کا عیدوں میں بھی یہی دستور تھا جو اسلام نے اُٹھا دیا۔ پھر فرمایا خدا کے حکموں کو بجا لانا اس کے منع کیے ہوئے کاموں سے رُک جانا اس کا ڈر دل میں رکھنا یہ چیزیں ہیں جو دراصل اس دن کام آنے والی ہیں جس دن ہر شخص خدا کے سامنے پیش ہوگا اور پوری پوری جزا سزا پائے گا۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ

اور (بے تکلف) تم لڑو اللہ کی راہ میں اُن لوگوں کیساتھ جو (نقض عہد کرکے) تمھارے ساتھ لڑنے لگیں (از خود) حد (معاہدہ) سے نہ نکلو واقعی اللہ تعالیٰ حد (قانون شرعی) سے

الْمُعْتَدِينَ ② وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ

نکلنے والونکو پسند نہیں کرتے اور (جس حالت میں وہ خود عہد شکنی کریں اسوقت خواہ) انکو قتل کرو جہاں انکو پاؤ اور (خواہ) انکو نکال باہر کرو جہاں سے انھوں نے تم کو نکلنے پر مجبور کیا ہے۔

وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ

اور شرارت قتل سے بھی سخت تر ہے اور اُن کے ساتھ مسجد حرام کے قرب (و نواح) میں (کہ حرم کہلاتا ہے) قتال مت کرو جب تک کہ وہ لوگ وہاں تم سے خود

فِيهِ ۖ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ۗ كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ③ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ

نہ لڑیں ہاں اگر وہ (کفار) خود ہی لڑنے کا سامان کرنے لگیں تو تم (بھی) اُن کو مارو ایسے کافروں کی (جو حرم میں لڑنے لگیں) ایسی ہی سزا ہے پھر اگر وہ لوگ (اپنے کفر سے) باز آجاویں

اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ④ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ۖ

اللہ تعالیٰ بخشدیں گے اور مہربانی فرمادیں گے اور ان کے ساتھ اس حد تک لڑو کہ فساد عقیدہ (شرک) نہ رہے اور ان کا دین (خالص) اللہ ہی کا ہوجاوے۔

فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ⑤

اور اگر وہ لوگ (کفر سے) باز آجاویں تو سختی کسی پر نہیں ہوا کرتی بجز بے انصافی کرنے والوں کے۔

اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے جدوجہد

حضرت ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مدینہ شریف میں جہاد کا پہلا حکم یہی نازل ہوا ہے۔ حضور علیہ السلام اس آیت کے حکم کی رُو سے صرف اُن لوگوں سے ہی لڑتے تھے جو آپ سے لڑیں۔ جو آپ سے نہ لڑیں۔ خود آپ ان سے لڑائی نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ سورۂ برأت نازل ہوئی۔ بلکہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اور ناسخ آیت فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ ہے یعنی جہاں کہیں مشرکین کو پاؤ انھیں قتل کرو۔ لیکن یہ توجیہ محل نظر ہے اس لئے کہ یہ تو صرف مسلمانوں کو رغبت دلانا اور انھیں آمادہ کرنا ہے کہ اپنے ان دشمنوں سے کیوں جہاد نہ کرو جو تمھارے اور تمھارے دین کے کھلے دشمن ہیں۔ جیسے وہ تم سے لڑتے ہیں تم بھی ان سے لڑو۔ جیسے اور جگہ فرمایا وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً۔ یعنی مل جل کر مشرکوں سے جہاد کرو جس طرح وہ تم سے سب کے سب مل کر لڑائی کرتے ہیں۔ چنانچہ اس آیت میں بھی فرمایا۔ انھیں قتل کرو جہاں پاؤ اور انھیں وہاں سے نکالو جہاں سے انھوں نے تمھیں نکالا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح اُن کا قصد تمھارے قتل کا اور تمھیں جلاوطن کرنے کا ہے۔ تمھارا بھی ان کے ساتھ یہی ارادہ رہنا چاہیے۔

پھر فرمایا تجاوز کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی معصیت نہ کرو۔ ناک کان وغیرہ نہ کاٹو۔ خیانت اور چوری نہ کرو۔ عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرو۔ اُن بوڑھے بڑے لوگوں کو بھی نہ مارو جو نہ لڑنے کے قابل ہیں نہ لڑائی میں دخل دیتے ہیں۔ درویشوں اور تارکِ دنیا لوگوں کو بھی قتل نہ کرو۔ بلکہ بلا مصلحت جنگی نہ درخت کاٹو نہ حیوانوں کو ضائع کرو۔ حضرت ابن عباسؓ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ حضرت مقاتل بن حبانؒ وغیرہ نے اس آیت کی تفسیر میں یہی فرمایا ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجاہدین کو ہدایت دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ خیانت نہ کرو۔ بدعہدی سے بچو۔ ناک کان وغیرہ اعضاء نہ کاٹو۔ بچوں کو اور زاہد لوگوں کو جو عبادت خانوں میں پڑے رہتے ہیں قتل نہ کرو۔ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے اللہ کا نام لیکر نکلو اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ کفار سے لڑو۔ ظلم و زیادتی نہ کرو۔ دھوکہ بازی نہ کرو۔ دشمن کے اعضاء بدن نہ کاٹو۔ درویشوں کو قتل نہ کرو۔ صحیحین میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک غزوہ میں ایک عورت قتل کی ہوئی پائی گئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بہت بُرا مانا اور عورتوں اور بچوں کے قتل کو منع فرما دیا۔

مسند احمد میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ایک تین یا پانچ سات نو گیارہ مثالیں ہیں ایک تو ظاہر کردی باقی چھوڑ دیں۔ فرمایا کچھ لوگ کمزور اور مسکین تھے ان پر زور آور اور مالدار دشمن چڑھ آیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن ضعیفوں کی مدد کی اور ان زور آوروں پر انھیں غالب کردیا۔ اب ان لوگوں نے اُن پر ظلم و زیادتی شروع کردی جس کے باعث اللہ تعالیٰ اُن پر قیامت تک کے لئے ناراض ہوگیا۔ یہ حدیث اسناداً صحیح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب یہ کمزور قوم غالب آگئی تو انھوں نے ظلم و زیادتی شروع کردی فرمانِ باری تعالیٰ کا کوئی لحاظ نہ کیا اس وجہ سے پروردگار عالم اُن پر ناراض ہوگیا۔ اس بارے میں احادیث اور آثار بکثرت ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ ظلم و زیادتی خدا کو ناپسند ہے اور ایسے لوگوں سے خدا ناخوش رہتا ہے۔ چونکہ جہاد کے احکام میں بظاہر قتل و خون ہوتا ہے اس لئے یہ بھی فرمادیا کہ ادھر اگر قتل و خون ہے تو ادھر خدا کے ساتھ شرک و کفر ہے اور اس مالک کی راہ سے اُس کی مخلوق کو روکنا ہے اور یہ فتنہ قتل سے بہت زیادہ سخت ہے۔ ابو مالکؒ فرماتے ہیں تمھاری یہ خطاکاریاں اور بدکاریاں قتل سے زیادہ بُری ہیں پھر فرمان سرزد ہوتا ہے کہ بیت اللہ میں ان سے لڑائی نہ کرو جیسے صحیحین میں ہے کہ یہ شہر حرمت والا ہے آسمان و زمین کی پیدائش کے زمانہ سے لے کر قیامت تک باحُرمت ہی ہیگا صرف تھوڑے سے وقت کے لئے اللہ تعالیٰ نے میرے لئے اُسے حلال کردیا تھا لیکن وہ آج اس وقت بھی حرمت والا ہے۔ اور قیامت تک اس کا یہ احترام اور بزرگی باقی رہے گی اس کے درخت نہ کاٹے جائیں اس کے کانٹے نہ اکھیڑے جائیں اگر کوئی شخص اس میں لڑائی کو جائز کہے اور میری جنگ کو دلیل میں لائے تو تم کہہ دینا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے اجازت دی تھی لیکن تمھیں کوئی اجازت نہیں۔ مراد آپ کے اس فرمان سے فتح مکہ کا دن ہے جس دن آپ نے ...... مکہ والوں سے جہاد کیا تھا اور مکہ کو فتح کیا تھا چند مشرکین مارے بھی گئے تھے۔ گو بعض علمائے کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ مکہ صلح سے فتح ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف ارشاد فرمادیا تھا کہ جو شخص ...... اپنا دروازہ بند کرلے وہ امن میں ہے جو مسجد میں چلا جائے امن میں ہے جو ابو سفیان کے گھر میں چلا جائے وہ بھی امن میں ہے۔ پھر فرمایا کہ ہاں اگر وہ تم سے یہاں لڑائی شروع کردیں تو تمھیں اجازت ہے کہ تم بھی یہیں اُن سے لڑو تاکہ یہ ظلم دفع ہوسکے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ والے دن اپنے اصحاب سے لڑائی کی بیعت لی جبکہ قریشیوں نے اور ان کے ساتھیوں نے مل ملا کر یورش کی تھی اور آپ نے درخت تلے اپنے اصحاب سے بیعت لی پھر اللہ تعالیٰ نے اس لڑائی کو دفع کردیا چنانچہ اس نعمت کا بیان اس آیت میں ہے وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ مِنْكُمْ الخ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر یہ کفار حرم میں لڑائی بند کردیں اور اس سے باز آجائیں اور اسلام کی طرف جھکیں تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرمادے گا۔ گو انھوں نے مسلمانوں کو حرم میں قتل کیا ہو۔ تاہم باری تعالیٰ ایسے بڑے گناہ کو بھی معاف فرمادے گا۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ ان مشرکین سے جہاد جاری رکھو تاکہ یہ شرک کا فتنہ مٹ جائے اور اللہ تعالیٰ کا دین غالب اور عالی ہوجائے اور تمام ادیان پر غالب ہوجائے جیسے صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ایک شخص اپنی بہادری جتانے کے لئے لڑتا ہے۔ ایک شخص حمیّت و غیرت قومی سے لڑتا ہے۔ ایک شخص ریاکاری اور دکھاوے کے طور پر لڑتا ہے تو فرمائیے کہ ان میں کون شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا وہی ہے جو اس لئے لڑے کہ اللہ تعالیٰ کی بات بلند ہو اس کے دین کا بول بالا ہو۔ بخاری مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے۔ مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کرتا رہوں۔ یہاں تک کہ وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہیں۔ جب اُسے وہ کہہ لیں گے تو مجھ سے اپنے خون اور مال بچالیں گے مگر اسلامی احکام میں۔ اور اُن کا باطنی حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ پھر فرمایا اگر یہ کفار شرک و کفر سے اور تمھیں قتل کرنے سے باز آجائیں تو تم بھی ان سے رُک جاؤ۔ اس کے بعد جو قتال کرے گا وہ ظالم ہوگا اور ظالموں کو ظلم کا بدلہ دینا ضروری ہے یہی معنی ہیں حضرت مجاہد کے اس قول کے کہ جو لڑیں اُن سے ہی لڑا جائے۔ یا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ان حرکات سے رُک جائیں تو وہ ظلم یعنی شرک سے ہٹ گئے پھر کوئی وجہ نہیں کہ ان سے جنگ و جدال ہو۔ یہاں لفظ عُدْوَان جو کہ زیادتی کے معنی میں ہے وہ زیادتی کے مقابلہ میں زیادتی کے بدلے کے لئے ہے۔ حقیقتاً وہ زیادتی نہیں۔ جیسے فرمایا۔ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ یعنی تم پر جو زیادتی کرے تم بھی اس پر

لہ اسکو آپ موجودہ اصطلاح میں جنگی آرڈیننس کہئے۔ یعنی جب جنگ ہوجائے تو اس وقت اسلام کو قبول کرو اس کے سوا اور کوئی راہ نہیں لیکن امن کی حالت میں بجبر و قہر اسلام کو قبول کرنے کا مطالبہ خود اسلام کی جانب سے نہیں۔ آج بھی لڑائی چھڑ جانیکے بعد اس طرز کے مطالبات متمدن اقوام میں جنگی احکام سمجھے جاتے ہیں ۱۲ انظر شاہ

اُس جیسی زیادتی کرلو۔ اور جگہ ہے جَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُهَا یعنی بُرائی کا بدلہ اُسی جیسی بُرائی ہے اور جگہ فرمان ہے۔ فَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِہٖ یعنی اگر تم سزا اور عذاب کرو تو اُسی کی مثل سزا کرو جو تم کئے گئے ہو۔ پس ان تینوں جگہوں میں زیادتی بُرائی اور سزا بدلہ کے طور پر کہا گیا ہے ورنہ فی الواقع وہ زیادتی بُرائی اور سزا و عذاب نہیں۔ حضرت عکرمہ اور حضرت قتادہ کا فرمان ہے اصلی ظالم وہی ہے۔ جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا منکر ہو۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دو شخص آئے جبکہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لوگوں نے چڑھائی کر رکھی تھی اور آکر کہا کہ لوگ تو مر کٹ رہے ہیں۔ آپ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں کیوں اس لڑائی میں شامل نہیں ہوتے؟ آپ نے فرمایا سُنو! اللہ تعالیٰ نے مسلمان بھائی کا خون حرام کر دیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ کیا یہ فرمان جناب باری کا نہیں کہ اُن سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔ آپ نے جواب دیا کہ ہم تو لڑتے رہے یہاں تک کہ فتنہ دب گیا اور اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین غالب آگیا لیکن اب تم چاہتے ہو کہ تم لڑو تاکہ فتنہ پیدا ہو اور دوسرے مذاہب اُبھر آئیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ کسی نے آپ سے کہا کہ اے ابو عبدالرحمٰن آپ نے خدا کی راہ کا جہاد کیوں چھوڑ رکھا ہے اور یہ کیا اختیار کر رکھا ہے کہ حج پر حج کر رہے ہو ہر دوسرے سال حج کو جایا کرتے ہو حالانکہ جہاد کے فضائل آپ سے مخفی نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ بھتیجے سنو! اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ پانچوں وقتوں کی نماز ادا کرنا۔ رمضان کے روزے رکھنا۔ زکوٰۃ دینا۔ بیت اللہ شریف کا حج کرنا۔ اُس نے کہا کیا قرآن پاک کا یہ حکم آپ نے نہیں سُنا کہ ایمانداروں کی دو جماعتیں اگر آپس میں جھگڑیں تو تم ان میں صلح کرا دو۔ اگر پھر بھی ایک گروہ دوسرے پر بغاوت کرے تو باغی گروہ سے لڑو یہاں تک کہ وہ پھر سے خدا کا فرماں بردار بن جائے۔ اور جگہ ارشاد ہے۔ اُن سے لڑو تاوقتیکہ فتنہ مٹ جائے۔ آپ نے فرمایا ہم نے حضورؐ کے زمانہ میں اس کی تعمیل کر لی جبکہ اسلام کمزور تھا اور مسلمان تھوڑے تھے۔ جو اسلام قبول کرتا تھا اُس پر فتنہ آ پڑتا تھا۔ یا تو قتل کر دیا جاتا یا سخت عذابوں میں پھنس جاتا۔ یہاں تک کہ یہ پاک دین پھیل گیا اور اس کے حلقہ بگوش بکثرت ہو گئے اور فتنہ ختم ہو گیا اس نے کہا اچھا تو پھر فرمایئے کہ حضرت علی رضؓ اور حضرت عثمانؓ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ فرمایا عثمانؓ کو تو خدا تعالیٰ نے معاف فرما دیا گو تم اُس معافی سے بُرا مناؤ اور علیؓ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور آپ کے داماد تھے۔ اور یہ دیکھو ان کا مکان یہ رہا جو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ

حرمت والا مہینہ ہے بعوض حرمت والے مہینے کے اور یہ حرمتیں تو عوض معاوضہ کی چیزیں ہیں سو جو تم پر زیادتی کرے

فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ⑥

تو تم بھی اس پر زیادتی کرو جیسی اُس نے تم پر زیادتی کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین کرلو کہ اللہ تعالیٰ ان ڈرنے والوں کے ساتھ ہوتے ہیں

بعض مہینے جس میں جہاد مناسب نہیں

ذوالقعدہ ۶ھ ہجری میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرے کے لئے اپنے صحابۂ کرام سمیت مکہ کو تشریف لے چلے لیکن مشرکین نے آپ کو حدیبیہ والے میدان میں روک لیا۔ بالآخر اس بات پر صلح ہوئی کہ آئندہ سال آپ عمرہ کریں اور اس سال واپس تشریف لے جائیں چونکہ ذی القعدہ کا مہینہ بھی حرمت والا مہینہ ہے اس لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرمت والے مہینوں میں جنگ نہیں کرتے تھے ہاں اگر کوئی آپ پر چڑھائی کرے تو اور بات ہے بلکہ جنگ کرتے ہوئے اگر حرمت والے مہینے آجاتے تو آپ لڑائی موقوف کر دیتے۔ حدیبیہ کے میدان میں بھی جب حضور علیہ السلام کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مشرکوں نے قتل کر دیا جو کہ حضور علیہ السلام کا پیغام لے کر مکہ شریف میں گئے تھے تو آپ نے اپنے چودہ سو اصحاب سے ایک درخت تلے مشرکین سے جہاد کرنے کی بیعت لی پھر جب معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے تو آپ نے اپنا

ف یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بعض شکایتوں اور رنجشوں کی بنا پر یہ کچھ تم کو اچھا معلوم نہ ہو گا کہ خدا تعالیٰ ان کو معاف کر دے تاہم تمہارے علی الرغم خدائے غفار نے ان کے ساتھ عفو و تسامح ہی کا معاملہ کیا ہے ۱۲ انظر شاہ ۔

ارادہ ملتوی کر دیا اور صلح کی طرف مائل ہو گئے۔ پھر جو واقعہ ہوا وہ ہوا۔ اسی طرح آپ جبکہ ہوازن کی لڑائی سے حنین والے دن فارغ ہوئے اور مشرکین طائف میں جا کر قلعہ بند ہو گئے تو آپ نے اس کا محاصرہ کر لیا چالیس دن تک یہ محاصرہ رہا۔ بالآخر کچھ صحابہؓ کی شہادت کے بعد محاصرہ اٹھا کر آپ مکہ کی طرف لوٹ گئے اور جعرانہ سے آپ نے عمرے کا احرام باندھا یہیں حنین کی غنیمتیں تقسیم کیں اور یہ عمرہ آپ کا ذوالقعدہ میں ہوا یہ ۸ھ ہجری کا واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر درود و سلام بھیجے پھر فرماتا ہے جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کر لو۔ یعنی مشرکین میں بھی عدل کا خیال رکھو۔ یہاں بھی زیادتی کے بدلے کو زیادتی سے تعبیر کرنا ویسا ہی ہے جیسے اور جگہ عذاب و سزا کے بدلے کو بھی سزا کے لفظ سے ہی تعبیر کیا گیا ہے اور برائی کے بدلے کو بھی برائی کے لفظ سے بیان کیا گیا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ آیت مکہ شریف میں اتری جہاں کے مسلمانوں میں کوئی شوکت و شان نہ تھی نہ جہاد کا حکم تھا۔ پھر یہ آیت مدینہ شریف میں جہاد کے حکم سے منسوخ ہو گئی۔ لیکن امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی تردید کی ہے اور فرماتے ہیں کہ یہ آیت مدنی ہے عمرۂ قضا کے بعد نازل ہوئی ہے۔ حضرت مجاہد کا قول بھی یہی ہے۔ پھر فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور پرہیزگاری اختیار کرو اور اسے جان لو کہ ایسے ہی لوگوں کے ساتھ دین دنیا میں اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت رہتی ہے۔

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّہْلُکَۃِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝

اور تم لوگ (جان کے ساتھ مال بھی) خرچ کیا کرو اللہ کی راہ میں۔ اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں مت ڈالو اور کام اچھی طرح کیا کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں اچھی طرح کام کرنے والوں کو

ترکِ جہاد خودکشی کے مرادف ہے

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے (بخاری) اور بزرگوں نے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی بیان فرمایا ہے۔ حضرت ابو عمرانؒ فرماتے ہیں کہ مہاجرین میں سے ایک نے قسطنطنیہ کی جنگ میں کفار کے لشکر پر دلیرانہ حملہ کیا اور ان کی صفوں کو چیرتا ہوا ان میں گھس گیا تو بعض لوگ کہنے لگے کہ دیکھو یہ اپنے ہاتھوں اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔ حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سن کر فرمایا اس آیت کا صحیح مطلب ہم خوب جانتے ہیں۔ سنو! یہ آیت ہمارے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی، آپ کے ساتھ جنگ و جہاد میں شریک رہے، آپ کی مدد پر تلے رہے یہاں تک کہ اسلام چہار سو پھیل گیا اور مسلمان غالب آ گئے۔ تو ہم انصاریوں نے ایک مرتبہ جمع ہو کر آپس میں مشورہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے ساتھ ہمیں مشرف فرمایا۔ ہم آپ کی خدمت میں لگے رہے آپ کی ہم رکابی میں جہاد کرتے رہے۔ اب بحمد اللہ اسلام پھیل گیا، مسلمانوں کا غلبہ ہو گیا، لڑائی ختم ہو گئی۔ ان دنوں میں نہ ہم نے اپنی اولاد کی خبرگیری کی، نہ مال کی دیکھ بھال کی، نہ کھیتیوں اور باغوں کا کچھ خیال کیا۔ بس اب ہمیں چاہیے کہ اپنے خانگی معاملات کی طرف توجہ کریں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس کا مطلب یہ تھا کہ جہاد کو چھوڑ کر بال بچوں اور بیوپار تجارت میں مشغول ہو جانا یہ اپنے ہاتھوں اپنے تئیں ہلاک کرنا ہے (ابوداؤد، ترمذی، نسائی وغیرہ)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ قسطنطنیہ کی لڑائی کے وقت مصریوں کے سردار حضرت عقبہ بن عامر تھے اور شامیوں کے سردار یزید بن فضالہ بن عبید تھے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ اگر میں اکیلا تنہا دشمن کی صف میں گھس جاؤں اور وہاں گھر جاؤں اور قتل کر دیا جاؤں تو کیا اس آیت کے مطابق میں اپنی جان کو آپ ہی ہلاک کرنے والا ہوں گا؟ آپ نے جواب دیا نہیں نہیں اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے فرماتا ہے فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۚ لَا تُکَلَّفُ اِلَّا نَفْسَکَ۔ اے نبی اللہ کی راہ میں لڑتا رہ تو اپنی جان کا ہی مالک ہے اسی کو تکلیف دے۔ یہ آیت تو خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے رک جانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے (ابن مردویہ وغیرہ) ترمذی کی ایک اور روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ آدمی کا گناہوں پر گناہ کیے چلے جانا اور توبہ نہ کرنا یہ اپنے ہاتھوں اپنے تئیں ہلاک کرنا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ مسلمانوں نے دمشق کا محاصرہ کیا اور ازد شنوءہ قبیلہ کا ایک آدمی جرأت کر کے دشمنوں میں گھس گیا ان کی صفیں چیرتا پھاڑتا اندر چلا گیا۔ لوگوں نے اسے برا جانا اور حضرت عمرو بن عاص کے پاس یہ شکایت کی۔ چنانچہ حضرت عمروؓ نے انہیں بلا لیا

اور فرمایا قرآن میں ہے اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں لڑائی میں اس طرح کی بہادری کرنا یہ اپنی جانوں کو بربادی میں ڈالنا نہیں بلکہ خدا کی راہ میں مال خرچ نہ کرنا یہ ہلاکت میں پڑنا ہے۔ حضرت ضحاک بن ابو جبیرہؒ فرماتے ہیں کہ انصار اپنے مال خدا کی راہ میں کھلے دل سے خرچ کرتے رہتے تھے لیکن ایک سال قحط سالی کے موقع پر انھوں نے وہ خرچ روک لیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔ اس سے مراد بخل کرنا ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر فرماتے ہیں کہ گنہگار کا رحمت باری سے ناامید ہو جانا یہ ہلاک ہو جانا ہے۔ اور حضرات مفسرین بھی فرماتے ہیں کہ اگر گناہ ہو جائیں پھر بخشش سے ناامید ہو کر گناہوں میں مشغول ہونا یہ اپنے ہاتھوں ہلاک ہونا ہے۔ تَھْلُکَۃ سے مراد اللہ کا عذاب بھی بیان کیا گیا ہے۔ قرطبی وغیرہ سے روایت ہے کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں جاتے تھے اور اپنے ساتھ کچھ خرچ نہیں لے جاتے تھے اب یا تو وہ بھوک سے مریں یا اُن کا بوجھ دوسروں پر پڑے تو ان سے اس آیت میں فرمایا جاتا ہے کہ خدا نے جو تمھیں دیا ہے اُسے اس کی راہ کے کاموں میں لگاؤ اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو کہ بھوک پیاس سے یا پیدل چل چل کر مر جاؤ۔ اس کے ساتھ ہی اُن لوگوں کو جن کے پاس کچھ ہے حکم ہو رہا ہے کہ تم احسان کرو تاکہ خدا تمھیں دوست رکھے نیکی کے ہر کام میں خرچ کیا کرو بالخصوص جہاد کے موقع پر خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے نہ رکو۔ یہ دراصل خود تمھاری ہلاکت ہے پس احسان اعلیٰ درجہ کی اطاعت ہے جس کا یہاں حکم ہو رہا ہے اور ساتھ ہی بیان ہو رہا ہے کہ احسان کرنے والے خدا کے دوست ہیں۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا

اور (جب حج وعمرہ کرنا ہو تو اس) حج و عمرہ کو اللہ تعالیٰ کیواسطے پورا پورا ادا کیا کرو پھر اگر (کسی دشمن یا مرض کے سبب) روک دیئے جاؤ تو قربانی کا جانور (جو کچھ میسر ہو (ذبح کرو) اور

رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ

اس وقت تک مت منڈاؤ جبتک کہ قربانی اپنے موقع پر نہ پہنچ جائے (اور وہ موقع حرم ہے کہ کسی کے ہاتھ وہاں جانور بھیج دیا جاوے) البتہ اگر کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اسکے

رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ ٝ فَمَنْ تَمَتَّعَ

سر میں کچھ تکلیف ہو (جس سے پہلے ہی سر منڈوانیکی ضرورت پڑ جائے) تو (وہ سر منڈوا لے اور) فدیہ (یعنی اسکا شرعی بدلہ) دیدے (تین) روزے سے یا (چھ مسکین کو) خیرات دیدینی یا

بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ

اُسکو حج کیساتھ ملا کر منتفع ہوا ہو (یعنی ایام حج میں عمرہ کو بھی کیا ہو) تو جو کچھ قربانی میسر ہو (ذبح) کرے (اور جس نے صرف عمرہ یا حج کیا ہو اس پر حج وغیرہ کے متعلق کوئی قربانی نہیں) پھر جس شخص کو

فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ

(ایام) حج میں اور سات ہیں جبکہ حج سے تمہارا لوٹنے کا وقت آجاوے یہ پورے دس ہوئے یہ اُس شخص کے لئے ہے جس کے اہل (و عیال) مسجد حرام

حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾ ۲۴ ع ۸

(یعنی کعبہ) کے قرب میں نہ رہتے ہوں (یعنی قریب ہی کا وطن دار نہ ہو) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو (کہ کسی امر میں خلاف نہ ہو جائے) اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ (بیباکی اور مخالفت کرنے والوں کو) سزائے سخت دیتے ہیں۔

اسلام کا تیسرا عظیم الشان رکن

اوپر چونکہ روزوں کا ذکر ہوا تھا پھر جہاد کا بیان ہوا۔ اب حج کا ذکر ہو رہا ہے اور حکم ہوتا ہے کہ حج اور عمرے کو پورا کرو۔ ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حج اور عمرے کو شروع کرنے کے بعد پورا کرنا چاہیے۔ تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ حج و عمرے کو شروع کرنے کے بعد ان کا پورا کرنا لازم ہے گو عمرے کے واجب ہونے میں اور مستحب ہونے میں علماء کے دو قول ہیں جنھیں ہم نے پوری طرح کتاب الاحکام میں بیان کر دیا ہے فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَ الْمِنَّةُ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پورا کرنا یہ ہے کہ تم اپنے گھر سے احرام باندھو۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کا تمام کرنا یہ ہے کہ تم

اپنے گھر سے احرام باندھو تمہارا یہ سفر حج وعمرے کی غرض سے ہو میقات پہنچکر لبیک پکارنا شروع کرو تمہارا ارادہ تجارت یا کسی اور غرض دنیوی کا نہو کہ نکلے تو اپنے کام کو اور مکہ کے قریب پہنچکر خیال آگیا کہ آؤ حج وعمرہ بھی کرتا چلوں۔ گو اس طرح بھی حج وعمرہ ادا ہو جائے گا لیکن یہ پورا کرنا نہیں۔ پورا کرنا یہ ہے کہ صرف اسی ارادہ سے گھر سے نکلے۔ حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں کہ ان کا پورا کرنا یہ ہے کہ انہیں میقات سے شروع کرے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں ان کا پورا کرنا یہ ہے کہ ان دونوں کو الگ الگ ادا کرے اور عمرے کو حج کے مہینوں میں نہ کرے اس لئے کہ قرآن شریف میں ہے اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ حج کے مہینے مقرر ہیں۔ قاسم بن محمدؒ فرماتے ہیں کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا پورا ہونا نہیں۔ اُن سے پوچھا گیا کہ محرم میں عمرہ کرنا کیسا ہے؟ کہا لوگ اُسے تو پورا کہتے تھے۔ لیکن یہ قول زیادہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ یہ بات مسلم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کئے اور چاروں ذوالقعدہ میں کئے ایک ۶ھ ہجری میں ذوالقعدہ کے مہینے میں۔ دوسرا ذوالقعدہ ۷ھ میں عمرۃ القضاء۔ تیسرا ذوالقعدہ ۸ھ میں عمرۃ الجعرانۃ۔ چوتھا ذوالقعدہ ۱۰ھ میں حج کے ساتھ۔ ان چار عمروں کے سوا ہجرت کے بعد آپ کا اور کوئی عمرہ نہیں ہوا۔ ہاں آپ نے اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔ یہ آپ نے اس لئے فرمایا تھا کہ ان صاحبہ نے آپ کے ساتھ حج کی نیت سے جانے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن سواری کی وجہ سے ساتھ نہ جا سکیں جیسے کہ بخاری شریف میں یہ واقعہ پورا منقول ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ تو صاف فرماتے ہیں کہ یہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے لئے مخصوص حکم ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حج وعمرے کا احرام باندھنے کے بعد بغیر پورا کئے چھوڑنا جائز نہیں۔ حج اس وقت پورا ہوتا ہے جبکہ قربانی والے دن جمرۂ عقبہ کو کنکر مارے اور بیت اللہ کا طواف کرے اور صفا مروہ کے درمیان دوڑ لے۔ اب حج ادا ہو گیا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ حج عرفات کا نام ہے اور عمرہ طواف ہے۔

حضرت عبداللہؓ کی قرأت یہ ہے وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ اِلَى الْبَيْتِ عمرہ بیت اللہ تک جاتے ہی پورا ہو گیا۔ حضرت سعید بن جبیرؒ سے جب یہ ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا حضرت ابن عباسؓ کی قرأت بھی یہی تھی۔ حضرت علقمہؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ ابراہیمؒ سے نقل ہے وَاَقِيْمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ اِلَى الْبَيْتِ۔ حضرت شعبی کی قرأت میں والعمرۃُ ہے وہ فرماتے ہیں عمرہ واجب نہیں گو اس کے خلاف بھی ان سے روایت ہے۔ بہت سی احادیث کئی کئی سندوں کے ساتھ حضرت انسؓ وغیرہ صحابہؓ کی ایک جماعت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج وعمرہ دونوں کو جمع کیا اور صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا جس کے ساتھ قربانی کا جانور ہو وہ حج وعمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھے۔ ایک اور حدیث میں ہے عمرہ حج میں قیامت تک کے لئے داخل ہو گیا۔ ابو محمد بن ابی حاتم نے اپنی کتاب میں ایک روایت تخریج کی ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا وہ زعفران کی خوشبو سے مہک رہا تھا اس نے پوچھا یا رسول اللہ میرے احرام کے بارے میں کیا حکم ہے۔ اس پر یہ آیت اُتری۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ سائل کہاں ہے؟ اس نے کہا یا رسول اللہ موجود ہوں۔ فرمایا اپنے زعفرانی کپڑے اُتار ڈال۔ اور خوب مل دل کر غسل کر لے اور جو اپنے حج میں کرتا ہے وہی عمرے میں بھی کر۔ یہ حدیث غریب ہے اور یہ سیاق عجیب ہے بعض روایتوں میں غسل کا اور اس آیت کے نازل ہونے کا ذکر نہیں۔ ایک روایت میں ان کا نام یعلی بن امیہؓ آیا ہے۔ دوسری روایت میں صفوان بن امیہ رضہ ہے۔

واللہ اعلم۔ پھر فرمایا اگر تم گھیر لئے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو کر ڈالو مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت ۶ھ ہجری میں حدیبیہ کے میدان میں اُتری جبکہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ جانے سے روکا تھا اور اسی بارہ میں پوری سورۂ فتح اُتری اور حضورؐ کے صحابہؓ کو رخصت ملی کہ وہ اپنی قربانیوں کو وہیں ذبح کر ڈالیں۔ چنانچہ ستر اونٹ ذبح کئے گئے سر منڈوائے گئے اور احرام کھول دیئے گئے۔ اول مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو سن کر لوگ ذرا جھجکے اور انہیں انتظار تھا کہ شاید کوئی ناسخ حکم اُترے۔ یہاں تک کہ خود آپ باہر آئے اور اپنا سر منڈوا دیا پھر سب لوگ آمادہ ہو گئے۔ بعض نے سر منڈوا لیا بعضوں نے بال کتروا لئے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ سر منڈوانے والوں پر رحم کرے۔ لوگوں نے کہا حضور بال کتروانے والوں کے لئے بھی دعا کیجئے۔ آپ نے پھر سر منڈوانے والوں کے لئے ہی دعا کی۔ تیسری مرتبہ کتروانے والوں کے لئے بھی دعا کر دی۔ سات سات شخص ایک ایک اونٹ میں شریک تھے تعداد صحابہؓ کی چودہ سو تھی۔ حدیبیہ کے میدان میں ٹھیرے ہوئے تھے جو حد حرم سے باہر تھا گو یہ بھی روایت ہے کہ حد حرم کے کنارے پر تھے۔ واللہ اعلم۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ

حکم صرف ان لوگوں کے لئے ہے جنہیں دشمن گھیر لے یا کسی بیماری وغیرہ سے بھی کوئی مجبور ہو جائے تو اس کے لئے بھی رخصت ہے کہ وہ اسی جگہ احرام کھول ڈالے اور سر منڈوالے اور قربانی کر دے۔ حضرت ابن عباسؓ تو صرف پہلی قسم کے لوگوں کے لئے ہی بتلاتے ہیں ابن عمرؓ طاؤس زہری اور زید بن اسلمؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ لیکن مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ جس شخص کا ہاتھ پاؤں ٹوٹ جائے یا بیمار ہو جائے یا لنگڑا لولا ہو جائے تو وہ حلال[ف] ہو گیا۔ وہ اگلے سال حج کرلے۔ راوی حدیث کہتا ہے کہ میں نے اسے ابن عباسؓ اور ابوہریرہؓ سے ذکر کیا انہوں نے بھی فرمایا سچ ہے۔ سنن اربعہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ ابن زبیرؓ علقمہ سعید بن مسیب عروہ بن زبیر مجاہد نخعی عطاء مقاتل ابن حیانؒ سے بھی یہی مروی ہے کہ بیمار ہو جانا اور لنگڑا لولا ہو جانا بھی ایسا ہی عذر ہے۔ حضرت سفیان ثوری ہر مصیبت و ایذا کو ایسا ہی عذر بتلاتے ہیں۔ صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت زبیر بن عبدالمطلب کی صاحبزادی ضباعہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتی ہیں کہ حضور میرا ارادہ حج کا ہے لیکن میں بیمار رہتی ہوں۔ آپ نے فرمایا حج کو چلی جاؤ اور شرط کر لو کہ میرے احرام سے فارغ ہونے کی وہی جگہ ہے جہاں میں مرض کی وجہ سے رک جاؤں۔ اسی حدیث کی بنا پر بعض علمائے کرام کا فتویٰ ہے کہ حج میں شرط کرنا جائز ہے امام شافعیؒ بھی فرماتے ہیں کہ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو میرا قول بھی یہی ہے۔ حضرت امام بیہقیؒ فرماتے ہیں۔ یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ پس امام صاحبؒ کا مذہب بھی یہی ہوا۔ فالحمد للہ۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو قربانی میسر ہو اسے قربان کر دے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں یعنی ایک بکری ذبح کر دے ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ اونٹ ہو، گائے ہو، بکری ہو، بھیڑ ہو ان کے نر ہوں۔ ان آٹھوں قسموں میں سے جسے چاہے ذبح کرے۔ ابن عباسؓ سے صرف بکری بھی مروی ہے۔ اور بھی بہت سے مفسرین نے یہی فرمایا ہے اور چاروں اماموں کا بھی یہی مذہب ہے۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عمرؓ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صرف اونٹ اور گائے ہے۔ غالباً ان کی دلیل حدیبیہ والا واقعہ ہوگا اس میں کسی صحابی سے بکری کا ذبح کرنا منقول نہیں۔ گائے اور اونٹ ہی ان بزرگوں نے قربانیاں کی ہیں۔ صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں اللہ کے نبیؐ نے حکم دیا کہ ہم سات سات آدمی گائے اور اونٹ میں شریک ہو جائیں حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ جس جانور کے ذبح کرنے کی وسعت ہو اسے ذبح کر ڈالے۔ اگر مالدار ہے تو اونٹ، اس سے کم حیثیت والا ہے تو گائے ورنہ پھر بکری حضرت عروہ فرماتے ہیں مہنگے سستے داموں پر موقوف ہے۔ جمہور کے اس قول کی کہ بکری کافی ہے یہ دلیل ہے کہ قرآن نے میسر ہونے، آسانی ہونے کا ذکر فرمایا ہے یعنی کم سے کم وہ چیز جس پر قربانی کا اطلاق ہو سکے اور قربانی کے جانور اونٹ، گائے، بکریاں اور بھیڑیں ہیں۔ جیسے حبرالبحر ترجمان قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے۔ صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک مرتبہ بکری کی قربانی کی۔ پھر فرمایا جب تک قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ لے تم اپنے سروں کو نہ منڈواؤ۔ اس کا عطف وَاَتِمُّوا الْحَجَّ الخ پر ہے فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ پر نہیں۔ امام ابن جریرؒ سے یہاں سہو ہو گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے حدیبیہ والے سال جبکہ مشرکین حائل ہو گئے اور آپ کو حرم میں نہ جانے دیا تو حرم سے باہر ہی سب نے سر بھی منڈوائے اور قربانیاں بھی کر دیں۔ لیکن امن کی حالت میں جبکہ حرم میں پہنچ سکتے ہوں تو جائز نہیں جب تک کہ قربانی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے اور حاجی حج و عمرے کے جملہ احکام سے فارغ نہ ہولے۔ اگر وہ حج و عمرے کا ایک ساتھ احرام باندھے ہوئے ہو تو اور ان میں سے ایک کا کرنے والا ہو تو خواہ اس نے صرف حج کا احرام باندھا ہو خواہ تمتع کی نیت کی ہو۔ بخاری مسلم میں ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ سب نے تو احرام کھول ڈالے لیکن آپ احرام سے ہی ہیں آپ نے فرمایا ہاں میں نے اپنا سر منڈوالیا ہے اور اپنی قربانی کے جانور کے گلے میں علامت ڈال دی ہے جب تک یہ ذبح نہ ہو جائے میں احرام نہیں اتار سکتا۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ بیمار اور سر کی تکلیف والا شخص فدیہ دیدے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے عبداللہ بن معقل کہتے ہیں کہ میں کوفہ کی مسجد میں حضرت کعب بن عجرہؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا میں نے ان سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو کہا کہ مجھے لوگ اٹھا کر حضورؐ کے پاس لے گئے، جوئیں میرے منہ پر چل رہی تھیں آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا میں نہیں خیال کرتا تھا کہ تمہاری حالت

[ف] یعنی احرام اتار دے ۱۲ منہ

یہاں تک پہنچ گئی ہوگی کیا تمہیں اتنی طاقت نہیں کہ ایک بکری ذبح کر ڈالو۔ میں نے کہا حضور میں تو مفلس آدمی ہوں۔ آپ نے فرمایا اچھا جاؤ اپنا سر منڈوا دو اور تین روزے رکھ لینا یا چھ مسکینوں کو آدھا آدھا صاع (تقریباً سوا سیر سوا چھٹانک) اناج دیدینا۔ پس یہ آیت میرے بارے میں اتری ہے اور حکم کے اعتبار سے ہر ایک ایسے معذور شخص کو شامل ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ہنڈیا تلے آگ سلگا رہا تھا جو حضورؐ نے میری یہ حالت دیکھ کر مجھے یہ مسئلہ بتایا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ حدیبیہ کا ہے اور میرے سر پر بڑے بڑے بال تھے جن میں بکثرت جوئیں ہو گئی تھیں۔ ابن مردویہ کی روایت میں ہے کہ پھر میں نے سر منڈوا دیا اور ایک بکری ذبح کر دی۔ ایک اور حدیث میں ہے نسک یعنی قربانی ایک بکری ہے اور روزے اگر رکھے تو تین ہیں اور صدقہ اگر دے تو ایک فرق (پیمانہ) چھ مسکینوں کے درمیان تقسیم کر دینا ہے۔ حضرت علی بن محمد بن کعب علقمہ، ابراہیم مجاہد، عطاء، سدی اور ربیع بن انس رحمہم اللہ کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تینوں مسئلے بتا کر فرما دیا تھا کہ اس میں سے جس پر تم عمل کر لو کافی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جہاں دو تین صورتیں لفظ اَوْ کے ساتھ بیان ہوئی ہوں وہاں اختیار ہوتا ہے جسے چاہے کر لے۔ حضرت مجاہد، عکرمہ، عطاء، طاؤس، حسن، حمید اعرج، ابراہیم نخعی اور ضحاک سے بھی یہی روایت ہے۔ چاروں اماموں کا اور اکثر علماء کا بھی یہی مذہب ہے کہ اگر چاہے روزے رکھ لے، اگر چاہے صدقہ کر دے، اگر چاہے قربانی کر لے۔ روزے تین ہیں۔ صدقہ ایک فرق یعنی تین صاع (یعنی آٹھ سیر میں آدھی چھٹانک کم) ہے چھ مسکینوں پر تقسیم کر دے اور قربانی ایک بکری کی ہے۔ ان تینوں صورتوں میں سے جو چاہے کر لے۔ پروردگار رحمٰن و رحیم کو چونکہ یہاں رخصت دینی تھی اس لئے سب سے پہلے روزے بیان فرمائے جو سب سے آسان صورت ہے۔ پھر صدقہ کا ذکر کیا، پھر قربانی کا۔ اور حضور علیہ السلام کو چونکہ افضلیت پر عمل کرانا تھا اس لئے پہلے بکری کی قربانی کا ذکر کیا۔ پھر چھ مسکینوں کو کھلانے کا، پھر تین روزے رکھنے کا۔

سبحان اللہ دونوں مقام کے اعتبار سے دونوں ترتیبیں کس قدر درست اور برمحل ہیں۔ فالحمدُ للّٰہ سعید بن جبیرؒ سے اس آیت کا مطلب پوچھا جاتا ہے تو فرماتے ہیں کہ غلہ کا حکم لگایا جائے گا اگر اس کے پاس ہے تو ایک بکری خرید لے ورنہ بکری کی قیمت درہموں سے لگائی جائے۔ اور اس کا غلہ خریدا جائے اور صدقہ کر دیا جائے، ورنہ ہر آدھے صاع کے بدلے ایک روزہ رکھے۔ حضرت حسن رح فرماتے ہیں جب محرم کے سر میں تکلیف ہو تو بال منڈوا دے اور ان تین میں سے ایک فدیہ ادا کر دے۔ روزے دس ہیں، صدقہ دس مسکینوں پر تقسیم کرنا پڑے گا ہر ہر مسکین کو ایک مکوک کھجور اور ایک مکوک گیہوں اور قربانی میں بکری۔ حسن اور عکرمہ رح بھی دس مسکینوں کا کھانا بتلاتے ہیں لیکن یہ اقوال ٹھیک نہیں اس لئے کہ مرفوع حدیث میں آچکا ہے کہ روزے تین ہیں اور کھانا چھ مسکینوں کا ہے اور ان تینوں صورتوں میں اختیار ہے قربانی کی بکری کر دے خواہ روزے تین رکھ لے، خواہ چھ فقیروں کو کھانا کھلا دے۔ ہاں یہ ترتیب احرام کی حالت میں شکار کرنے والے پر ہے۔ جیسے کہ قرآن کریم کے الفاظ ہے۔ اور فقہاء کا اجماع ہے لیکن یہاں ترتیب ضروری نہیں اختیار ہے۔ طاؤس رح فرماتے ہیں یہ قربانی اور یہ صدقہ مکہ ہی میں کرے ہاں روزے جہاں چاہے رکھ لے۔ ایک اور روایت میں ہے ابو اسماء جو ابن جعفر کے مولیٰ ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حج کو نکلے آپ کے ساتھ حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ میں ابو جعفر کے ساتھ تھا ہم نے دیکھا کہ ایک شخص سویا ہوا ہے اور اس کی اونٹنی اس کے سرہانے بندھی ہوئی ہے میں نے اسے جگایا دیکھا تو وہ حضرت حسینؓ تھے ابن جعفر انہیں لے کر چلے یہاں تک کہ ہم سقیا میں پہنچے وہاں بیس دن تک ہم ان کی تیمارداری میں رہے۔ ایک مرتبہ حضرت علی رضی نے پوچھا کیا حال ہے۔ جناب حسین نے اپنے سر کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے حکم دیا کہ سر منڈوا دالیے پھر اونٹ منگوا کر ذبح کر دیا۔ تو اگر اس اونٹ کی قربانی کرنا احرام سے حلال ہونے کے لئے تھا تو خیر۔ اور اگر یہ فدیہ کے لئے تھا تو ظاہر ہے کہ مکہ کے باہر یہ قربانی ہوئی۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ تمتع والا شخص بھی قربانی کرے۔ خواہ حج و عمرے کا ایک ساتھ احرام باندھا ہو یا پہلے عمرے کا احرام باندھا ہو اور اس سے فارغ ہو کر حج کا احرام باندھ لیا ہو۔ اصل تمتع یہی ہے اور فقہاء کے کلام میں بھی مشہور یہی ہے اور عام تمتع ان دونوں قسموں کو شامل ہے۔ جیسے کہ اس پر صحیح حدیثیں دلالت کرتی ہیں۔ بعض راوی تو کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حج تمتع کیا تھا۔ بعض کہتے ہیں آپ قارن تھے۔ اور اتنا سب کہتے ہیں کہ قربانی کے جانور آپ کے ساتھ تھے۔ پس آیت میں یہ حکم ہے کہ تمتع کرنے

377797

والا جس قربانی پر قادر ہو وہ کر ڈالے جس کا ادنیٰ درجہ ایک بکری کی قربانی کرنا ہے گو گائے کی قربانی بھی کر سکتا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائے کی قربانی کی تھی جو سب کی سب تمتع والی تھیں (ابن مردویہ) اس سے ثابت ہوا کہ تمتع بھی مشروع ہے۔ عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تمتع کی آیت بھی قرآن میں نازل ہو چکی ہے اور ہم نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمتع کیا پھر نہ تو قرآن میں اس کی ممانعت نازل ہوئی نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روکا۔ لیکن لوگوں نے اپنی رائے سے اسے ممنوع قرار دیا۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں اس سے مراد غالباً حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت امام المحدثین کی یہ بات بالکل صحیح ہے۔ حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ وہ لوگوں کو اس سے روکتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر ہم کتاب اللہ کو لیں تو اس میں بھی حج و عمرے کے پورا کرنے کا حکم موجود ہے واتموا الحج والعمرۃ للہ۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہ ممانعت حضرت عمر رضؓ کی اس طرح نہ تھی کہ آپ اس کو بالکل ہی حرام سمجھتے ہوں بلکہ اس لئے تھی کہ لوگ بکثرت بیت اللہ شریف کا قصد حج و عمرے کے ارادے سے کریں جیسے کہ آپ سے صراحۃً بھی نقل ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ پھر فرماتا ہے جو شخص نہ پائے وہ تین روزے حج میں رکھ لے اور سات روزے اس وقت رکھ لے جب حج سے لوٹے یہ پورے دس دن ہو جائیں گے۔ یعنی قربانی کی طاقت جسے نہ ہو وہ روزے رکھ لے تین تو ایام حج میں۔ علماء کا بیان ہے کہ بہتر یہ ہے کہ یہ روزے عرفہ سے پہلے پہلے ذی الحجہ کے دنوں میں رکھ لے۔ حضرت عطاء کا قول یہی۔ یا احرام باندھتے ہی رکھ لے۔ حضرت ابن عباس رضؓ وغیرہ کا قول یہی ہے کیونکہ فی الحج کا لفظ ہے۔ حضرت طاؤس رحؒ مجاہد رحؒ وغیرہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اول شوال میں بھی یہ روزے جائز ہیں۔

حضرت شعبیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ ان روزوں کو اگر عرفہ کے دن کا روزہ شامل کر کے ختم کرے تو بھی اختیار ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی منقول ہے کہ اگر عرفہ سے پہلے دو دنوں میں دو روزے رکھ لئے اور تیسرا عرفہ کے دن ہو تو بھی جائز ہے۔ حضرت ابن عمرؓ بھی فرماتے ہیں ایک روزہ یوم الترویہ سے پہلے ایک یوم الترویہ کا ایک عرفہ کا۔ حضرت علی رضؓ کا فرمان بھی یہی ہے۔ اگر کسی شخص سے یہ تینوں روزے یا ایک دو چھوٹ گئے ہوں اور ایام تشریق یعنی بقر عید کے بعد کے تین دن آجائیں تو حضرت عائشہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فرمان ہے کہ وہ ان دنوں میں بھی یہ روزے رکھ سکتا ہے (بخاری) امام شافعی رحؒ کا بھی پہلا قول یہی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی یہی نقل ہے۔

حضرت عکرمہ حسن بصری اور عروہ بن زبیرؓ سے بھی یہی روایت ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ الحج عام ہے اور ان دنوں کو بھی شامل ہے حضرت امام شافعی رح کا نیا قول[عہ] یہ ہے کہ ان دنوں میں یہ روزے ناجائز ہیں۔ کیونکہ صحیح مسلم شریف میں حدیث ہے کہ ایام تشریق کھانے پینے اور ذکر اللہ کرنے کے دن ہیں۔ پھر سات روزے لوٹتے وقت۔ اس سے مراد یا تو یہ ہے کہ جب لوٹ کر اپنی قیام گاہ پہنچ جاؤ۔ پس لوٹتے وقت راستے میں بھی یہ سات روزے رکھ سکتا ہے۔ مجاہد اور عطاء رحؒ یہی کہتے ہیں۔ یا مراد وطن میں پہنچ جانا ہے۔ ابن عمرؓ بھی یہی فرماتے ہیں اور بھی بہت سے تابعین کا یہی مذہب ہے بلکہ ابن جریر رح اس پر اجماع بتلاتے ہیں۔ بخاری شریف کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں عمرے کا حج کے ساتھ تمتع کیا اور قربانی دی۔ ذوالحلیفہ سے آپ نے قربانی ساتھ لے لی تھی عمرے کی پھر حج کی تہلیل کی لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ تمتع کیا بعض لوگوں نے تو قربانی ساتھ رکھ لی تھی بعضوں کے ساتھ قربانی کے جانور نہ تھے مکہ شریف پہنچکر آپ نے فرمایا جس کے ساتھ قربانی ہے وہ حج ختم ہونے تک احرام میں رہے اور جس کے ساتھ قربانی نہیں وہ بیت اللہ شریف کا طواف کر کے صفا مروہ کے درمیان دوڑ کر احرام کھول ڈالے، سر کے بال منڈوالے یا کتروالے پھر حج کا احرام باندھے اگر قربانی کی طاقت نہ ہو تو تین روزے تو حج میں رکھ لے اور سات روزے جب اپنے وطن پہنچے تب رکھ لے الخ (بخاری مسلم) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سات روزے وطن میں جانے کے بعد ہیں۔ پھر فرمایا یہ پورے دس ہیں یہ ارشاد تاکید کے لئے ہے۔ جیسے عربوں میں کہا جاتا ہے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کانوں سے سنا ہاتھ سے لکھا۔ اور قرآن میں بھی ہے وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ نہ کوئی پرند جو اپنے دونوں

[عہ] امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مصر میں قیام کے بعد اپنی بعض رائیں تبدیل کی تھیں۔ اب اصطلاح فقہاء میں شافعی الامام کا قول جدید وہ ہے جو آپ نے مصر کے قیام کے بعد اختیار کیا ۱۲ انظر شاہ +

پیروں سے اُڑتا ہو۔ اور جگہ ہے وَلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ تو اپنے داہنے ہاتھ سے لکھتا نہیں۔ اور جگہ ہے ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تیس راتوں کا وعدہ دیا اور مزید دس کے ساتھ اسے پورا کیا اور اس کے رب کا وقت مقررہ چالیس راتوں کو پورا ہوا۔ پس جیسے ان سب جگہوں میں صرف تاکید ہے ایسے ہی یہ جملہ بھی تاکید کے لئے ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حکم ہے تمام و کمال کرنے کا۔ اور کَامِلَةٌ کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ قربانی کے بدلے کافی ہیں۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ یہ حکم اُن لوگوں کے لئے ہے جن کے گھر والے مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں۔ اس پر تو اجماع ہے کہ حرم والے تمتع نہیں کر سکتے۔ حضرت ابن عباس رضہ یہی فرماتے ہیں۔ بلکہ آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا اے مکہ والو تم تمتع نہیں کر سکتے باہر والوں کے لئے تمتع ہے۔ تم کو ذرا سی دور جانا پڑتا ہے تھوڑا سا فاصلہ طے کیا۔ پھر عمرے کا احرام باندھ لیا۔ حضرت طاؤس کی تفسیر بھی یہی ہے لیکن حضرت عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میقات یعنی احرام باندھنے کے مقامات سے درے جو ہوں وہ بھی اسی حکم میں ہیں اُن کے لئے بھی تمتع کرنا جائز نہیں مکحول رح بھی یہی فرماتے ہیں۔ تو عرفات والوں کا مزدلفہ والوں کا عرنہ اور رجیع کے رہنے والوں کا بھی یہی حکم ہے۔ زہری رح فرماتے ہیں مکہ شریف سے ایک دن کی راہ کے فاصلہ پر ہو یا اس کے قریب ہو وہ تو تمتع کر سکتا ہے اور لوگ نہیں کر سکتے حضرت عطار رح دو دن بھی فرماتے ہیں۔

امام شافعی رح کا مذہب یہ ہے کہ اہل حرم اور جو اتنے فاصلہ پر ہوں کہ وہاں کے لوگوں کے لئے نماز قصر کرنا جائز نہ ہو اُن سب کے لئے یہی حکم ہے اس لئے کہ یہ سب حاضر کہے جائیں گے۔ ان کے علاوہ مسافر۔ اُن سب کے لئے حج میں تمتع کرنا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو جو اس کے احکام ہیں بجا لاؤ جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے رُک جاؤ اور یقین رکھو کہ اپنے نافرمانوں کو وہ سخت سزا کرتا ہے۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ

(زمانہ) حج چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں (شوال ذیقعدہ اور دس تاریخ ذی الحج کی) سو جو شخص ان میں حج مقرر کرے تو پھر (اسکو) نہ کوئی فحش بات (جائز) ہے نہ کوئی بے حکمی درست

وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ

اور نہ کسی قسم کا نزاع زیبا ہے۔ اور جو نیک کام کرو گے خدا تعالیٰ کو اس کی اطلاع ہوتی ہے۔ اور (جب حج کو جانے لگو) خرچ ضرور لے لیا کرو کیونکہ

خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۝

سب سے بڑی بات خرچ میں (گداگری سے) بچا رہنا ہے اور اے ذی عقل لوگو مجھ سے ڈرتے رہو

حج بیت اللہ کے متعین ایام

عربی جاننے والوں نے کہا ہے کہ مطلب اگلے جملہ کا یہ ہے کہ حج حج ہے اُن مہینوں کا جو معلوم اور مقرر ہیں۔ پس حج کے مہینوں میں احرام باندھنا دوسرے مہینوں کے احرام سے زیادہ کامل ہے گو اور ماہ کا احرام بھی صحیح ہے۔ امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد، امام اسحٰق، امام ابراہیم نخعی، امام ثوری، امام لیث اللہ تعالیٰ ان سب پر رحمتیں نازل فرمائے۔ فرماتے ہیں کہ سال بھر میں جس مہینہ میں چاہے حج کا احرام باندھ سکتا ہے۔ ان بزرگوں کی دلیل يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ الخ ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حج اور عمرہ دونوں کو نُسُک کہا گیا ہے اور عمرے کا احرام ہر مہینہ میں باندھ سکتا ہے تو حج کا احرام بھی جب باندھے گا صحیح ہوگا۔ ہاں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حج کا احرام حج کے مہینوں میں ہی باندھنا صحیح ہوگا بلکہ اگر اور ماہ میں حج کا احرام باندھا تو غیر صحیح ہے۔ لیکن اس سے عمرہ بھی ہو سکتا ہے یا نہیں اس بارے میں امام صاحب کے دو قول ہیں۔ حضرت ابن عباس، حضرت جابر، حضرت عطا، مجاہد رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ حج کا احرام حج کے مہینوں کے سوا باندھنا غیر صحیح ہے اور اس پر دلیل اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ہے۔ عربی جاننے والوں کی ایک دوسری جماعت کہتی ہے کہ آیت کے ان الفاظ سے مطلب یہ ہے کہ حج کا وقت خاص خاص مقرر کردہ مہینے ہیں تو ثابت ہوا کہ ان مہینوں سے پہلے جو احرام حج کا باندھے گا وہ صحیح نہ ہوگا جس طرح نماز کے وقت سے پہلے کوئی نماز پڑھ لے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں مسلم بن خالد نے خبر دی اُنہوں نے ابن جریج سے سُنا اُن سے عمر بن عطا نے کہا اُن سے عکرمہ نے ذکر کیا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ کسی شخص کو لائق نہیں کہ حج

کے مہینوں کے سوا بھی حج کا احرام باندھے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ۔ اس روایت کی اور بھی بہت سی سندیں ہیں ایک سند میں ہے کہ سنت یہی ہے۔ صحیح ابن خزیمہ میں بھی یہ روایت منقول ہے۔ اصول کی کتابوں میں یہ مسئلہ طے شدہ ہے کہ صحابی کا یہ فرمان کہ سنت یوں ہے حکم میں مرفوع حدیث کے ہوتا ہے پس یہ حکم رسول ہو گیا اور صحابی بھی یہاں وہ صحابی ہیں جو مفسر قرآن اور ترجمان القرآن ہیں۔ علاوہ ازیں ابن مردویہ کی ایک مرفوع حدیث میں ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حج کا احرام باندھنا کسی کو سوا حج کے مہینوں کے لائق نہیں۔ اس کی اسناد بھی مضبوط ہے لیکن شافعی اور بیہقی رح نے روایت کی ہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا حج کے مہینوں سے پہلے حج کا احرام باندھ لیا جائے۔ تو آپ نے فرمایا نہیں۔ یہ موقوف حدیث ہی زیادہ ثابت اور زیادہ صحیح ہے اور صحابی کے اس فتوے کی تقویت حضرت عبداللہ بن عباس رض کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ سنت یوں ہے واللہ اعلم۔ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ۔ سے مراد حضرت عبداللہ بن عمر رض فرماتے ہیں کہ شوال ذوالقعدہ اور دس دن ذی الحجہ کے ہیں (بخاری) یہ روایت ابن جریر میں بھی ہے۔ مستدرک حاکم میں بھی ہے۔ اور امام حاکم اسے صحیح بتلاتے ہیں۔ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت عطا، حضرت مجاہد، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت شعبی، حضرت حسن، حضرت ابن سیرین، حضرت مکحول، حضرت قتادہ، حضرت ضحاک بن مزاحم، حضرت ربیع بن انس، حضرت مقاتل بن حیان رحمہم اللہ بھی یہی کہتے ہیں، حضرت امام شافعی، امام ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل، ابو یوسف اور ابوثور رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہی مذہب ہے، امام ابن جریر بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔ اَشْهُرٌ کا لفظ جمع ہے تو اس کا اطلاق دو پورے مہینوں اور تیسرے کے بعض حصہ پر بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے عربی میں کہا جاتا ہے میں نے اس سال یا آج کے دن اسے دیکھا ہے پس حقیقت میں سارا سال اور پورا دن تو دیکھا نہیں رہتا بلکہ دیکھنے کا وقت تھوڑا سا ہی ہوتا ہے مگر تغلیباً ایسا بولا کرتے ہیں اسی طرح یہاں بھی تغلیباً تیسرے مہینہ کا ذکر ہے قرآن میں بھی ہے فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ حالانکہ وہ جلدی ڈیڑھ دن کی ہوتی ہے مگر گنتی میں دو دن کہے گئے۔ امام مالک، امام شافعی رح کا ایک پہلا قول یہ بھی ہے کہ شوال ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کا پورا مہینہ ہے۔ ابن عمر رض سے بھی یہی مروی ہے۔ ابن شہاب عطا جابر بن عبداللہ سے بھی یہی مروی ہے۔ طاؤس، مجاہد، عروہ، ربیع اور قتادہ رح سے بھی یہی مروی ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ آیا ہے لیکن وہ موضوع ہے کیونکہ اس کا راوی حصین ابن مخارق ہے جس پر حدیثوں کو وضع کرنے کی تہمت ہے بلکہ اس کا مرفوع ہونا ثابت نہیں۔ واللہ اعلم۔ امام مالک رح کے اس قول کو مان لینے کے بعد یہ ثابت ہوتا ہے کہ ذوالحجہ کے مہینہ میں عمرہ کرنا صحیح نہ ہوگا۔ یہ مطلب نہیں کہ دس ذی الحجہ کے بعد بھی حج ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ درست نہیں۔ امام ابن جریر بھی ان اقوال کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں کہ حج کا زمانہ تو منیٰ کے دن گذرتے ہی جاتا رہا۔ محمد بن سیرین کا بیان ہے کہ میرے علم میں تو کوئی اہل علم ایسا نہیں جو حج کے مہینوں کے علاوہ عمرہ کرنے کو ان مہینوں کے اندر عمرہ کرنے سے افضل ماننے میں شک کرتا ہو۔ قاسم بن محمد رح سے ابن عون نے حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کے مسئلہ کو پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ اسے لوگ پورا عمرہ نہیں جانتے حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی حج کے مہینوں کے علاوہ عمرہ کرنا پسند فرماتے تھے بلکہ ان مہینوں میں عمرہ کرنے کو منع کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو شخص ان مہینوں میں حج مقرر کر لے یعنی حج کا احرام باندھ لے اس سے ثابت ہوا کہ حج کا احرام باندھنا اور اسے پورا کرنا لازم ہے۔ فرض سے مراد یہاں واجب و لازم کر لینا ہے ابن عباس رض فرماتے ہیں حج اور عمرہ کا احرام باندھنے والا مراد ہے۔ عطا رح فرماتے ہیں فرض سے مراد احرام ہے۔ ابراہیم رح اور ضحاک رح کا بھی یہی قول ہے۔ ابن عباس رض فرماتے ہیں احرام باندھ لینے اور لبیک پکارنے کے بعد کہیں ٹھیر رہنا ٹھیک نہیں۔ اور بزرگوں کا بھی یہی قول ہے۔ بعض بزرگوں نے یہ بھی کہا ہے

---

[1] افسوس کہ ابن کثیر نے مذہبی تعصب میں ابو حنیفہ الامام کے قول کو اختیار نہیں کیا حالانکہ خود ابن کثیر کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہ کی رائے سے بیشتر علماء نے اتفاق کیا ہے ۱۲ انظر شاہ

[2] علماء کا بیان ہے کہ حاکم کی تصحیح کا اس وقت اعتبار نہ کیا جائے جب تک ذہبی کی تنقید نہ دیکھ لی جائے اس لئے کہ حاکم بہ عجلت کو صحیح کہنے میں بڑی فیاضی سے کام لیتے ہیں ۱۲ انظر شاہ

[3] تغلیب کا مطلب یہ ہے کہ ایک چیز کو دوسری پر غلبہ دیدیا جائے جیسا کہ قمرین بولتے ہیں اور شمس و قمر دونوں مراد ہوتے ہیں یا عمرین سے حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما دونوں ہی مراد ہوتے ہیں ۱۲ انظر شاہ

کہ فرض سے مراد لبیک پکارنا ہے۔ رَفَثَ سے مراد جماع ہے جیسے اور جگہ قرآن میں ہے أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ یعنی روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں سے جماع کرنا تمھارے لئے حلال کیا گیا ہے۔

احرام کے بعد کیا چیزیں ممنوع ہیں؟

احرام کی حالت میں جماع اور اس کے تمام مقدمات بھی حرام ہیں۔ جیسے مباشرت کرنا بوسہ لینا۔ ان باتوں کا عورتوں کی موجودگی میں ذکر کرنا گو بعضوں نے مردوں کے اجتماع میں بھی ایسی باتیں کرنے کو رفث میں داخل کیا ہے لیکن حضرت ابن عباس رضہ سے اس کے خلاف مروی ہے۔ انھوں نے ایک مرتبہ کوئی ایسا ہی شعر پڑھا اور دریافت کرنے پر فرمایا کہ عورتوں کے سامنے اس قسم کی باتیں کرنا رفث ہے۔ رفث کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ جماع وغیرہ کا ذکر کیا جائے۔ فحش باتیں کرنا دبی زبان سے لپیٹے ذکر کرنا اشاروں کنایوں میں جماع کا ذکر کرنا اپنی بیوی سے کہنا کہ احرام کھل جائے تو جماع کریں۔ چھیڑ چھاڑ کرنا مساس وغیرہ یہ سب رفث میں داخل ہے۔ اور احرام کی حالت میں یہ سب باتیں حرام ہیں۔ مختلف مفسروں کے مختلف اقوال کا مجموعہ یہ ہے۔ فسوق کے معنی عصیان ونافرمانی' شکار' گالی گلوچ وغیرہ بدزبانی ہے۔ جیسے حدیث میں مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اُسے قتل کرنا کفر ہے۔ خدا کے سوا دوسروں کے تقرب کے لئے جانوروں کو ذبح کرنا بھی فسق ہے جیسے قرآن کریم میں ہے أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ۔ بُرے القاب سے یاد کرنا بھی فسق ہے۔ قرآن فرماتا ہے لَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ۔ مختصر یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی ہر نافرمانی فسق میں داخل ہے گو یہ فسق ہر وقت حرام ہے لیکن حرمت والے مہینوں میں اس کی حرمت اور بڑھ جاتی ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ۔ ان حرمت والے مہینوں میں اپنی جان پر ظلم نہ کرو۔ اسی طرح حرم میں بھی اس کی حرمت بڑھ جاتی ہے ارشاد ہے وَمَن يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ یعنی حرم میں جو الحاد اور بے دینی کا ارادہ کرے اُسے ہم المناک عذاب دیں گے۔ امام ابن جریر رح فرماتے ہیں یہاں مراد فسق سے وہ کام ہیں جو احرام کی حالت میں منع ہیں جیسے شکار کھیلنا بال منڈوانا یا کتروانا ناخن لینا وغیرہ۔ حضرت ابن عمر رضہ سے بھی یہی روایت ہے لیکن بہترین تفسیر وہی ہے جو ہم نے بیان کی یعنی ہر گناہ سے روکا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ صحیحین میں ہے جو شخص اس بیت اللہ کا حج کرے نہ رفث کرے' نہ فسق۔ وہ گناہوں سے ایسا نکل جاتا ہے جیسے اپنے پیدا ہونے کے دن تھا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ حج میں جھگڑا نہیں۔ یعنی حج کے وقت۔ اور حج کے ارکان وغیرہ میں جھگڑا نہ کرو۔ اس کا پورا بیان اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے' حج کے مہینے مقرر ہو چکے ہیں۔ ان میں کمی زیادتی نہ کرو۔ موسم حج کو آگے پیچھے نہ کرو۔ جیسا کہ مشرکین کا وطیرہ تھا جس کی مذمت قرآن کریم میں اور جگہ فرما دی گئی ہے۔ اسی طرح قریش مشعر حرام کے پاس مزدلفہ میں ٹھہر جاتے تھے اور باقی عرب عرفات میں ٹھیرتے تھے پھر آپس میں جھگڑتے تھے اور ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ ہم صحیح راہ پر اور طریق ابراہیمی پر ہیں جس سے یہاں ممانعت کی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ہاتھوں وقتِ حج ارکانِ حج اور ٹھیرنے وغیرہ کی جگہیں بیان کر دی ہیں۔ اب نہ کوئی ایک دوسرے پر فخر کرے نہ حج کے دن آگے پیچھے کرے۔ بس یہ جھگڑے اب ختم کر دو۔ واللہ اعلم۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ حج کے سفر میں آپس میں نہ جھگڑو' نہ ایک دوسرے کو غصہ دلاؤ' نہ کسی کو گالی دو۔ بہت سے مفسرین کا یہ قول بھی ہے اور بہت سے مفسرین کا پہلا قول بھی ہے۔ حضرت عکرمہ رح فرماتے ہیں کہ کسی کا اپنے غلام کو ڈانٹ ڈپٹ کرنا یہ اس میں داخل نہیں۔ ہاں مارے نہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ غلام کو اگر مار بھی دے تو کوئی ڈر خوف نہیں۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر حج میں تھے اور عرج میں ٹھیرے ہوئے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں اور حضرت اسماء رضہ اپنے والد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کا سامان حضرت ابوبکر رضہ کے خادم کے پاس تھا حضرت صدیق رضہ اس کا انتظار کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں وہ آ گیا۔ اُس سے پوچھا کہ اونٹ کہاں ہے؟ اُس نے کہا حضرت کل رات کو گم ہو گیا آپ ناراض ہوئے اور فرمانے لگے ایک اونٹ کو بھی تو سنبھال نہ سکا۔ یہ کہکر آپ نے اُسے مارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا رہے تھے اور فرماتے جاتے تھے دیکھو احرام کی حالت میں یہ کیا کر رہے ہیں۔ یہ حدیث ابوداؤد اور ابن ماجہ میں بھی

ہے۔ بعض سلف سے یہ بھی نقل ہے کہ حج کے تمام ہونے میں یہ بھی ہے لیکن یہ خیال رہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس کام پر یہ فرمانا اس میں نہایت لطافت کے ساتھ ایک قسم کا انکار ہے۔ پس مسئلہ یہ ہوا کہ اسے چھوڑ دینا ہی اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔ مسند عبد بن حمید میں ہے کہ جو شخص اپنا حج پورا کرے اور مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے ایذا نہ پائیں۔ اس کے تمام اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ پھر فرمایا تم جو بھلائی کرو اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ چونکہ اوپر ہر برائی سے روکا تھا کہ نہ کوئی برا کام کرو نہ بری بات کہو تو یہاں نیکی کی رغبت دلائی جا رہی ہے کہ ہر نیکی کا پورا پورا بدلہ قیامت کے دن پاؤ گے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ توشہ اور سفر خرچ لے لیا کرو۔ حضرت ابن عباس رضہ فرماتے ہیں لوگ بلا خرچ سفر حج کو نکل کھڑے ہوتے تھے پھر لوگوں سے مانگتے پھرتے تو جس پر یہ حکم ہوا۔ حضرت عکرمہ حضرت عیینہ رحہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ بخاری نسائی وغیرہ میں یہ روایتیں مروی ہیں۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یمنی لوگ ایسا کرتے تھے اور اپنے تئیں متوکل کہتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ جب احرام باندھتے تو جو کچھ توشہ وغیرہ ہوتا سب پھینک دیتے اور نئے سرے سے نیا سامان کرتے اس پر یہ حکم ہوا کہ ایسا نہ کرو۔ آٹا ستو وغیرہ توشے میں لے لو۔ دیگر بہت سے معتبر مفسرین نے بھی اسی طرح کہا ہے بلکہ ابن عمر رضہ تو یہ بھی فرماتے ہیں کہ انسان کی عزت اسی میں ہے کہ وہ عمدہ سامانِ سفر ساتھ رکھے۔ آپ اپنے ساتھیوں سے دل کھول کر خرچ کرنے کی شرط کر لیا کرتے تھے۔ چونکہ دنیوی توشہ کا حکم دیا تو ساتھ ہی فرماتا ہے کہ آخرت کے توشہ کی تیاری بھی کر لو۔ یعنی اپنی قبر میں اپنے ساتھ خوفِ خدا لے کر جاؤ۔ جیسے اور جگہ لباس کا ذکر کر کے ارشاد فرمایا وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ پرہیزگاری کا لباس بہتر ہے۔ یعنی خشوع و خضوع طاعت و تقویٰ کے باطنی لباس سے بھی خالی نہ رہو۔ بلکہ یہ لباس ظاہری لباس سے کہیں زیادہ بہتر اور نفع دینے والا ہے۔ ایک حدیث میں بھی ہے کہ دنیا میں اگر کرو گے تو آخرت میں پاؤ گے یہاں کا توشہ وہاں فائدہ دے گا (طبرانی)۔ اس حکم کو سن کر ایک مسکین صحابی رضہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ ہمارے پاس تو کچھ ہے ہی نہیں آپ نے فرمایا اتنا ہونا چاہئے جس سے کسی سے سوال نہ کرنا پڑے۔ اور بہترین خزانہ خوف خدا ہے۔ (ابن ابی حاتم)۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ عقلمندو مجھ سے ڈرتے رہا کرو۔ یعنی میرے عذابوں سے میری پکڑ دھکڑ سے میری گرفت سے میری سزاؤں سے ڈرو اور میرے احکام کی تعمیل کرو۔ میرے ارشاد کا خلاف نہ کرو تاکہ نجات پا سکو یہی عقلی امتیاز ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا

تم کو اس میں ذرا بھی گناہ نہیں کہ (حج میں) معاش کی تلاش کرو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے۔ پھر جب تم لوگ عرفات سے واپس آنے لگو تو مشعر حرام

اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۖ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝

کے پاس (مزدلفہ میں شب کو قیام کر کے) خدا تعالیٰ کی یاد کرو اور اس طرح یاد کرو جس طرح تم کو بتلا رکھا ہے (نہ یہ کہ اپنی رائے کو دخل دو) اور حقیقت میں قبل اس کے تم محض ناواقف تھے

صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ عکاظ مجنہ اور ذوالمجاز زمانہ جاہلیت کے بازار تھے۔ اسلام کے بعد ان میں موسم حج کے موقعہ پر تجارت کرنے میں صحابہ رضہ کچھ گناہ ہونے سے ڈرے جس پر انہیں اجازت دی گئی کہ ایام حج میں تجارت کوئی گناہ کا کام نہیں۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ مسئلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ حج کے دنوں میں احرام سے پہلے یا احرام کے بعد حاجی کو خرید و فروخت حلال ہے۔ ابن عباس رضہ کی قرأت میں مِنْ رَّبِّكُمْ کے بعد فِيْ مَوَاسِمِ الْحَجِّ کا لفظ بھی ہے۔ ابن زبیر رضہ سے بھی یہ مروی ہے۔ اور مفسرین نے بھی اس کی تفسیر اسی طرح کی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا جاتا ہے کہ ایک شخص حج کو نکلتا ہے اور ساتھ تجارت بھی کرتا جاتا ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے آپ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی (ابن جریر)۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ ابو امامہ تیمی رحہ نے حضرت ابن عمر سے کہا کہ ہم حج میں جانور کرایہ پر دیتے ہیں کیا ہمارا بھی حج ہو جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تم بیت اللہ شریف کا طواف نہیں کرتے؟ کیا تم عرفات میں نہیں ٹھہرتے؟ کیا تم شیطان

کو کنکریاں نہیں مارتے؟ کیا تم سر نہیں منڈواتے؟ اُس نے کہا یہ سب کام تو ہم کرتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا سنو! ایک شخص نے یہی سوال نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا اور اس کے جواب میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آیت لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ الخ لیکر اُترے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے بلاکر فرمایا کہ تم حاجی ہو تمہارا حج ہو گیا۔ مسند عبدالرزاق میں بھی یہ روایت ہے۔ اور تفسیر عبد بن حمید وغیرہ میں بھی۔ بعض روایتوں میں الفاظ کی کچھ کمی زیادتی بھی ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ کیا تم احرام نہیں باندھتے؟ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوتا ہے کہ کیا آپ حضرات حج کے دنوں میں تجارت بھی کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا اور تجارت کا موسم ہی کونسا تھا؟ عَرَفَاتٍ کو منصرف پڑھا گیا ہے حالانکہ غیر منصرف ہونے کے دو سبب اس میں موجود ہیں یعنی علمیت اور تانیث۔ اس لئے کہ دراصل یہ جمع ہے جیسے مُسْلِمَاتٍ اور مُؤْمِنَاتٍ ایک خاص جگہ کا یہ نام مقرر کر دیا گیا ہے اس لئے اصلیت کی رعایت کی گئی اور منصرف پڑھا گیا۔

حج کا ایک رکن

عرفہ وہ جگہ ہے جہاں کا ٹھیرنا حج کا بہترین کام ہے۔ مسند احمد وغیرہ میں حدیث ہے کہ حج عرفات ہے تین مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا جو سورج نکلنے سے پہلے عرفات میں پہنچ گیا اُس نے حج کو پا لیا۔ منیٰ کے تین دن ہیں دو دن کے آگے پیچھا کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں۔ ٹھیرنے کا وقت عرفہ کے دن سورج ڈھلنے کے بعد سے لے کر عید کی صبح صادق کے طلوع ہونے تک ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں ظہر کی نماز کے بعد سے سورج غروب ہونے تک یہاں ٹھیرے رہے تھے اور فرماتے تھے مجھ سے حج کے طریقے سیکھ لو۔ حضرت امام مالکؒ امام ابو حنیفہ رحؒ اور امام شافعی رحؒ کا یہی مذہب ہے کہ دسویں کی فجر سے پہلے جو شخص عرفات میں پہنچ گیا اُس نے حج پا لیا حضرت امام احمد رحؒ فرماتے ہیں کہ ٹھیرنے کا وقت عرفہ کے دن شروع سے ہے ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ میں نماز کے لئے نکلے تو ایک شخص حاضر خدمت ہوا اور اس نے پوچھا کہ یا رسول اللہ میں طی کی پہاڑیوں سے آ رہا ہوں۔ اپنی سواری کو میں نے تھکا دیا اور اپنے نفس پر بڑی مشقت اٹھائی واللہ ہر ہر پہاڑ پر ٹھیرتا ٹھیرتا آیا ہوں کیا میرا حج ہو لیا؟ آپ نے فرمایا جو شخص ہمارے یہاں کی اس نماز میں پہنچ جائے اور ہمارے ساتھ چلتے وقت تک ٹھیرا رہے اور اس سے پہلے وہ عرفات میں بھی ٹھیر چکا ہو خواہ رات کو خواہ دن کو پس اس کا حج پورا ہو گیا اور وہ فریضہ سے فارغ ہو گیا (مسند احمد وسنن) امام ترمذی رحؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا اور انھوں نے آپ کو حج کرایا جب عرفات میں پہنچے تو پوچھا کہ عَرَفْتَ کیا تم نے پہچان لیا؟ حضرت خلیل اللہؑ نے جواب دیا عَرَفْتُ میں نے پہچان لیا کیونکہ اس سے پہلے یہاں آ چکے تھے اس لئے اس جگہ کا نام ہی عرفہ ہو گیا۔ حضرت عطار رحؒ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابو مجلز رحؒ سے بھی یہی مروی ہے واللہ اعلم۔ عرفات کا نام مشعر الحرام مشعر الاقصیٰ اور اِلال بھی ہے۔ اور اس پہاڑ کو بھی عرفات کہتے ہیں جس کے درمیان جبل الرحمۃ ہے۔ ابو طالب کے ایک مشہور قصیدہ میں بھی ایک شعر ان معنوں کا ہے۔ اہل جاہلیت بھی عرفات میں ٹھیرتے تھے جب دھوپ پہاڑ کی چوٹیوں پر ایسی باقی رہ جاتی تھی جیسے آدمی کے سر پر عمامہ ہوتا ہے تو وہ وہاں سے چل پڑتے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے اُس وقت چلے جب سورج بالکل غروب ہو گیا۔ پھر مزدلفہ میں پہنچکر یہاں پڑاؤ کیا اور سویرے .... بالکل اول وقت رات کے اندھیرے اور صبح کے چاندنے کے ملے جلے وقت میں آپ نے یہیں نماز صبح ادا کی اور جب چاندنا صاف ہو گیا تو صبح کی نماز کے گویا آخری وقت میں آپ نے یہاں سے کوچ کیا۔ حضرت مسور بن مخرمہؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عرفات میں خطبہ سنایا اور حسب عادت حمد و ثنا کے بعد اَمَّا بَعْدُ کہکر فرمایا کہ حج اکبر آج ہی کا دن ہے۔ دیکھو مشرک و بت پرستی والے تو یہاں سے جب دھوپ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اس طرح ہوتی تھی جس طرح لوگوں کے سروں پر عمامہ ہوتا ہے تو لوٹ جاتے تھے سورج غروب ہونے سے پیشتر ہی۔ لیکن ہم سورج غروب ہونے کے بعد یہاں سے واپس چلیں گے اور مشعر الحرام سے وہ سورج نکلنے کے بعد چلتے تھے جبکہ اتنی دھوپ چڑھ جاتی تھی کہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اس طرح نمایاں ہو جائے جس طرح لوگوں کے سروں پر عمامے ہوتے ہیں لیکن ہم وہاں سے سورج نکلنے سے پہلے ہی چل دیں گے۔ ہمارا طریقہ مشرکین کے طریقے کے خلاف ہے (ابن مردویہ و مستدرک حاکم) امام حاکم نے اُسے شرط شیخین پر اور بالکل صحیح بتلایا ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حضرت مسور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے اور

لوگوں کا قول ٹھیک نہیں جو فرماتے ہیں کہ حضرت مسور رضؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے لیکن آپ سے کچھ سنا نہیں۔ حضرت معرور بن سویدؒ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عرفات سے لوٹتے ہوئے دیکھا گویا اب تک وہ منظر میرے سامنے ہے۔ آپ کے سر کے اگلے حصہ پر بال نہ تھے اپنے اونٹ پر سوار تھے اور فرما رہے تھے ہم نے لوٹنے کو صاف پایا۔ صحیح مسلم کی حضرت جابر والی ایک طویل حدیث جس میں حجۃ الوداع کا پورا بیان ہے اُس میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج کے غروب ہونے تک عرفات میں ٹھیرے جب سورج چھپ گیا اور قدرے زردی ظاہر ہو گئی تو آپ نے اپنے پیچھے اپنی سواری پر حضرت اُسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سوار کیا اور اونٹنی کی نکیل تان لی یہاں تک کہ اُس کا سر پالان کے قریب پہنچ گیا اور دائیں ہاتھ سے لوگوں کو اشارہ سے فرماتے جاتے تھے کہ لوگو آہستہ آہستہ چلو نرمی اطمینان، سکینت اور دلجمعی کے ساتھ چلو جب کوئی پہاڑی آتی تو نکیل قدرے ڈھیلی کر دیا کرتے تاکہ جانور باآسانی اوپر چڑھ جائے۔ مزدلفہ میں آ کر آپ نے مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی اذان ایک ہی کہلوائی اور دونوں نمازوں کی تکبیریں الگ الگ کہلوائیں مغرب کے فرضوں اور عشاء کے فرضوں کے درمیان سنت نوافل کچھ نہیں پڑھے پھر لیٹ گئے۔ صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد نماز فجر ادا کی جس میں اذان و اقامت ہوئی پھر قصواء نامی اونٹنی پر سوار ہو کر مشعر الحرام میں آئے قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا میں مشغول ہو گئے اور اللہ اکبر اور لا الٰہ الا اللہ اور خدا کی توحید بیان کرنے لگے یہاں تک کہ خوب سویرا ہو گیا سورج نکلنے سے پہلے ہی پہلے آپ یہاں سے روانہ ہو گئے۔ حضرت اُسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب یہاں سے چلے تو کس طرح تشریف لیجاتے تھے۔ فرمایا درمیانہ میانی چال میں سواری چلاتے تھے ہاں جب راستہ میں کشادگی دیکھتے تو ذرا تیز کر لیتے (بخاری مسلم) پھر فرمایا عرفات سے لوٹتے ہوئے مشعر الحرام میں خدا کا ذکر کرو۔ یعنی یہاں دونوں نمازیں جمع کر لیں۔ عمرو بن میمون رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشعر الحرام کے بارے میں دریافت فرماتے ہیں تو آپ خاموش رہتے ہیں جب قافلہ مزدلفہ میں جا کر اُترتا ہے تو فرماتے ہیں سائل کہاں ہے یہ ہے مشعر الحرام۔ آپ سے یہ بھی روایت ہے کہ مزدلفہ کل کا کل مشعر الحرام ہے۔ پہاڑ بھی اور اس کے آس پاس کی کل جگہ۔ آپ نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ قزح پر بھیڑ بھاڑ کر رہے ہیں تو فرمایا یہ لوگ کیوں بھیڑ لگا رہے ہیں یہاں کی یہ سب جگہ مشعر الحرام ہے۔ اور بھی بہت سے مفسرین نے یہی فرمایا ہے کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان کل جگہ مشعر الحرام ہے۔ حضرت عطاء سے سوال ہوتا ہے کہ مزدلفہ کہاں ہے؟ آپ فرماتے ہیں جب عرفات سے چلے اور میدان عرفات کے دونوں کنارے چھوڑ دیئے پھر مزدلفہ شروع ہو گیا۔ وادی محسر تک، جہاں چاہو ٹھیرو لیکن میں قزح سے ورے ہی ٹھیرنا پسند کرتا ہوں تاکہ راستے سے یکسوئی ہو جائے۔ مشاعر کہتے ہیں ظاہری نشانوں کو مزدلفہ کو مشعر الحرام اس لئے کہتے ہیں کہ وہ حرم میں داخل ہے۔ سلف صالحین کی ایک جماعت کا اور بعض اصحاب شافعی کا مثلاً قفال اور ابن خزیمہ کا خیال ہے کہ یہاں کا ٹھیرنا حج کا رکن ہے بغیر یہاں ٹھیرے حج صحیح نہیں ہوتا کیونکہ ایک حدیث حضرت عروہ بن مضرس سے اسی معنی کی روایت ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ ٹھیرنا واجب ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یہ بھی ہے اگر کوئی یہاں نہ ٹھیرا تو قربانی دینی پڑے گی۔ امام صاحب کا دوسرا قول یہ ہے کہ مستحب ہے اگر نہ بھی ٹھیرا تو کچھ حرج نہیں۔ پس یہ تین قول ہوئے ہم یہاں اس بحث کو زیادہ طول دینا مناسب نہیں سمجھتے۔ واللہ اعلم۔ ایک مرسل حدیث میں ہے کہ عرفات کا سارا میدان ٹھیرنے کی جگہ ہے۔ عرفات سے بھی اٹھو اور مزدلفہ کی کل حد بھی ٹھیرنے کی جگہ ہے۔ ہاں وادی محسر نہیں۔ مسند احمد کی اس روایت میں اس کے بعد ہے کہ مکہ شریف کی تمام گلیاں قربانی کی جگہ ہیں اور ایام تشریق سب کے سب قربانی کے دن ہیں۔ لیکن یہ حدیث بھی منقطع ہے اس لئے کہ سلیمان بن موسیٰ اشدق نے جبیر بن مطعم کو نہیں پایا لیکن اس کی اور سندیں بھی ہیں۔ واللہ اعلم۔ پھر ارشاد باری ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جیسے کہ اس نے تمہیں ہدایت دی ہے کہ احکام حج وضاحت کے ساتھ بیان فرما دیئے اور خلیل اللہ کی اس سنت کو واضح کر دیا حالانکہ اس سے پہلے تم اس سے بے خبر تھے۔ یعنی اس ہدایت سے پہلے یا اس قرآن

ف عرفات، مزدلفہ کے درمیان کچھ وادیاں ایسی ہیں کہ جہاں شیطان نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبح کے وقت وساوس ڈالنے کی کوشش کی تھی جبکہ وہ اپنے والد کے حکم پر اپنی قربانی دینے کے لئے تشریف لیجا رہے تھے۔ ان وادیوں میں سے ایک وادی "محسر" کے نام سے بھی ہے کیونکہ یہاں اب بھی شیطانی کے اثرات ہیں۔ اس لئے احادیث میں ان وادیوں کے قیام سے منع کیا گیا ہے۔ انظر شاہ کشمیری

سے پہلے یا اس رسول سے پہلے۔ فی الواقع ان تینوں باتوں سے پہلے دنیا گمراہی میں تھی۔ فالحمد للہ۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ

پھر تم سب کو ضرور ہے کہ اسی جگہ ہو کر واپس آؤ جہاں اور لوگ جا کر وہاں سے واپس آتے ہیں اور (احکام حج میں پرانی رسموں پر عمل کرنے سے) خدا تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو (یقیناً) اللہ تعالیٰ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③

معاف کر دیں گے اور مہربانی فرمائیں گے۔

ثُمَّ یہاں پر خبر کا خبر پر عطف ڈالنے کے لئے ہے تاکہ ترتیب ہو جائے گویا عرفات میں ٹھہرنے والے کو حکم ملا کہ وہ یہاں سے مزدلفہ جائے تاکہ مشعر الحرام کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کر سکے۔ اور یہ بھی فرما دیا کہ وہ تمام لوگوں کے ساتھ عرفات میں ٹھہرے۔ جیسے عام لوگ یہاں ٹھہرتے تھے۔ البتہ قریشیوں نے فخر و تکبر اور نشان امتیاز کے طور پر یہ ٹھہرا لیا تھا کہ وہ حد حرم سے باہر نہیں جاتے تھے۔ اور حرم کی آخری حد پر ٹھہر جاتے اور کہتے تھے کہ ہم اللہ والے ہیں اسی کے شہر کے رئیس ہیں اور اس کے گھر کے مجاور ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ قریش اور اُن کے ہم خیال لوگ مزدلفہ میں ہی رُک جایا کرتے تھے اور اپنا نام حُمس رکھتے تھے باقی کل عرب عرفات میں جا کر ٹھہرتے تھے اور وہیں سے واپس لوٹتے تھے اسی لئے اسلام نے حکم دیا کہ جہاں سے عام لوگ لوٹتے ہیں تم وہیں سے لوٹا کرو۔ حضرت ابن عباسؓ حضرت مجاہد حضرت عطا حضرت قتادہ حضرت سدی رحہ وغیرہ یہی فرماتے ہیں۔ امام ابن جریر رحہ بھی اسی تفسیر کو پسند کرتے ہیں اور اس پر اجماع بتلاتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا اونٹ عرفات میں گم ہو گیا میں اُسے ڈھونڈھنے کے لئے نکلا تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں ٹھہرے ہوئے دیکھا میں کہنے لگا یہ کیا بات ہے کہ یہ حمس ہیں اور پھر یہاں حرم کے باہر آکر ٹھہرے ہیں ابن عباس رضہ فرماتے ہیں افاضہ سے مراد یہاں مزدلفہ سے رمی جمار کے لئے منیٰ کو جانا ہے۔ واللہ اعلم۔ اور الناس سے مراد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں۔ بعض کہتے ہیں مراد امام ہے۔ ابن جریر رحہ فرماتے ہیں اگر اس کے خلاف اجماع کی حجت نہ ہوتی تو یہی قول راجح رہتا۔ پھر استغفار کا ارشاد ہوتا ہے جو عموماً عبادات کے بعد فرمایا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام فرض نماز سے فارغ ہو کر تین مرتبہ استغفار کیا کرتے تھے (مسلم) آپ لوگوں کو سبحان اللہ الحمد للہ اللہ اکبر تینتیس تینتیس مرتبہ پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے (بخاری مسلم)۔ یہ بھی روایت ہے کہ عرفہ کے دن شام کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے استغفار کیا (ابن جریر)۔ آپ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ تمام استغفاروں کا سردار یہ استغفار ہے اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِيْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص اُسے رات کے وقت پڑھ لے اگر اُسی رات مر جائے گا تو قطعاً جنتی ہو گا۔ اور جو شخص اُسے دن کے وقت پڑھے گا اور اُسی دن مرے گا تو وہ بھی جنتی ہے (بخاری) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ کہا کہ یا رسول مجھے کوئی دعا سکھا دیجئے کہ میں نماز میں اُسے پڑھا کروں۔ آپ نے فرمایا یہ پڑھو اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَّلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْ لِيْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِيْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (بخاری مسلم) استغفار کے بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَاۗءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۭ

پھر جب تم اپنے اعمال حج پورے کر چکو تو حق تعالیٰ کا ذکر کیا کرو جس طرح تم اپنے آباء (و اجداد) کا ذکر کیا کرتے ہو بلکہ یہ ذکر اس سے (بدرجہا) بڑھ کر ہو۔

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ②

سو بعضے آدمی (جو کافر ہیں) ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو (جو کچھ دینا ہو) دنیا میں دیدیجئے اور ایسے شخص کو آخرت میں (بوجہ انکار آخرت کے) کوئی حصہ نہ ملے گا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً

اور بعضے آدمی (جو کہ مومن ہیں) ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں بھی بہتری عنایت کیجیے اور آخرت میں بھی بہتری دیجیے۔

وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۵﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۶﴾

اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچائیے ایسے لوگوں کو (دونوں جہان میں) بڑا حصہ ملے گا بدولت ان کے عمل کے۔ اور اللہ تعالیٰ جلد ہی حساب لینے والے ہیں

حج کے بعد بعض احکام جن سے غفلت عام ہے

یہاں اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے کہ فراغت حج کے بعد اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر کرو۔ اگلے جملہ کے ایک معنی تو یہ بیان کیے گئے ہیں کہ اس طرح ذکر اللہ کرو جس طرح بچہ اپنے ماں باپ کو یاد کرتا رہتا ہے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ اہل جاہلیت حج کے موقعہ پر ٹھیرتے تھے کوئی کہتا تھا میرا باپ بڑا مہمان نواز تھا کوئی کہتا تھا وہ لوگوں کے کام کاج کر دیا کرتا تھا۔ سخاوت و شجاعت میں یکتا تھا وغیرہ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ فضول باتیں چھوڑ دو اور اللہ تعالیٰ کی بزرگی، بڑائی، عظمتیں اور عزتیں بیان کیا کرو۔ اکثر مفسرین نے یہی کہا ہے۔ غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کثرت کرو۔ اسی لئے اَوْ اَشَدَّ پر زبر تمیز کی بناء پر لایا گیا ہے۔ یعنی اس طرح خدا کی یاد کرو جس طرح اپنے بڑوں پر فخر کیا کرتے تھے۔ اَوْ سے یہاں خبر کی مثلیت کی تحقیق ہے جیسے اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً میں اور اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً میں اور اَوْ يَزِيْدُوْنَ میں اور اَوْ اَدْنٰی میں۔ ان تمام مقامات میں لفظ اَوْ ہرگز ہرگز شک کے لئے نہیں ہے بلکہ مخبر عنہ کی تحقیق کے لئے ہے۔ یعنی وہ ذکر اتنا ہی ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ذکر اللہ بکثرت کر کے دعائیں مانگو۔ کیونکہ یہ موقعہ قبولیت کا ہے۔ ساتھ ہی ان لوگوں کی بُرائی بیان ہو رہی ہے جو اللہ سے سوال کرتے ہوئے صرف دنیا طلبی کرتے ہیں اور آخرت کی طرف نظریں نہیں اٹھاتے۔ فرمایا ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ بعض اعراب یہاں ٹھیر کر صرف یہی دعائیں مانگتے تھے کہ خدایا اس سال بارشیں اچھی برسا، غلے اچھے پیدا ہوں، اولادیں بکثرت ہوں وغیرہ۔ لیکن مومنوں کی دعائیں دونوں جہان کی بھلائیوں کی ہوتی تھیں اسی لئے ان کی تعریفیں کی گئیں۔ اس دعا میں تمام بھلائیاں دین دنیا کی جمع کر دی ہیں اور تمام برائیوں سے حفاظت ہے۔ اس لئے کہ دنیا کی بھلائی میں عافیت، راحت، آسانی، تندرستی، گھر بار، بیوی بچے، روزی، علم، عمل، اچھی سواریاں، نوکر چاکر، لونڈی غلام، عزت آبرو وغیرہ تمام چیزیں آگئیں اور آخرت کی بھلائی میں حساب کا آسان ہونا گھبراہٹ سے نجات پانا نامۂ اعمال کا داہنے ہاتھ میں ملنا سرخرو ہونا آخر عزت کے ساتھ جنت میں داخل ہونا سب آگیا۔ پھر اس کے بعد عذاب جہنم سے نجات چاہنا اس سے یہ مطلب ہے کہ ایسے اسباب اللہ تعالیٰ مہیا کر دے مثلاً حرام کاریوں سے اجتناب، گناہوں اور بدیوں کا ترک وغیرہ۔ قاسمؒ فرماتے ہیں جسے شکر گذاری اور ذکر کرنے والی زبان اور صبر کرنے والا جسم مل گیا اسے دنیا اور آخرت کی بھلائی مل گئی اور عذاب سے نجات پا گیا۔ بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا کو بکثرت پڑھا کرتے تھے اس حدیث میں رَبَّنَا سے پہلے اَللّٰهُمَّ بھی ہے۔ حضرت قتادہ نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ تر کس دعا کو پڑھتے تھے تو آپ نے جواب میں یہی دعا بتائی (احمد) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود بھی جب کبھی دعا مانگتے اس دعا کو نہ چھوڑتے۔ چنانچہ حضرت ثابتؓ نے ایک مرتبہ کہا کہ حضرت آپ کے یہ بھائی چاہتے ہیں کہ آپ ان کے لئے دعا کریں آپ نے یہی دعا اَللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا الخ پڑھی پھر کچھ دیر بیٹھے اور بات چیت کرنے کے بعد جب وہ جانے لگے تو پھر دعا کی درخواست کی آپ نے فرمایا کیا تم ٹکڑے کرانا چاہتے ہو۔ اس دعا میں تو تمام بھلائیاں آگئیں (ابن ابی حاتم) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مسلمان بیمار کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، دیکھا کہ وہ بالکل دبلا پتلا ہو رہا ہے صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا ہے آپ نے پوچھا کیا تم کوئی دعا بھی اللہ تعالیٰ سے مانگا کرتے تھے۔ اس نے کہا ہاں میری یہ دعا تھی کہ خدایا جو عذاب تو مجھے آخرت میں کرنا چاہتا ہے وہ دنیا ہی میں کر ڈال آپ نے فرمایا سبحان اللہ کسی میں ان کے برداشت کی طاقت بھی ہے؟ تو نے یہ دعا رَبَّنَا اٰتِنَا (آخر تک) کیوں نہ پڑھی؟ چنانچہ بیمار نے اب سے اسی دعا کو پڑھنا شروع کیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دیدی (احمد) رکن بنی جمح اور رکن اسود کے درمیان حضور علیہ السلام اس دعا کو پڑھا کرتے تھے (ابن ماجہ

وغیرہ) لیکن اس کی سند میں ضعف ہے۔ واللہ اعلم۔ آپ فرماتے ہیں جب کبھی رکن کے پاس سے گزرتا ہوں دیکھتا ہوں کہ وہاں فرشتہ ہے اور وہ آمین کہہ رہا ہے تم جب کبھی یہاں سے گزرو تو رَبَّنَآ اٰتِنَا الخ پڑھا کرو (ابن مردویہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے آن کر پوچھا کہ س نے ایک قافلہ کے ساتھ ملازمت کر لی ہے اس اجرت پر کہ وہ مجھے اپنے ساتھ سواری پر سوار کر لیں اور حج کے موقع پر مجھے وہ رخصت دیں کہ حج ادا کر لوں۔ ویسے اور دنوں میں اُن کی خدمت میں لگا رہوں تو فرمائیے کیا اس طرح میرا حج ادا ہو جائے گا۔ آپ نے فرمایا ہاں بلکہ تُو تو اُن لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں قرآن ہے۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ (مستدرک حاکم)۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ (۷)

اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کئی روز تک۔ پھر جو شخص دو دن میں (مکہ واپس آنے میں) تعجیل کرے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو شخص دو دن میں تاخیر کرے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اس شخص کے واسطے جو (خدا سے) ڈرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور خوب یقین رکھو کہ تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے۔

بعض ایام ہیں کہ ان میں ذکر بڑھ جانا چاہیے

اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ سے مراد ایام تشریق اور ایام معلومات سے مراد ذی الحجہ کے دس دن ہیں۔ ذکر اللہ سے مراد یہ ہے کہ ایام تشریق میں فرض نمازوں کے بعد اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ عرفہ کا دن قربانی کا دن اور ایام تشریق ہمارے یعنی اہل اسلام کی عید کے دن ہیں اور یہ دن کھانے پینے کے ہیں (احمد) اور حدیث میں ہے ایام تشریق کھانے پینے اور ذکر اللہ کرنے کے ہیں (احمد) پہلے یہ حدیث بھی بیان ہو چکی ہے کہ عرفات کل ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایام تشریق سب قربانی کے دن ہیں۔ اور یہ حدیث بھی پہلے گذر چکی ہے کہ منیٰ کے دن تین ہیں دو دن کی جلدی یا دیر کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں۔ ابن جریر کی ایک حدیث میں ہے کہ ایام تشریق کھانے اور ذکر اللہ کرنے کے دن ہیں۔ حضور علیہ السلام نے عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا کہ وہ منیٰ میں گھوم کر منادی کر دیں کہ ان دنوں میں کوئی روزہ نہ رکھیں۔ یہ دن کھانے پینے اور ذکر اللہ کرنے کے ہیں۔ ایک اور مرسل روایت میں اتنی زیادتی ہے کہ مگر جس پر قربانی کے بدلے کے روزے ہوں اس کے لئے یہ زائد نیکی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ منادی بشر بن سحیم رضؓ تھے۔ اور حدیث میں ہے کہ آپ نے ان دنوں کے روزوں کی ممانعت فرمائی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام کے سفید خچر پر سوار ہو کر شعب انصار میں کھڑے ہو کر یہ حکم سنایا تھا کہ لوگو یہ دن روزوں کے نہیں بلکہ کھانے پینے اور ذکر اللہ کرنے کے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں ایام معدودات ایام تشریق ہیں اور یہ چار دن ہیں دسویں ذی الحجہ کی اور تین دن اس کے بعد کے۔ یعنی دس سے تیرہ تک۔ ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، ابو موسیٰ رضؓ، عطاءؒ، مجاہدؒ، عکرمہؒ، سعید بن جبیرؒ، ابو مالکؒ، ابراہیم نخعیؒ، یحییٰ بن ابی کثیرؒ، حسنؒ، قتادہؒ، سدیؒ، زہریؒ، ربیع بن انسؒ، ضحاکؒ، مقاتل بن حیانؒ، عطا خراسانیؒ، امام مالکؒ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں یہ تین دن ہیں۔ دسویں گیارھویں اور بارھویں۔ ان میں جب چاہو قربانی کرو لیکن افضل پہلا دن ہے مگر مشہور قول پہلا ہی ہے اور آیت کریمہ کے الفاظ کی ظاہری دلالت بھی اسی پر ہے کیونکہ دو دن کی جلدی اور دیر معاف ہے تو ثابت ہوا کہ عید کے بعد تین دن ہونے چاہئیں۔ اور ان دنوں میں اللہ کا ذکر کرنا قربانیوں کے ذبح کے وقت ہے۔ اور یہ بھی پہلے بیان ہو چکا ہے کہ راجح مذہب[عہ] اس میں حضرت امام شافعیؒ کا ہے کہ قربانی کا وقت عید کے دن سے ایام تشریق کے ختم ہونے تک ہے اور اس سے مراد نمازوں کے بعد کا مقررہ ذکر بھی ہے اور ویسے عام طور پر بھی ذکر اللہ مراد ہے اور اس کے مقررہ وقت میں گو علمائے کرام کا اختلاف ہے لیکن زیادہ مشہور قول جس پر عملدرآمد بھی ہے یہ ہے کہ عرفہ کی صبح سے ایام تشریق کے آخر دن کی عصر کی نماز تک۔ اس بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی دارقطنی میں ہے لیکن اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں واللہ اعلم۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے خیمہ میں تکبیر کہتے اور آپ کی تکبیر پر بازار والے لوگ تکبیر کہتے یہاں تک کہ منیٰ کا میدان گونج اٹھتا۔ اسی طرح یہ مطلب بھی ہے کہ شیطانوں کو کنکریاں مارنے کے وقت تکبیر اور ذکر اللہ کیا جائے جو ایام تشریق کے ہر دن

[عہ] کاش ابن کثیر ابو حنیفہ الامام کے دلائل احادیث، آثار کو بھی اس موقع پر سامنے رکھ کر کسی مذہب کی ترجیح کا فیصلہ کرتے ۱۲ انظر شاہ کشمیری۔

ہو گا۔ ابو داؤد وغیرہ میں حدیث ہے کہ بیت اللہ کا طواف صفا مروہ کی سعی شیطانوں کو کنکریاں مارنی یہ سب اللہ تعالیٰ کے ذکر کو قائم کرنے کے لئے ہے چونکہ اللہ تعالیٰ نے حج کی پہلی اور دوسری واپسی کا ذکر کیا اور اس کے بعد لوگ ان پاک مقامات کو چھوڑ کر اپنے شہروں اور مقامات کو لوٹ جائیں گے اس لئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور یقین رکھو کہ تمہیں اس کے سامنے جمع ہونا ہے اسی نے تمہیں زمین میں پھیلایا پھر وہی سمیٹ لے گا پھر اسی کی طرف حشر ہو گا پس جہاں کہیں ہو اس سے ڈرتے رہا کرو۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ

اور بعض آدمی ایسے بھی ہیں کہ آپ کو اس کی گفتگو جو محض دنیوی غرض سے ہوتی ہے مزہ دار معلوم ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر بتاتا ہے اپنے مافی الضمیر پر

وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ (۸) وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ

حالانکہ وہ (آپ کی) مخالفت میں (نہایت) شدید ہے۔ اور جب پیٹھ پھیرتا ہے تو اس دوڑ دھوپ میں پھرتا رہتا ہے کہ شہر میں فساد کرے اور (کسی کے) کھیت یا

الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ (۹) وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ

مواشی کو تلف کر دے اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتے اور جب اس سے کوئی کہتا ہے کہ خدا کا خوف کر

اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ (۱۰) وَمِنَ النَّاسِ

تو نخوت اس کو گناہ پر (دونا) آمادہ کر دیتی ہے سو ایسے شخص کی کافی سزا جہنم ہے اور وہ بری ہی آرام گاہ ہے اور بعضا آدمی

مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ (۱۱)

ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں اپنی جان تک صرف کر ڈالتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کے حال پر نہایت مہربان ہیں۔

دنیاوی زندگی میں بعض چرب زبانوں کی کامیابی

سدی رح کہتے ہیں کہ یہ آیت اخنس بن شریق ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی ہے یہ منافق شخص تھا ظاہر میں مسلمان تھا لیکن باطن میں مخالف تھا۔ ابن عباس رضہ کہتے ہیں کہ منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنھوں نے حضرت خبیب رضہ اور ان کے ساتھیوں کی برائیاں بیان کی تھیں جو رجیع میں شہید کئے گئے تھے تو ان شہدا کی تعریف میں مَنْ يَّشْرِيْ الخ والی آیت اتری اور منافقین کی مذمت کے بارے میں مَنْ يُّعْجِبُكَ الخ والی آیت نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت عام ہے تمام منافقوں کے بارے میں پہلی اور دوسری آیت ہے اور تمام مومنوں کی تعریف کے بارے میں تیسری آیت ہے۔ قتادہ رح وغیرہ کا قول یہی ہے اور یہی صحیح ہے۔ حضرت نوف بکالی جو توراۃ و انجیل کے بھی عالم تھے فرماتے ہیں کہ میں اس امت کے بعض لوگوں کی برائیاں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب میں پاتا ہوں مرقوم ہے کہ بعض لوگ دین کے حیلے سے دنیا کماتے ہیں ان کی زبانیں تو شہد سے زیادہ میٹھی ہیں لیکن دل ایلوے سے زیادہ کڑوے ہیں لوگوں کے لئے بکریوں کی کھالیں پہنتے ہیں لیکن دل ان کے بھیڑیوں جیسے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا وہ مجھ پر جرأت کرتے ہیں اور میرے ساتھ دھوکے بازیاں کرتے ہیں۔ مجھے اپنی ذات کی قسم کہ میں ان پر وہ فتنہ بھیجوں گا کہ بردبار لوگ بھی حیران رہ جائیں گے۔ قرظی لکھتے ہیں میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ منافقوں کا وصف ہے اور قرآن میں بھی موجود ہے پڑھیے آیت وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ الخ حضرت سعید نے بھی جب یہ باتیں اور کتابوں کے حوالے سے بیان کیں تو حضرت محمد بن کعب رضہ نے یہی فرمایا تھا کہ یہ قرآن شریف میں بھی ہے اور اسی آیت کی تلاوت کی تھی سعید کہنے لگے میں جانتا ہوں کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے آپ نے فرمایا سنئے آیت شان نزول کے اعتبار سے تو کسی کے بارے میں ہی ہو لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہوتی ہے۔ ابن محیصن کی قرأت میں يَشْهَدُ اللّٰهُ ہے معنی یہ ہوں گے کہ گو وہ اپنی زبان سے کچھ ہی کہے لیکن اس کے دل کا حال اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے جیسے اور جگہ ہے اِذَا جَاۗءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ الخ

یعنی منافق تیرے پاس آکر تیری نبوت کی گواہی دیتے ہیں خدا جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے لیکن خدا کی گواہی ہے کہ یہ منافق یقیناً جھوٹے ہیں۔ لیکن جمہور کی قرأت یُشْہِدُ اللّٰہَ ہے تو معنی یہ ہوئے کہ لوگوں کے سامنے تو اپنی خباثت کو چھپاتے ہیں لیکن خدا کے سامنے اُن کے دل کا کفر و نفاق ظاہر ہے جیسے اور جگہ ہے یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰہِ الخ یعنی لوگوں سے چھپاتے ہیں لیکن خدا سے نہیں چھپا سکتے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ لوگوں کے سامنے اسلام ظاہر کرتے ہیں اور اُن کے سامنے قسمیں کھا کر باور کراتے ہیں کہ جو اُن کی زبان پر ہے وہ ہی اُن کے دل میں ہے۔ صحیح معنی آیت کے یہی ہیں عبدالرحمٰن بن زید اور مجاہد سے بھی یہی مروی ہے ابن جریر بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔ اَلَدُّ کے معنی لغت میں ہیں سخت ٹیڑھا۔ جیسے اور جگہ ہے وَتُنْذِرَ بِہٖ قَوْمًا لُّدًّا ○ یہی حالت منافق کی ہے کہ وہ اپنی حجت میں جھوٹ بولتا ہے اور حق سے ہٹ جاتا ہے۔ سیدھی بات چھوڑ دیتا ہے اور افتراء اور بہتان باندھتا ہے اور گالیاں بکتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرے جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے، بیوفائی کرے، جب جھگڑا کرے گالیاں بکے۔ ایک اور حدیث میں ہے۔ سب سے زیادہ بُرا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو سخت جھگڑالو ہو اس کی کئی ایک سندیں ہیں، پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح یہ بُرے اقوال والا ہے اسی طرح افعال بھی اس کے بدترین ہیں قول تو یہ ہے لیکن فعل اس کے سراسر خلاف ہے۔ عقیدہ بالکل فاسد ہے۔

سَعْی سے مراد یہاں قصد ہے جیسے اور جگہ ہے ثُمَّ اَدْبَرَ یَسْعٰی الخ اور فرمان ہے فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ الخ یعنی جمعہ کی نماز کا قصد و ارادہ کرو۔ یہاں سعی کے معنے دوڑنے کے نہیں کیونکہ نماز کے لئے دوڑ کر جانا ممنوع ہے۔ حدیث شریف میں ہے جب تم نماز کے لئے آؤ تو دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ سکینت و وقار کے ساتھ آؤ۔ غرض یہ ہے کہ ان منافقوں کا قصد زمین میں فساد پھیلانا، کھیتی باڑی، زمین کی پیداوار اور حیوانوں کی نسل کو برباد کرنا ہی ہوتا ہے یہ بھی معنی مجاہد سے روایت ہیں کہ ان لوگوں کے نفاق اور ان کی بدکرداریوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بارش کو روک لیتا ہے جس سے کھیتیوں کو اور جانوروں کو نقصان پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو بانیٔ فساد ہوں ناپسند کرتا ہے۔ ان بدکرداروں کو جب وعظ و تذکیر کے ذریعہ سمجھایا جائے تو یہ اور بھڑک اُٹھتے ہیں اور مخالفت کے جوش میں گناہوں پر اور آمادہ ہو جاتے ہیں۔ جیسے اور جگہ ہے کہ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمُنْکَرَ الخ یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام کی آیتیں جب اُن کے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کافروں کے مُنہ چڑھ جاتے ہیں اور پڑھنے والوں پر جھپٹتے ہیں۔ سُنو اس سے بھی بڑھ کر سُنو! کافروں کے لئے ہمارا فرمان جہنم کا ہے جو بدترین جگہ ہے۔ یہاں بھی یہی فرمایا کہ انھیں جہنم کافی ہے یعنی سزا میں اور وہ بدترین اوڑھنا بچھونا ہے۔ منافقوں کی مذموم خصلتیں بیان فرما کر اب مؤمنوں کی تعریفیں ہو رہی ہیں۔

مؤمن کی دنیاوی زندگی، کامیابی کا مرقع اور حسین انجام کی تمہید

یہ آیت حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے یہ مکہ میں مسلمان ہوئے تھے جب مدینہ کی طرف ہجرت کرنی چاہی تو کافروں نے ان سے کہا کہ ہم تمہیں مال لیکر نہیں جانے دیں گے اگر تم مال چھوڑ کر جانا چاہتے ہو تو تمہیں اختیار ہے۔ آپ نے سب مال سے علیحدگی کر لی اور کفار نے اس پر قبضہ کر لیا اور آپ نے ہجرت کی جس پر یہ آیت اُتری۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صحابۂ کرام کی ایک بڑی جماعت آپ کے استقبال کے لئے حرہ تک آئی اور مبارکباد دی کہ آپ نے بڑا اچھا بیوپار کیا بڑے نفع کی تجارت کی۔ آپ یہ سُن کر فرمانے لگے خدائے تعالیٰ آپ کی تجارتوں کو بھی نقصان والی نہ کرے، آخر بتاؤ تو یہ مبارکباد کس لئے ہے۔ اُن بزرگوں نے فرمایا آپ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ جب حضورؐ کے پاس پہنچے تو آپ نے بھی یہی خوشخبری سُنائی قریش نے آپ سے کہا تھا کہ جب آپ مکہ میں آئے آپ کے پاس مال نہ تھا یہ سب مال یہیں کمایا اب اس مال کو لیکر ہم جانے نہ دیں گے۔ چنانچہ آپ نے مال کو چھوڑا اور دین بچا کر خدمت رسولؐ میں حاضر ہو گئے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب آپ ہجرت کے ارادے سے نکلے اور کافروں کو علم ہوا تو سب نے آن کر گھیر لیا آپ نے اپنے ترکش سے تیر نکال لئے اور فرمایا اے مکہ والو تم خوب جانتے ہو کہ میں کیسا تیرانداز ہوں میرا ایک نشانہ بھی خطا نہیں جاتا جب تک یہ تیر ختم نہ ہوں گے میں تم کو چھیدتا رہوں گا اس کے بعد تلوار سے میں تم سے لڑوں گا اور اس میں بھی تم میں سے کسی سے کم نہیں ہوں جب تلوار کے بھی ٹکڑے ہو جائیں گے پھر تم میرے پاس آسکتے ہو پھر جو چاہو کرلو۔ اگر یہ تمہیں منظور ہے تو بسم اللہ ورنہ سُنو! میں تمہیں اپنا کل مال

بتا دیتا ہوں سب لے لو اور مجھے جانے دو۔ وہ مال لینے پر رضا مند ہو گئے اور اس طرح آپ نے ہجرت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی وہاں بذریعہ وحی یہ آیت نازل ہو چکی تھی۔ آپ کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مبارکباد دی۔ اکثر مفسرین کا یہ قول بھی ہے کہ یہ آیت عام ہے اور ہر مجاہد فی سبیل اللہ کی شان میں ہے جیسے اور جگہ ہے اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۝ الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جانیں اور مال خرید لئے ہیں اور ان کے بدلے جنت دیدی ہے یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں مارتے بھی ہیں اور شہید بھی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کا یہ سچا عہد توراۃ انجیل اور قرآن میں موجود ہے اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچے عہد والا اور کون ہو گا تم اے ایمان دارو! اس خرید فروخت اور اس بدلے سے خوش ہو جاؤ یہی بڑی کامیابی ہے۔ حضرت ہشام بن عامر نے جب کفار کی دونوں صفوں میں گھس کر ان پر یکا و تنہا بے پناہ حملہ کر دیا تو بعض لوگوں نے اِسے خلافِ شرع سمجھا لیکن حضرت عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہ رضؓ وغیرہ نے ان کی تردید کی اور اسی آیت مَنْ يَّشْرِيْ کی تلاوت کر کے سُنا دی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ

اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور (فاسد خیالات میں پڑ کر) شیطان کے قدم بقدم مت چلو (۲۰۹)

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

واقعی وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ پھر اگر تم بعد اس کے کہ تم کو واضح دلیلیں پہنچ چکی ہیں (صراط مستقیم سے) لغزش کرنے لگو تو یقین رکھو کہ حق تعالیٰ (بڑے) زبردست ہیں حکمت والے

اسلام پوری زندگی پر چھا جانا چاہیئے

اللہ تعالیٰ اپنے اوپر ایمان لانے والوں اور اپنے نبی کی تصدیق کرنے والوں سے ارشاد فرماتا ہے کہ وہ کل احکام کو بجا لائیں کل ممنوعات سے بچ جائیں کامل شریعت پر عمل کریں سِلْم سے مراد اسلام ہے اطاعت اور صلح جوئی بھی مراد ہے، كَاۗفَّةً کے معنی ہیں سب کے سب پورے پورے۔ عکرمہ کا قول ہے کہ حضرت عبد اللہ بن سلام، اسد بن عبید ثعلبہ وغیرہ رضؓ جو یہود سے مسلمان ہوئے تھے انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گذارش کی کہ ہمیں ہفتہ کے دن کو عبادت میں گذارنے کی اور راتوں کے وقت توراۃ پر عمل کرنے کی اجازت دی جائے۔ جس پر یہ آیت اُتری کہ اسلامی احکام پر عمل کرتے رہو۔ لیکن اس میں حضرت عبد اللہ کا نام کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا وہ زبردست عالم تھے اور پورے مسلمان تھے انھیں کامل طور پر معلوم تھا کہ ہفتہ کے دن کا اہتمام منسوخ ہو چکا ہے اس کے بجائے اسلامی عید جمعہ کے دن کی مقرر ہو چکی ہے پھر نا ممکن ہے کہ وہ ایسی خواہش میں اوروں کا ساتھ دیں۔ بعض مفسرین نے كَاۗفَّةً کو حال کہا ہے یعنی تم سب کے سب اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے یعنی اپنی طاقت بھر اسلام کے کل احکام کو مانو۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ بعض اہل کتاب باوجود ایمان لانے کے توراۃ کے بعض احکام پر جمے ہوئے تھے ان سے کہا جاتا ہے کہ محمدی دین میں پوری طرح آجاؤ اس کا کوئی عمل نہ چھوڑو توراۃ پر صرف ایمان رکھنا کافی ہے۔ پھر فرمان ہے کہ اللہ کی اطاعت کرتے رہو شیطان کی نہ مانو وہ تو برائیوں اور بدکاریوں کا اور خدا پر بہتان باندھنے کو کہتا ہے اُس کے اور اس کے گروہ کی تو خواہش یہ ہے کہ تم جہنمی بن جاؤ وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔ اگر تم دلائل معلوم کرنے کے بعد بھی حق سے ہٹ جاؤ تو جان رکھو کہ خدا بھی بدلہ لینے میں غالب ہے نہ اس سے کوئی بھاگ کر بچ سکے نہ اس پر کوئی غالب آسکے وہ اپنے احکام کے جاری کرنے میں حکمتوں والا ہے، وہ غالب ہے اپنی پکڑ میں وہ حکیم ہے اپنے امر میں وہ کفار پر غلبہ رکھتا ہے اور عذر و حجت کو کاٹ دینے میں حکمت رکھتا ہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ

یہ (گمراہ) لوگ اس امر کے منتظر (معلوم ہوتے) ہیں کہ حق تعالیٰ اور فرشتے بادل کے سائبانوں میں ان کے پاس (سزا دینے کے لئے) آویں

ف ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی منقول ہے کہ عبد اللہ بن سلام اور ان کے رفقاء نے یہود کے دستور کے موافق اسلام لانے کے بعد اونٹ کے گوشت اور دودھ کے استعمال سے بھی پرہیز کیا تھا گویا کہ ابن کثیر نے اس روایت کے بعض اجزاء یہاں ذکر کئے اور بعض کو حذف کر دیا ۱۲ انظر شاہ +

۲۵ ع ۱۴ ۹

وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝

اور سارا قصہ ہی ختم ہو جاوے اور یہ سارے مقدمات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کیے جاویں گے۔

اسلام سے روگردانی کرنے والے کیا بڑے عذاب کے منتظر ہیں؟

اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کفار کو دھمکا رہا ہے کہ کیا انھیں قیامت ہی کا انتظار ہے جس دن حق کے ساتھ فیصلے ہو جائیں گے اور ہر شخص اپنے کیے کو بھگت لے گا۔ جیسے اور جگہ ارشاد ہے كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ الخ یعنی جب زمین کے ریزے ریزے اڑ جائیں گے اور تیرا رب خود آجائے گا اور فرشتوں کی صفیں کی صفیں بندھ جائیں گی اور جہنم بھی لاکر کھڑی کر دی جائے گی۔ اس دن یہ لوگ عبرت و نصیحت حاصل کریں گے لیکن اس سے کیا فائدہ؟ اور جگہ فرمایا هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ الخ یعنی کیا انھیں اس بات کا انتظار رہے کہ ان کے پاس فرشتے آجائیں گے یا خود اللہ تعالیٰ آجائے یا اس کی بعض نشانیاں آجائیں اگر یہ ہو گیا تو پھر نہ ایمان نفع دے، نہ نیک اعمال کا وقت رہے۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں پر ایک لمبی حدیث لکھی ہے جس میں صور وغیرہ کا مفصل بیان ہے جس کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ مسند وغیرہ میں یہ حدیث ہے اس میں ہے کہ جب لوگ گھبرا جائیں گے تو انبیاء علیہم السلام سے شفاعت طلب کریں گے حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر ایک ایک پیغمبر کے پاس جائیں گے اور وہاں سے صاف جواب پائیں گے یہاں تک کہ ہمارے نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں گے آپ جواب دیں گے میں تیار ہوں میں ہی اس کا اہل ہوں۔ پھر آپ جائیں گے اور عرش تلے سجدے میں گر پڑیں گے اور اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں گے کہ وہ بندوں کا فیصلہ کرنے کے لیے تشریف لائے اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت قبول فرمائے گا اور بادلوں کے سائبان میں آئے گا۔ آسمان دنیا ٹوٹ جائے گا۔ اور اس کے تمام فرشتے آجائیں گے۔ پھر دوسرا بھی پھٹ جائے گا اور اس کے فرشتے بھی آجائیں گے اسی طرح ساتوں آسمان شق ہو جائیں گے اور ان کے فرشتے آجائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا عرش اترے گا اور بزرگتر فرشتے نازل ہوں گے اور خود وہ جبار خدا تشریف لائے گا۔ فرشتے سب کے سب تسبیح خوانی میں مشغول ہوں گے ان کی تسبیح اس وقت یہ ہو گی سُبْحَانَ ذِی الْمُلْکِ وَالْمَلَکُوْتِ سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْجَبَرُوْتِ سُبْحَانَ الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ سُبْحَانَ الَّذِیْ یُمِیْتُ الْخَلَائِقَ وَلَا یَمُوْتُ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِکَةِ وَالرُّوْحِ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ سُبْحَانَ رَبِّنَا الْاَعْلٰی سُبْحَانَ ذِی السُّلْطَانِ وَالْعَظَمَةِ سُبْحَانَہٗ سُبْحَانَہٗ اَبَدًا اَبَدًا۔ حافظ ابوبکر ابن مردویہ نے بھی اس آیت کی تفسیر میں بہت سی احادیث بیان کی ہیں جن میں غرابت ہے واللہ اعلم۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اگلوں پچھلوں کو اس دن جمع کرے گا جس کا وقت مقرر ہے وہ سب کے سب کھڑے ہوں گے آنکھیں پتھرائی ہوئی اور اوپر کو لگی ہوئی ہوں گی ہر ایک کو فیصلہ کا انتظار ہو گا اللہ تعالیٰ ابر کے سائبان میں عرش سے کرسی پر نزول فرمائے گا۔ ابن ابی حاتم میں ہے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس وقت وہ اترے گا تو مخلوق اور اس کے درمیان ستر ہزار پردے ہوں گے نور کے اندھیرے کے اور پانی کے وہ پانی اس اندھیرے میں ایسی آواز کر رہا ہو گا جس سے دل ہل جائیں۔ زہیر بن محمد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ بادل کا سائبان یاقوت کا جڑا ہوا اور جوہر و زبرجد والا ہو گا۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں یہ بادل معمولی بادل نہیں بلکہ یہ وہ بادل ہے جو بنی اسرائیل کے سروں پر وادی تیہ میں تھا۔ ابوالعالیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں فرشتے بھی بادل کے سایے میں آئیں گے اور اللہ تعالیٰ آئے گا جس میں چاہے گا۔ چنانچہ بعض قرأتوں میں یوں بھی ہے هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ جیسے اور جگہ ہے وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاۗءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰۗىِٕكَةُ تَنْزِيْلًا یعنی اس دن آسمان بادل سمیت پھٹے گا اور فرشتے اتر آئیں گے۔

سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰھُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ

آپ (علماء) بنی اسرائیل سے ذرا پوچھئے (تو سہی) ہم نے ان کو کتنی واضح دلیلیں دی تھیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمت کو بدلتا ہے اس کے پاس

مَا جَاۗءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ① زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

پہنچنے کے بعد تو یقیناً حق تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔ دنیوی معاش کفار کو آراستہ پیراستہ معلوم ہوتی ہے

وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

اور (اسی وجہ سے) ان مسلمانوں سے تمسخر کرتے ہیں حالانکہ یہ (مسلمان) جو کفر و شرک سے بچتے ہیں ان کافروں سے اعلیٰ درجہ میں ہوں گے قیامت کے روز

وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ②

اور روزی تو اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے اندازہ دیتے ہیں۔

مسلسل نشانیاں پیش ہوتی رہیں لیکن بنی اسرائیل کی غفلت بدستور قائم رہی

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ دیکھو بنی اسرائیل کو میں نے بہت سے معجزات دکھلا دیئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں کی لکڑی اُن کے ہاتھ کی روشنی اُن کے لئے دریا کو چیر دینا اُن پر سخت گرمیوں میں ابر کا سایہ کرنا مَنّ و سلویٰ اتارنا وغیرہ وغیرہ جن سے میرا خود مختار و فاعل کل ہونا صاف ظاہر تھا اور میرے نبی حضرت موسیٰ ؑ کی نبوت کی کھلی تصدیق ہوتی تھی لیکن تاہم اُن لوگوں نے میری ان نعمتوں کا انکار کیا اور بجائے ایمان کے کفر پر اڑے رہے اور میری نعمتوں پر بجائے شکریہ کے ناشکری کی پھر میرے سخت عذابوں سے یہ کیسے بچ رہیں گے یہی خبر کفار قریش کے بارے میں بھی بیان فرمائی ہے ارشاد ہے اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا الخ کیا تو نے اُن لوگوں کو دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر یعنی جہنم جیسی بدترین قرارگاہ میں پہنچا دیا۔ پھر بیان ہوتا ہے کہ یہ کفار صرف دنیا کی زندگی پر ریجھے ہوئے ہیں۔ مال جمع کرنا اور خدا کی راہ کے خرچ میں بخل کرنا یہی ان کا رنگ ڈھنگ ہے۔ بلکہ جو ایماندار اس دنیائے فانی سے سیر چشم ہیں اور پروردگار کی رضامندی پر اپنے مال لٹاتے رہتے ہیں یہ اُن کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ حالانکہ سعید یہی لوگ ہیں قیامت کے دن ان کے مرتبے دیکھ کر ان کافروں کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ اس وقت اپنی بدتری اور اُن کی برتری دیکھ کر معاملہ کی اونچ نیچ سمجھ میں آجائے گی۔ روزی دنیا جسے خدا جتنی چاہے دیدے جسے چاہے بے حساب دے بلکہ جسے چاہے یہاں بھی دے اور پھر وہاں بھی دے۔ حدیث شریف میں ہے اے ابن آدم تو میری راہ میں خرچ کر میں تجھے دیتا ہی چلا جاؤں گا۔ آپ نے حضرت بلال ؓ سے فرمایا راہ خدا میں دیئے جاؤ اور عرش والے سے تنگی کا خوف نہ کرو۔ قرآن میں ہے وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ تم جو کچھ خرچ کرو خدا اس کا بدلہ دے گا۔ صحیح حدیث میں ہے ہر صبح دو فرشتے اُترتے ہیں ایک دعا کرتا ہے خدایا تیری راہ میں خرچ کرنے والے کو برکت عنایت فرما۔ دوسرا کہتا ہے خدایا بخیل کے مال کو برباد کر۔ مسلم حدیث میں ہے انسان کہتا رہتا ہے میرا مال میرا مال۔ حالانکہ تیرا مال وہ ہے جسے تو نے کھا لیا وہ تو فنا ہو چکا اور جسے پہن لیا وہ بوسیدہ ہو گیا ہاں جو تو نے صدقہ میں دیا اسے تو نے باقی رکھ لیا اس کے سوا جو کچھ ہے اُسے دوسروں کے لئے چھوڑ کر یہاں سے چل دے گا۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے۔ دنیا اس کا گھر ہے جس کا گھر نہ ہو۔ دنیا اس کا مال ہے جس کا مال نہ ہو دنیا کے لئے جمع وہ کرتا ہے جسے عقل نہ ہو۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۣ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۠ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ

(ایک زمانہ میں) سب آدمی ایک ہی طریق کے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا جو کہ خوشی (کے وعدے) سناتے تھے اور ڈراتے تھے اور ان کے ساتھ (آسمانی) کتابیں بھی

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ

ٹھیک طور پر نازل فرمائیں اس غرض سے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں میں ان کے امور اختلافیہ (مذہبی) میں فیصلہ فرما دیں اور اس کتاب میں (یہ) اختلاف اور کسی نے نہیں کیا مگر صرف ان لوگوں نے جن کو

اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا

(اولاً) وہ کتاب ملی تھی بعد اس کے کہ ان کے پاس دلائل واضحہ پہنچ چکے تھے باہمی ضدا ضدی کی وجہ سے پھر اللہ تعالیٰ نے (ہمیشہ) ایمان والوں کو وہ امر حق

اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ③

جس میں (مختلفین) اختلاف کیا کرتے تھے بفضلہ تعالیٰ بتلا دیا۔ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اس کو راہ راست بتلا دیتے ہیں۔

نسل آدم ایک ہی طریقہ پر گامزن تھی

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت نوح اور حضرت آدمؑ کے درمیان دس زمانے تھے یہ لوگ حق اور شریعت کے پابند تھے پھر اختلاف پڑ گیا تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا بلکہ آپ کی قرأت بھی یوں ہے کہ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا فَبَعَثَ الخ حضرت ابی بن کعب کی قرأت بھی یہی ہے۔ قتادہ رحؒ نے بھی اس کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ جب ان میں اختلاف پیدا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنا پہلا پیغمبر بھیجا یعنی حضرت نوح علیہ السلام حضرت مجاہد رحؒ بھی یہی کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ سے ایک روایت مروی ہے کہ پہلے سب کے سب کافر تھے۔ لیکن اول قول معنیٰ کے اعتبار سے بھی اور سند کے اعتبار سے بھی زیادہ صحیح ہے۔ پس ان پیغمبروں نے خوشیاں سنائیں ایمان والوں کو اور ڈرایا ایمان نہ لانے والوں کو۔ ان کے ساتھ خدائی کتاب بھی تھی تاکہ لوگوں کے ہر اختلاف کا فیصلہ قانون الٰہی سے ہو سکے۔

اتفاق کے بعد اختلاف کی خلیج وسیع ہوتی چلی گئی

لیکن ان دلائل کے بعد بھی صرف آپس کے حسد و بغض تعصب و ضد اور نفسانیت کی بناء پر پھر اتفاق نہ کر سکے لیکن الحمد للہ ایماندار سنبھل گئے اور اس اختلاف کے جھگڑے سے نکل کر سیدھی راہ لگ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہم دنیا میں آنے کے اعتبار سے تو سب سے پیچھے ہیں لیکن قیامت کے دن جنت میں جانے کے اعتبار سے سب سے آگے ہوں گے۔ اہل کتاب کو کتاب اللہ ہم سے پہلے دی گئی ہمیں ان کے بعد دی گئی لیکن انہوں نے اختلاف کیا اور اللہ پاک نے ہماری رہبری کی جمعہ کے بارے میں بھی ان کا اختلاف رہا لیکن ہمیں ہدایت نصیب ہوئی یہ کل کے کل اہل کتاب اس لحاظ سے بھی ہمارے پیچھے ہیں جمعہ ہمارا ہے ہفتہ یہودیوں کا اور اتوار نصرانیوں کا۔ زید بن اسلم رحؒ فرماتے ہیں جمعہ کے علاوہ قبلہ کے بارے میں بھی یہی ہوا۔ نصاریٰ نے مشرق کو قبلہ بنایا یہود نے بیت المقدس کو۔ لیکن محمدیوں نے کعبہ کو قبلہ مقرر کیا اسی طرح نماز میں بھی ان میں سے بعضوں کی نماز میں رکوع ہے اور سجدہ نہیں۔ بعضوں کے ہاں سجدہ ہے اور رکوع نہیں۔ بعض نماز میں بولتے چالتے رہتے ہیں بعض چلتے پھرتے رہتے ہیں لیکن امت محمدؐ کی نماز سکون و وقار والی ہے نہ یہ بولیں نہ چلیں پھریں۔ روزوں میں بھی اسی طرح اختلاف ہوا اور اس میں بھی محمدیوں کو ہدایت ہوئی اُن میں سے کوئی تو دن کے بعض حصے کا روزہ رکھتا ہے کوئی گروہ بعض قسم کے کھانے چھوڑ دیتا ہے۔ لیکن ہمارا روزہ ہر طرح کامل ہے اور اس میں بھی راہ حق ہمیں سمجھائی گئی ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں یہود نے کہا کہ وہ یہودی تھے نصرانیوں نے انہیں نصرانی کہا لیکن دراصل وہ قطعاً مسلمان تھے پس اس بارے میں بھی ہماری رہبری کی گئی اور خلیل اللہؑ کی نسبت صحیح عقیدہ تک ہم پہنچا دیئے گئے۔ حضرت عیسیٰؑ کو بھی یہودیوں نے جھٹلایا اور ان کی والدہ ماجدہ کی نسبت بدکلامی کی۔ نصرانیوں نے انہیں خدا اور خدا کا بیٹا کہا لیکن مسلمان اس افراط تفریط سے بچائے گئے اور انہیں روح اللہ اور کلمۃ اللہ اور نبی برحق مانا۔ ربیع بن انس رحؒ فرماتے ہیں مطلب آیت کا یہ ہے کہ جس طرح ابتداء میں سب لوگ خدائے واحد کی عبادت کرنے والے نیکیوں کے عامل برائیوں سے مجتنب تھے۔ بیچ میں اختلاف رونما ہو گیا تھا پس اس آخری امت کو اول کی طرح اختلاف سے بچا کر صحیح راہ پر لگا دیا۔ یہ امت اور امتوں پر گواہ ہوگی یہاں تک کہ امت نوحؑ پر بھی ان کی شہادت ہوگی۔ قوم ہود قوم صالح قوم شعیب اور آل فرعون کا بھی جھگڑا انہی کی گواہیوں پر ہوگا۔ یہ کہیں گے کہ ان پیغمبروں نے تبلیغ کی اور اُن امتوں نے تکذیب کی۔ حضرت ابی بن کعبؓ کی قرأت میں وَاللّٰهُ يَهْدِيْ الخ کے بعد یہ لفظ بھی ہیں وَلِيَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ ابو العالیہؒ فرماتے ہیں اس آیت میں گویا حکم ہے کہ شبہ سے گمراہی سے اور فتنوں سے بچنا چاہیے۔ یہ ہدایت خدا کے علم اور اُس کی رہبری سے ہوئی وہ جسے چاہے راہ استقامت سمجھا دیتا ہے۔

آپ کی ایک دعا

بخاری مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کو جب تہجد کے لئے اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اِهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ یعنی اے اللہ! اے جبرائیل میکائیل اور اسرافیل کے خدا! اے آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے خدا! اے چھپے کھلے کے جاننے والے خدا! تو ہی

اپنے بندوں کے آپس کے اختلافات کا فیصلہ کرتا ہے میری دعا ہے کہ جس جس چیز میں یہ اختلاف کریں تو مجھے اس میں حق بات سمجھا تو جسے چاہے راہ راست دکھلا دیتا ہے۔

ایک اور دعاء ماثورہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دعا یہ بھی منقول ہے اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ وَلَا تَجْعَلْهُ مُلْتَبِسًا عَلَيْنَا فَنَضِلَّ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا

اے اللہ! ہمیں حق کو حق دکھا اور اس کی تابعداری نصیب فرما اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے بچا ایسا نہ ہو کہ حق و باطل ہم پر خلط ملط ہو جائے اور ہم بہک جائیں خدایا ہمیں نیک کار پرہیزگار لوگوں کا امام بنا۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ

دوسری بات سنو کیا تمھارا یہ خیال ہے کہ جنت میں (بے مشقت) جا داخل ہوگے حالانکہ تم کو ہنوز ان (مسلمانوں) لوگوں کا سا کوئی (بھی) واقعہ پیش نہیں آیا جو تم سے پہلے

قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ

ہو گذرے ہیں۔ ان پر (طرح طرح کی) (مصیبت) ایسی ایسی تنگی اور سختی واقع ہوئی اور (مصائب سے) ان کو یہاں تک جنبشیں ہوئیں کہ (اس زمانہ کے) پیغمبر تک اور جو ان کے ہمراہ

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ ④

اہل ایمان تھے بول اٹھے کہ اللہ تعالیٰ کی امداد (موعود) کب ہوگی یاد رکھو بیشک اللہ کی امداد (بہت) نزدیک ہے۔

جنت الفردوس جو سب سے بڑی کامیابی ہے آزمائشوں کے بغیر اس کا حاصل ہونا آسان نہیں

مطلب یہ ہے کہ آزمائش اور امتحان سے پہلے جنت کی آرزوئیں ٹھیک نہیں اگلی تمام امتوں کا بھی امتحان لیا گیا انہیں بھی بیماریاں اور مصیبتیں پہنچیں۔ بأساء کے معنی فقیری اور ضراء کے معنے بیماری بھی کیا گیا ہے ان پر دشمنوں کا خوف اس قدر طاری ہوا کہ بیچارے کانپنے لگے۔ ان تمام سخت امتحانوں میں وہ کامیاب ہوئے اور جنت کے وارث بنے۔ صحیح حدیث میں ہے ایک مرتبہ حضرت خباب ابن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یا رسول اللہ آپ ہماری امداد کی دعا نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا بس ابھی سے گھبرا اٹھے سنو! تم سے اگلے موحدوں کو پکڑ کر ان کے سروں پر آرے رکھ دیئے جاتے تھے اور چیر کر ٹھیک دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے لیکن تاہم وہ توحید و سنت سے نہ ہٹتے تھے۔ لوہے کی کنگھیوں سے ان کے گوشت پوست نوچے جاتے تھے لیکن تاہم دین خدا کو نہیں چھوڑتے تھے۔ قسم خدا کی اس میرے دین کو تو میرا رب اس قدر پورا کرے گا کہ بلا خوف و خطر صنعاء سے حضرموت تک کا سفر ایک سوار کرنے لگے گا اسے سوائے خدا کے کسی کا خوف نہ ہوگا البتہ دل میں یہ خیال ہونا اور بات ہے کہ کہیں میری بکریوں پر بھیڑیا نہ آ پڑے لیکن افسوس تم جلدی کرتے ہو۔ قرآن میں ٹھیک یہی مضمون دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ الٓمّٓ ؕ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا الخ۔ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ محض ایمان کے اقرار سے ہی چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی ہم نے تو اگلوں کی بھی آزمائش کی سچوں کو اور جھوٹوں کو یقیناً ایک دوسرے سے علیحدہ کیا جائے گا۔ چنانچہ اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پوری آزمائش یوم الاحزاب کو یعنی جنگ خندق میں ہوئی جیسے خود قرآن پاک نے اس کا نقشہ کھینچا ہے۔ فرمان ہے اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ الخ یعنی جبکہ کافروں نے تمہیں اوپر نیچے سے گھیر لیا جبکہ آنکھیں پتھرا گئیں دل حلقوم تک آگئے اور خدائے تعالیٰ کے ساتھ گمان ہونے لگے اسی جگہ مومنوں کی پوری آزمائش ہوگئی اور وہ خوب جھنجھوڑ دیئے گئے جبکہ منافق اور دل کے بیمار لوگ کہنے لگے کہ خدا اور رسول کے وعدے تو دھوکہ ہی تھے الخ۔ ہرقل نے جب ابوسفیان سے ان کے کفر کی حالت میں پوچھا تھا کہ تمہاری کوئی لڑائی بھی اس دعویدار نبوت سے ہوئی ہے۔ ابوسفیان نے کہا ہاں۔ پوچھا پھر کیا رنگ رہا۔ کہا کبھی ہم غالب رہے کبھی وہ غالب رہے تو ہرقل نے کہا انبیاء کی اسی طرح آزمائش ہوتی رہتی ہے لیکن انجام کار کھلا غلبہ انہیں کا ہوتا ہے مَثَل کے معنی طریقہ کے ہیں جیسے اور جگہ ہے وَمَضٰی مَثَلُ الْاَوَّلِیْنَ۔ اگلے مومنوں نے مع نبیوں کے ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کی اور سختی اور تنگی سے نجات چاہی جنہیں جواب ملا کہ امداد خدا بہت ہی نزدیک ہے جیسے اور جگہ ہے فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا یقیناً سختی کے ساتھ

آسانی ہے، برائی کے ساتھ بھلائی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ بندے جب ناامید ہونے لگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ تعجب کرتا ہے کہ میری فریادرسی تو پہنچنے کو ہے اور یہ ناامید ہوتا چلا جا رہا ہے پس اللہ تعالیٰ ان کی عجلت اور اپنی رحمت کے قرب پر ہنس دیتا ہے الخ۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَ

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کیا کریں آپ فرما دیجیے کہ جو کچھ مال تم کو صرف کرنا ہو سو ماں باپ کا حق ہے اور قرابت داروں کا اور

الْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ⑤

بے ماں باپ کے بچوں کا اور محتاجوں کا اور مسافر کا اور جو نسا نیک کام کرو گے سو اللہ تعالیٰ کو اس کی خوب خبر ہے (وہ اس پر ثواب دیں گے)۔

مصارف خیر کی تفصیل

مقاتل رح فرماتے ہیں یہ آیت نفلی خیرات کے بارے میں ہے۔ سدی رح کہتے ہیں اسے آیت زکوٰۃ نے منسوخ کر دیا لیکن یہ قول ذرا غور طلب ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے نبی ؐ لوگ تم سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کس طرح خرچ کریں تم انہیں کہہ دو کہ ان لوگوں سے سلوک کریں جن کا بیان ہوا۔ حدیث میں ہے اپنی ماں سے سلوک کر اور اپنے باپ سے اور اپنی بہن سے اور اپنے بھائی سے پھر اور درجہ بدرجہ عزیز و اقارب سے۔ یہ حدیث بیان فرما کر حضرت میمون بن مہران نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا یہ ہیں جن کے ساتھ مالی سلوک کیا جائے اور ان پر مال خرچ کیا جائے نہ کہ طبلوں، باجوں، تصویروں اور دیواروں پر کپڑا چسپاں کرنے میں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے تم جو بھی نیک کام کرو اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے اور وہ اس پر بہترین بدلہ عطا فرمائے گا وہ ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ

جہاد کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے اور وہ تم کو (طبعاً) گراں (معلوم ہوتا) ہے اور یہ بات ممکن ہے کہ تم کسی امر کو گراں سمجھو اور وہ تمہارے حق میں خیر ہو

وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ⑥

٢٦ ع ١٠

اور یہ (بھی) ممکن ہے کہ تم کسی امر کو مرغوب سمجھو اور وہ تمہارے حق میں (باعث) خرابی ہو اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم (پورا پورا) نہیں جانتے۔

اعلاء کلمۃ الحق کے لئے جد و جہد کا فرمان

دشمنان اسلام سے دین اسلام کے بچاؤ کے لئے جہاد کی فرضیت کا اس آیت میں حکم ہو رہا ہے۔ زہری رح فرماتے ہیں۔ جہاد ہر [illegible] ہے خواہ لڑائی میں نکلے خواہ بیٹھا رہے بیٹھے رہنے والوں پر یہ فریضہ ہے کہ جب ان سے مدد طلب کی جائے وہ امداد کریں جب [illegible] فریاد رسی کریں جب انہیں میدان میں بلایا جائے یہ نکل کھڑے ہوں۔ صحیح حدیث شریف میں ہے جو شخص مر جائے اور اس نے [illegible] دل میں جہاد کی بات چیت کی ہو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ اور حدیث میں ہے۔ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں رہی ہاں جہاد اور نیت [illegible] جہاد کے لئے نکلنے کو کہا جائے تو نکل کھڑے ہو جایا کرو۔ یہ حکم آپ نے مکہ کی فتح کے دن فرمایا تھا۔ پھر فرماتا ہے حکم جہاد گو [illegible] بھاری پڑے گا اور [illegible] مشقت اور تکلیف نظر آئے گی۔ کیونکہ ممکن ہے قتل کئے جاؤ، ممکن ہے زخمی ہو جاؤ پھر سفر کی تکلیف دشمنوں کی یورش [illegible] اچھا۔ کیونکہ اسی سے تمہارا غلبہ ہے اور دشمن کی پامالی ہے۔ ان کے مال ان کے [illegible] بھی ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو اپنے لئے اچھا جانو اور وہ ہی تمہارے لئے بری ہو عموماً ایسا ہوتا ہے [illegible] نہ اس میں مصلحت ہوتی ہے نہ خیر و برکت۔ اسی طرح گو تم جہاد نہ کرنے میں [illegible] زبردست برائی ہے کیونکہ اس سے دشمن تم پر غالب آجائے گا اور دنیا میں تم کو کہیں جگہ نہ ملے گی [illegible] پروردگار عالم کو ہی ہے وہ جانتا ہے کہ کونسا کام تمہارے لئے انجام کے لحاظ سے اچھا ہے اور کونسا برا ہے۔ وہ اسی کام کا حکم دیتا ہے جس میں تمہارے لئے دونوں جہان کی بہتری ہو تم اس کے احکام کو دل و جان سے قبول کر لیا کرو اور اس کے ہر ہر حکم کو کشادہ پیشانی سے مان لیا کرو۔ اسی میں تمہارے لئے بھلائی اور خوبی ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ

لوگ آپ سے شہرِ حرام میں قتال کرنے کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اس میں خاص طور پر قتال کرنا (یعنی عمداً) جرم عظیم ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے

اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ق وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ج وَالْفِتْنَةُ

روک ٹوک کرنا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام (یعنی کعبہ) کے ساتھ اور جو لوگ مسجد حرام کے اہل تھے ان کو اس سے خارج کر دینا جرم اعظم ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور فتنہ پردازی کرنا

اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ط وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ط

(اس) قتل (خاص) سے بدرجہا بڑھ کر ہے اور یہ کفار تمہارے ساتھ ہمیشہ جنگ رکھیں گے اس غرض سے کہ اگر (خدا نہ کرے) قابو پا دیں تو تم کو تمہارے دین (اسلام) سے پھیر دیں۔

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ

اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جاوے پھر کافر ہی ہونے کی حالت میں مر جاوے تو ایسے لوگوں کے (نیک) اعمال

اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ج وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ①

دنیا اور آخرت میں سب غارت ہو جاتے ہیں اور ایسے لوگ دوزخی ہوتے ہیں (اور) یہ لوگ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لا اُولٰٓئِكَ

حقیقۃً جو لوگ ایمان لائے ہوں اور جن لوگوں نے راہ خدا میں ترک وطن کیا ہو اور جہاد کیا ہو ایسے لوگ تو

يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ②

رحمتِ خداوندی کے امیدوار ہوا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ (اس غلطی کو) معاف کر دیں گے اور (تم پر) رحمت کریں گے۔

امن نامہ کے کچھ مہینے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو بھیجا اور ان کا امیر حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا جب وہ جانے لگے تو حضور صلعم کی جدائی کے صدمہ سے رو دیئے آپ نے انہیں تو روک لیا اور ان کے بدلے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سردارِ لشکر مقرر کیا اور انہیں ایک خط لکھ کر دیا اور فرمایا کہ جب تک بطن نخلہ نہ پہنچ جاؤ اس خط کو نہ پڑھنا اور وہاں پہنچ کر جب اس مضمون کو دیکھو تو اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہ کرنا چنانچہ حضرت عبداللہ رضہ اس مختصر سی جماعت کو لیکر چلے جب اس موقع پر پہنچے تو فرمانِ نبی پڑھا اور اِنَّا لِلّٰہِ الخ پڑھ کر کہا کہ میں نے حضور صلعم کے فرمان کو پڑھا اور میں فرمانبرداری کے لئے تیار ہوں پھر اپنے ساتھیوں کو پڑھ کر سنایا اور واقعہ بیان کیا دو شخص تو واپس لوٹ گئے لیکن اور سب ساتھ چلنے کے لئے آمادہ ہو گئے آگے چل کر ابن الحضرمی کافر کو انہوں نے پایا چونکہ یہ علم نہ تھا کہ جمادی الاخریٰ کا یہ آخری دن ہے یا رجب کا پہلا دن ہے انہوں نے اس لشکر پر حملہ کر دیا ابن الحضرمی مارا گیا اور صحابہ رضہ کی یہ جماعت وہاں سے واپس لوٹی۔ اب مشرکین نے مسلمانوں پر اعتراض شروع کیا کہ دیکھو انہوں نے حرمت والے مہینوں میں لڑائی کی اور قتل بھی کیا اس بارے میں یہ آیت اتری (ابن ابی حاتم) ایک اور روایت میں ہے کہ اس جماعت میں حضرت عمار بن یاسر، حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عتبہ بن غزوان سلمی اور حضرت سہیل بن بیضاء اور حضرت عامر بن فہیرہ اور حضرت واقد بن عبداللہ یربوعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے بطن نخلہ پہنچ کر حضرت عبداللہ بن جحش رضہ نے صاف فرما دیا تھا کہ جو شخص شہادت کا آرزومند ہو وہی آگے بڑھے یہاں سے واپس جانے والے حضرت سعد بن ابی وقاص اور عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔ ان کے ساتھ نہ جانے کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ ان کا اونٹ گم ہو گیا تھا جس کے تلاش کرنے میں رہ گئے۔ مشرکین میں حکم بن کیسان، عثمان بن عبداللہ وغیرہ تھے۔ حضرت واقد کے ہاتھوں عمرو قتل ہوا اور یہ جماعت مالِ غنیمت لیکر واپس لوٹی یہ پہلی ہی غنیمت تھی جو مسلمانان صحابہ رضہ کو ملی اور یہ جانباز جماعت دو قیدیوں اور مالِ غنیمت لیکر واپس آئی مشرکین مکہ نے قیدیوں کا

فدیہ ادا کرنا؟ (یہاں اصل عربی میں کچھ عبارت چھوٹ گئی ہے) اور انھوں نے اعتراضاً کہا کہ دیکھو حضرت محمدؐ کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ خدا کے اطاعت گذار ہیں لیکن حرمت والے مہینوں کی کوئی حرمت نہیں کرتے اور وہ ماہِ رجب میں جدال و قتال کرتے ہیں مسلمان کہتے تھے کہ ہم نے رجب میں قتل نہیں کیا بلکہ جمادی الاخریٰ میں لڑائی ہوئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ رجب کی پہلی رات اور جمادی الاخریٰ کی آخری شب تھی رجب شروع ہوتے ہی مسلمانوں کی تلواریں میان میں ہوگئی تھیں۔ مشرکین کے اس اعتراض کا جواب اس آیت میں دیا جا رہا ہے کہ یہ سچ ہے کہ ان مہینوں میں جنگ حرام ہے لیکن اے مشرکو! تمھاری بداعمالیاں تو بُرائی میں اس سے بھی سوا ہیں تم خدا کا انکار کرتے ہو تم میرے نبی اور ان کے ساتھیوں کو میری مسجد سے روکتے ہو تم نے انھیں وہاں سے نکال دیا پس اپنی ان سیاہ کاریوں پر نظر ڈالو کہ یہ کس قدر بدترین کام ہیں۔ انہی حرمت والے مہینوں میں ہی مشرکین نے مسلمانوں کو بیت اللہ شریف سے روکا تھا اور آپ مجبوراً واپس ہوئے تھے اگلے سال اللہ تعالیٰ نے حرمت والے مہینوں میں ہی مکہ کو اپنے نبی کے ہاتھ پر فتح کرایا اور مسلمانوں کا پورا تسلط وہاں ہوگیا اب اعتراض کرنے لگے جس پر انھیں ان آیتوں میں معقول جواب دیا گیا عمرو ابن الحضرمی جو قتل کیا گیا یہ طائف سے مکہ کو آرہا تھا گو رجب کا چاند نکل چکا تھا لیکن صحابہ کو معلوم نہ تھا وہ اس رات کو جمادی الاخریٰ کی آخری رات جانتے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن جحش رضؓ کے ساتھ آٹھ آدمی تھے سات تو وہی جن کے نام اوپر بیان ہوئے آٹھویں حضرت رباب اسدی رضؓ تھے انھیں بدر اولیٰ سے واپسی کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا یہ سب مہاجر صحابہ تھے ان میں ایک بھی انصاری نہ تھا دو دن چل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نامۂ مبارک کو پڑھا تھا جس میں تحریر تھا کہ میرے اس حکم نامہ کو پڑھ کر مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ میں جاؤ وہاں ٹھیرو اور قریش کے قافلہ کا انتظار کرو اور ان کی خبریں معلوم کرکے مجھے پہنچاؤ جب یہ بزرگ یہاں سے چلے تو سارے کے سارے ہی چلے تھے دو صحابی جو اونٹ کو ڈھونڈنے کے لئے رہ گئے تھے وہ بھی یہاں سے ساتھ ہی تھے لیکن فرع کے اوپر معدن میں پہنچ کر نجران میں انھیں اونٹوں کی طلبی میں رُک جانا پڑا۔ قریشیوں کے اس قافلہ میں زیتون وغیرہ تجارتی مال تھا مشرکین میں علاوہ اُن لوگوں کے جن کے نام اوپر بیان ہوئے ہیں نوفل بن عبداللہ وغیرہ بھی تھے مسلمان اول تو انھیں دیکھ کر گھبرائے لیکن پھر مشورہ کرکے مسلمانوں نے یہ سوچ کر کہ اگر انھیں چھوڑ دیا تو اس رات کے بعد حرمت کا مہینہ آجائے گا تو پھر کچھ بھی نہ کرسکیں گے انھوں نے شجاعت و مردانگی کے ساتھ حملہ کیا حضرت واقد بن عبداللہ تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرو بن حضرمی کو ایسا تاک کر تیر لگایا کہ اُس کا تو فیصلہ ہی ہوگیا۔ عثمان اور حکم کو قید کرلیا اور مال وغیرہ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے راستہ میں ہی سردار لشکر نے کہہ دیا تھا کہ اس مال میں سے پانچواں حصہ تو اللہ کے رسولؐ کا ہے چنانچہ یہ حصہ تو الگ کرکے رکھ دیا گیا اور باقی مال صحابہ میں تقسیم کردیا اور ابتک یہ حکم نازل نہیں ہوا تھا کہ مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ نکالنا چاہیے۔ جب یہ لشکر سرکارِ نبوی میں پہنچا تو آپؐ نے واقعہ سُن کر ناراضگی ظاہر فرمائی اور فرمایا کہ میں نے تمھیں حرمت والے مہینوں میں لڑائی کرنے کو کب کہا تھا نہ تو قافلہ کا کچھ مال آپ نے لیا نہ قیدیوں کو قبضہ میں کیا۔ حضورؐ کے اس قول و فعل سے یہ مسلمان سخت نادم ہوئے اور اپنے جرم کا انھیں یقین ہوگیا پھر اور مسلمانوں نے بھی انھیں کچھ کہنا سننا شروع کیا ادھر قریشیوں نے طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے صحابہ رضؓ حرمت والے مہینوں میں بھی جدال و قتال سے باز نہیں رہتے۔ دوسری جانب یہودیوں نے ایک بدفالی نکالی چونکہ عمرو قتل کیا گیا تھا تو انھوں نے کہا عَمُرَتِ الْحَرْبُ لڑائی پُر رونق اور خوب زور و شور سے لمبی مدت تک ہوگی۔ اس کے باپ کا نام حضرمی تھا اس سے انھوں نے فال لی کہ حَضَرَتِ الْحَرْبُ وقت لڑائی آپہنچا۔ قاتل کا نام واقد رضؓ تھا جس سے انھوں نے کہا وَقَدَتِ الْحَرْبُ لڑائی کی آگ بھڑک اُٹھی۔ لیکن قدرت نے اسے برعکس کردیا اور نتیجہ تمام تر مشرکین کے خلاف رہا اور ان کے اس اعتراض کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر بالفرض جنگ حرمت والے مہینہ میں ہوئی بھی تو اس سے بدترین تمھاری سیہ کاریاں موجود ہیں تمھارا یہ فتنہ کہ تم دین اللہ سے مسلمانوں کو مرتد کرنے کی اپنی تمام تر امکانی کوششیں کر رہے ہو یہ اس قتل سے بھی بڑھ کر ہے اور تم نہ تو اپنے ان کاموں سے رُکتے ہو نہ توبہ کرتے ہو نہ اس پر نادم ہوتے ہو۔ ان آیات کے نازل ہونے کے بعد مسلمان اس رنج و افسوس سے چھوٹے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلہ کو اور قیدیوں کو اپنے قبضہ میں لیا۔ قریشیوں نے پھر آپ کے پاس قاصد بھیجا کہ ان دونوں قیدیوں کا فدیہ لے لیجئے مگر آپ نے فرمایا کہ میرے دونوں صحابی سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان (رضی تعالیٰ عنہم) جب آجائیں تب آؤ۔ مجھے ڈر ہے کہ تم انھیں ایذا نہ پہنچاؤ۔ چنانچہ جب وہ آگئے تو آپ نے فدیہ لے لیا اور دونوں قیدیوں کو

رہا کر دیا۔ حکم بن کیسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو مسلمان ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہی رہ گئے۔ آخر بیر معونہ کی لڑائی میں شہید ہوئے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہاں عثمان بن عبد اللہ مکہ واپس گیا اور وہیں کفر میں ہی مرا۔ ان غازیوں کو اس آیت کو سن کر بڑی خوشی حاصل ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کی وجہ سے حرمت والے مہینوں کی بے ادبی کے سبب سے دوسرے صحابہ رضی کی چشمک کی بنا پر کفار کے طعنہ کے باعث جو رنج و غم ان کے دلوں پر تھا سب دور ہو گیا لیکن اب یہ فکر پڑی کہ ہمیں اُخروی اجر بھی ملے گا یا نہیں ہم غازیوں میں بھی شمار کئے جائیں گے یا نہیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوالات کئے گئے تو اس کے جواب میں یہ آیت اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ نازل ہوئی اور ان کی بڑی بڑی امیدیں بندھ گئیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اسلام اور کفر کے مقابلہ میں سب سے پہلے یہی ابن الحضرمی مارا گیا۔ کفار کا وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ کیا حرمت والے مہینوں میں قتل کرنا جائز ہے اس پر آیت یَسْئَلُوْنَکَ الخ نازل ہوئی۔ یہی مال غنیمت تھا جو سب سے پہلے مسلمانوں کے ہاتھ لگا اور سب سے پہلے پانچواں حضرت عبد اللہ بن جحش رضی نے ہی نکالا جو اسلام میں باقی رہا اور حکم خدا بھی اسی طرح نازل ہوا اور یہی دو قیدی تھے جو سب سے پہلے مسلمانوں کے ہاتھوں اسیر ہوئے۔ اس واقعہ کو ایک نظم میں بھی ادا کیا گیا ہے بعض تو کہتے ہیں کہ یہ اشعار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اشعار خود عبد اللہ بن جحش رضی کے ہیں جو اس مختصر سے لشکر کے سردار تھے خدا اُن سے خوش ہو۔

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَکْبَرُ

لوگ آپ سے شراب اور قمار کی نسبت دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں (کے استعمال) میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں بھی ہیں اور لوگوں کو بعضے فائدے بھی ہیں اور (وہ) گناہ کی باتیں ان

مِنْ نَّفْعِهِمَا وَیَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ

زیادہ بڑھی ہوئی ہیں اور لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ (خیرات میں) کتنا خرچ کیا کریں آپ فرما دیجئے کہ جتنا آسان ہو اللہ تعالیٰ اسی طرح احکام کو صاف صاف بیان فرماتے ہیں

لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَ ③ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْیَتٰمٰی قُلْ اِصْلَاحٌ

تاکہ تم دنیا و آخرت کے معاملات میں سوچ لیا کرو اور لوگ آپ سے یتیم بچوں کا حکم پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ انکی مصلحت کی

لَّهُمْ خَیْرٌ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُکُمْ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ

رعایت رکھنا زیادہ بہتر ہے اور اگر تم اُن کے ساتھ خرچ شامل رکھو تو وہ تمہارے (دینی) بھائی ہیں اور اللہ تعالیٰ مصلحت کے ضائع کرنے والے کو اور مصلحت کی رعایت رکھنے والے کو الگ الگ

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَکُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ④

اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تم کو مصیبت میں ڈال دیتے کیونکہ اللہ تعالیٰ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔

شراب کی حرمت اور بتدریج اس کی حرمت کی جانب شریعت کے قدم

جب شراب کی حرمت کی آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی نے کہا خدایا تو اس کا واضح بیان فرما اس پر سورۂ بقرہ کی یہ آیت یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ الخ نازل ہوئی۔ حضرت عمر رضی کو بلوایا گیا اور انہیں یہ آیت پڑھ کر سنائی گئی لیکن حضرت عمر رضی نے پھر بھی یہی دعا کی کہ خدایا اسے ہمارے لئے اور زیادہ صفائی سے بیان فرما۔ اس پر سورۂ نساء کی آیت یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی الخ نازل ہوئی اور ہر نماز کے وقت پکارا جاتا کہ نشے والے لوگ نماز کے قریب بھی نہ آئیں۔ حضرت عمر رضی کو بلوایا گیا اور اُن کے سامنے اس آیت کی بھی تلاوت کی گئی آپ نے پھر بھی یہی دعا کی کہ خدایا ہمارے لئے اس کا بیان اور واضح کر اس پر سورۂ مائدہ کی آیت اِنَّمَا الْخَمْرُ الخ اتری جب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر یہ آیت بھی سنائی گئی اور جب ان کے کان میں آیت کے آخری الفاظ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ پڑے تو آپ بول اٹھے اِنْتَهَیْنَا اِنْتَهَیْنَا ہم رک گئے ہم باز آئے۔ ملاحظہ ہو مسند احمد ابو داؤد ترمذی اور نسائی وغیرہ ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ میں بھی یہ روایت ہے لیکن اس کا راوی ابو میسرہ ہے جن کا نام عمرو بن شرحبیل ہمدانی کوفی ہے۔ ابو زرعہ رح فرماتے ہیں کہ ان کا سماع

حضرت عمر رضؓ سے ثابت نہیں واللہ اعلم۔ امام علی بن مدینی رح فرماتے ہیں اس کی اسناد صالح اور صحیح ہے امام ترمذی رح بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں حضرت عمر رضہ کے اِنْتَهَيْنَا اِنْتَهَيْنَا کے قول کے بعد یہ بھی ہے کہ شراب مال کو برباد کرنے والی اور عقل کو خبط کرنے والی چیز ہے۔ یہ روایت اور اسی کے ساتھ کی مسند حضرت ابوہریرہ رضہ والی اور روایتیں سورۂ مائدہ کی آیت اِنَّمَا الْخَمْرُ الخ کی تفسیر میں مفصل بیان ہوں گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

خمر کے لغوی معنیٰ

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں خمر ہر وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانپ لے اس کا پورا بیان بھی سورۂ مائدہ میں ہی آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ مَیْسِر کہتے ہیں جوئے بازی کو۔ گناہ ان کا وبال اُخروی ہے اور فائدہ صرف دنیوی ہے کہ بدن کو کچھ نفع پہنچے یا غذا ہضم ہو یا فضلے برآمد ہوں یا بعض ذہن تیز ہو جائیں یا ایک طرح کا سرور حاصل ہو جیسے کہ حسان بن ثابت کا جاہلیت کے زمانہ کا شعر ہے کہ شراب پی کر ہم بادشاہ اور دلیر بن جاتے ہیں اور اسی طرح اس کی خرید و فروخت اور کشید میں بھی تجارتی نفع ممکن ہے ہو جائے۔ اسی طرح جوئے بازی میں ممکن ہے جیت ہو جائے لیکن اُن فوائد کے مقابلہ میں نقصانات اُن کے بکثرت ہیں کیونکہ اس سے عقل کا جاتا رہنا، ہوش و حواس کا بے کار ہونا ضروری ہے ساتھ ہی دین کا برباد ہونا بھی ہے۔ یہ آیت گویا شراب کی حُرمت کا پیش خیمہ تھی چونکہ اسمیں صاف صاف حرمت بیان نہ ہوئی تھی اس لئے حضرت عمر رضہ کی خواہش تھی کہ کھلے لفظوں میں شراب کی حُرمت نازل ہو۔ چنانچہ آخرش سورۂ مائدہ کی آیت میں صاف فرما دیا گیا کہ شراب اور جُوّا اور پانسے اور تیر سے فال لینا سب حرام اور شیطانی کام ہیں۔ اے مسلمانو! اگر نجات کے طالب ہو تو ان سب سے باز آجاؤ۔ شیطان کی تمنا ہے کہ شراب اور جوئے کے باعث تم میں عداوت و بغض ڈال دے اور تمہیں ذکر اللہ اور نماز سے روک دے۔ اب تم ان شیطانی کاموں سے رُک جانے والے بنجاؤ گے؟ اس کا پورا بیان انشاء اللہ تعالیٰ سورۂ مائدہ میں آئے گا۔ مفسرین تابعی فرماتے ہیں کہ شراب کے بارے میں پہلے یہی آیت نازل ہوئی۔ پھر سورۂ نساء کی آیت نازل ہوئی۔ پھر سورۂ مائدہ کی آیت اُتری اور شراب مکمل طور پر حرام ہو گئی۔ قُلِ الْعَفْوَ کی ایک قرأت قُلِ الْعَفْوُ بھی ہے اور دونوں قرأتیں ٹھیک ہیں معنی قریب قریب اور ایک ہو سکتے ہیں۔ حضرت معاذ بن جبل رضہ اور حضرت ثعلبہ رضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ حضور ہمارے غلام بھی ہیں، بال بچے بھی ہیں اور ہم مالدار بھی ہیں کیا کچھ خرچ کریں؟ جس کے جواب میں قُلِ الْعَفْوَ کہا گیا۔ یعنی جو اپنے بال بچوں کے خرچ کے بعد بچے۔ بہت سے صحابہ اور تابعین سے اس کی یہی تفسیر نقل ہے۔ حضرت طاؤس رضہ کہتے ہیں ہر چیز میں سے تھوڑا تھوڑا راہِ للہ بھی دیتے رہا کرو۔ ربیع رضہ کہتے ہیں افضل و بہتر مال خدا کی راہ میں دو

خیر و خیرات میں اپنا خیال بھی ضروری ہے

سب اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ حاجت سے زائد چیز خدا کی راہ میں خرچ کرو۔ حضرت حسن رح فرماتے ہیں کہ ایسا نہ کرو کہ سب دے ڈالو اور پھر خود سوال کے لئے بیٹھ جاؤ۔ چنانچہ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا حضور میرے پاس ایک دینار ہے۔ آپ نے فرمایا اپنے کام میں لاؤ۔ کہا میرے پاس ایک اور ہے فرمایا اپنی بیوی پر خرچ کرو۔ کہا حضرت ایک اور ہے فرمایا اپنے بچوں کی ضروریات میں لگاؤ۔ کہا ایک اور بھی ہے فرمایا اب تو آپ خوب دیکھ بھال سکتا ہے۔ مسلم شریف کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا۔ اپنے نفس سے شروع کر پہلے اسی پر صدقہ کر۔ پھر بچے تو اپنے بال بچوں پر، پھر بچے تو اپنے رشتہ داروں پر، پھر بھی بچے تو اور دوسرے حاجت مندوں پر۔ اسی کتاب میں ایک اور حدیث ہے کہ سب سے افضل خیرات وہ ہے جو انسان اپنے خرچ کے مطابق باقی رکھ کر بچی ہوئی چیز کو راہِ للہ دے۔ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے افضل ہے پہلے انھیں دے جن کا خرچ تیرے ذمہ ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے۔ اے ابنِ آدم جو تیرے پاس اپنی ضرورت سے زائد ہو اُسے اللہ کی راہ میں دے ڈالنا ہی تیرے لئے بہتر ہے اس کا روک رکھنا تیرے لئے بُرا ہے۔ ہاں اپنی ضرورت کے مطابق خرچ کرنے میں تجھ پر کوئی ملامت نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ حکم زکوٰۃ کے حکم سے منسوخ ہو گیا۔ حضرت مجاہد رح فرماتے ہیں زکوٰۃ کی آیت گویا اس آیت کی تفسیر اور اس کا واضح بیان ہے۔ ٹھیک قول یہی ہے۔ پھر ارشاد ہے کہ جس طرح یہ احکام واضح کر کے کھول کھول کر کے ہم نے بیان فرمائے۔ اسی طرح ہم باقی احکام بھی وضاحت اور تشریح کے ساتھ بیان فرمائیں گے۔ وعدے وعید بھی صاف طور پر کھول دیئے جائیں گے۔ تاکہ تم دنیائے فانی کی طرف سے بے رغبت ہو کر آخرت کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔

غور و فکر کی ضرورت

حضرت حسنؒ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا۔ واللہ جو غور و تدبّر کرے گا جان لے گا کہ دنیا بلا کا گھر ہے اور اس کا انجام فنا ہے۔ اور آخرت جزا کا گھر ہے اور بقا کا۔ حضرت قتادہ رح فرماتے ہیں فکر کرنے سے صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ دنیا پر آخرت کی کس قدر فضیلت ہے۔ پس عقلمند کو چاہیئے کہ آخرت کی بھلائی کے جمع کرنے کی کوشش میں لگ جائے۔

یتیم سے متعلق چند احکام

پھر یتیم کے بارے میں احکام نازل ہوئے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں پہلے یہ حکم ہوا تھا کہ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔ یعنی یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر اس طریقہ سے جو بہترین طریقہ ہو۔ اور فرمایا گیا تھا اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝ یعنی جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور وہ بھڑکتی ہوئی جہنم میں عنقریب داخل ہوں گے۔ تو ان آیتوں کو سن کر ان لوگوں نے جو یتیموں کے والی تھے یتیموں کا کھانا اُن کا پانی اپنے گھر کے کھانے اور گھر کے پانی سے بالکل جدا کر دیا۔ اب اگر اس کا پکا ہوا کھانا بچ رہا تو اُسے یا تو وہی دوسرے وقت کھائے یا خراب ہو جائے تو یوں ایک طرف تو ان یتیموں کا نقصان ہونے لگا۔ دوسری جانب والیانِ یتیم بھی تنگ آ گئے کہ کب تک ایک ہی گھر میں اس طرح رکھ رکھاؤ کیا کریں۔ تو ان لوگوں نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی جس پر یہ آیت قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ الخ نازل ہوئی اور نیک نیتی اور دیانتداری کے ساتھ ان کے مال کو اپنے مال میں ملا لینے کی رخصت دی گئی۔ ابو داؤد و نسائی وغیرہ میں یہ روایتیں موجود ہیں اور سلف و خلف کی ایک بہت بڑی جماعت نے اس کا شانِ نزول یہی بیان فرمایا ہے۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ یتیم کے ذرا ذرا سے مال کی اس طرح دیکھ بھال سخت مشکل ہے کہ اس کا کھانا الگ ہو اس کا پینا الگ ہو۔ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ سے تو یہی علیحدگی مراد ہے لیکن پھر وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فرما کر کھانا پینا ملا جلا رکھنے کی اجازت دی گئی اس لئے کہ وہ بھی دینی بھائی ہیں۔ ہاں نیت نیک ہونی چاہیے۔ قصد اور ارادہ اگر یتیم کی نقصان رسانی کا ہے تو وہ بھی خدائے تبارک و تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں اور اگر مقصود یتیم کی بھلائی اور اس کے مال کی نگہبانی ہے تو اُسے بھی وہ علام الغیوب خوب ہی جانتا ہے۔ پھر فرمایا کہ خدا تمہیں تکلیف و مشقت میں مبتلا رکھنا نہیں چاہتا۔ جو تنگی اور حرج تم پر یتیم کا کھانا پینا بالکل جدا رکھنے میں تھا وہ اللہ تعالیٰ نے دور فرما دیا اور تم پر تخفیف کر دی اور ایک ہنڈیا رکھنا اور ملا جلا کام کرنا تمہارے لئے مباح قرار دے دیا۔ بلکہ والی یتیم اگر فقیر مسکین محتاج ہو تو مطابق دستور اپنے خرچ میں لا سکتا ہے۔ اور اگر کسی مالدار نے بوقت ضرورت اُس کی چیز کام میں لے لی تو پھر ادا کر دے۔ یہ مسائل انشاء اللہ وضاحت کے ساتھ سورۂ نساء کی تفسیر میں بیان ہوں گے۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ

اور نکاح مت کرو کافر عورتوں کے ساتھ جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جاویں اور مسلمان عورت (چاہے) لونڈی (کیوں نہ ہو وہ ہزار درجہ) بہتر ہے کافر عورت سے

وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ

گو وہ تم کو اچھی ہی معلوم ہو اور عورتوں کو کافر مردوں کے نکاح میں مت دو جب تک وہ مسلمان نہ ہو جاویں اور مسلمان مرد غلام بہتر ہے

مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى

کافر مرد سے گو وہ تم کو اچھا ہی معلوم ہو (کیونکہ) یہ لوگ دوزخ (میں جانے) کی تحریک دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جنت

الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (۵) ۲۷ ع ۱۱

اور مغفرت کی تحریک دیتے ہیں اپنے حکم سے اور اللہ تعالیٰ اس واسطے آدمیوں کو اپنے احکام بتلا دیتے ہیں تاکہ وہ لوگ نصیحت پر عمل کریں

ازدواجی رشتے شوہر اور بیوی کی نفسیات پر گہرے اثر ڈالتے ہیں اس لئے نکاح سوچ سمجھ کر کرنا چاہیئے

بُت پرست مشرکہ عورتوں سے نکاح کی حرمت بیان ہو رہی ہے

گو آیت کا عموم تو ہر ایک مشرکہ عورت سے نکاح کرنے کی ممانعت پر ہی دلالت کرتا ہے لیکن دوسری جگہ فرمان ہے وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ الخ یعنی تم سے پہلے جو کتاب اللہ دیئے گئے ہیں اُن کی پاکدامن عورتوں سے ؎ جو زنا کاری سے بچنے والی ہوں اُن کے مہر ادا کر کے اُن سے نکاح کرنا تمہارے لئے جائز ہے۔ حضرت ابن عباس رضہ کا قول بھی یہی ہے کہ ان مشرکہ عورتوں میں سے اہل کتاب عورتیں مخصوص ہیں۔ مجاہدؒ، عکرمہ، سعید بن جبیر، مکحول، حسن، ضحاک، قتادہ، زید بن اسلم اور ربیع بن انس رحمہم اللہ کا بھی یہی فرمان ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ آیت صرف بُت پرست مشرکہ عورتوں ہی کے لئے نازل ہوئی ہے۔ مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔ واللہ اعلم۔ ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی قسم کی عورتوں سے نکاح کرنے کو ناجائز کیا۔ سوا ایماندار ہجرت کر کے آنے والی عورتوں کے اور سب اُن عورتوں سے جو کسی دوسرے مذہب کی پابند ہوں نکاح کرنا حرام قرار دیدیا گیا۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ یعنی کافروں کے اعمال برباد ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے یہودیہ عورت سے نکاح کیا تھا اور حضرت حذیفہ بن یمان رضہ نے ایک نصرانیہ عورت سے نکاح کر لیا تھا جس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سخت ناراض ہوئے یہاں تک کہ قریب تھا کہ اُنھیں کوڑے لگائیں۔ ان دونوں بزرگوں نے کہا اے امیر المؤمنین آپ ناراض نہ ہوجئے ہم اُنھیں طلاق دیدیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر طلاق دینی جائز ہے تو پھر نکاح بھی جائز ہونا چاہئے۔ میں اُنھیں تم سے چھین لوں گا اور ذلت کے ساتھ اُنھیں الگ کر دوں گا۔ لیکن یہ حدیث نہایت غریب ہے اور حضرت عمر رضہ سے بالکل ہی غریب ہے۔ امام ابن جریرؒ نے اہل کتاب عورتوں سے نکاح جائز ہونے پر اجماع نقل کیا ہے اور حضرت عمر رضہ کے اس اثر کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ یہ صرف سیاسی مصلحت کی بنا پر تھا تاکہ مسلمان عورتوں سے لوگ بے رغبتی نہ کریں یا اور کوئی حکمت عملی اس فرمان میں تھی۔ چنانچہ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت حذیفہ رضہ کو یہ فرمان ملا تو اُنھوں نے جواب میں لکھا کہ کیا آپ اُسے حرام کہتے ہیں۔ خلیفۃ المسلمینؓ نے جواب دیا کہ حرام تو نہیں کہتا مگر مجھے خوف ہے تم مومن عورتوں سے کیوں نہ نکاح کرو۔ اس روایت کی اسناد بھی صحیح ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مسلمان مرد نصرانی عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔ لیکن نصرانی مرد کا نکاح مسلمان عورت سے نہیں ہو سکتا۔ اس روایت کی سند پہلی روایت سے زیادہ صحیح ہے۔ ابن جریر میں تو ایک مرفوع حدیث بھی باسناد مروی ہے کہ ہم اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کر لیں لیکن اہل کتاب مرد مسلمان عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتے لیکن اس کی سند میں کچھ کمزوری ہے مگر اُمت کا اجماع اسی پر ہے۔ ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ حضرت فاروق رضہ نے اہل کتاب کے نکاح کو ناپسند کیا اور اس آیت کی تلاوت فرمادی۔ امام بخاریؒ حضرت عمر رضہ کا یہ قول بھی نقل فرماتے ہیں کہ میں کسی شرک کو اس شرک سے بڑھکر نہیں پاتا کہ وہ عورت کہتی ہے کہ عیسیٰؑ اس کے خدا ہیں۔ حضرت امام احمدؒ سے اس آیت کا مطلب پوچھا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں مراد اس سے عرب کی وہ مشرکہ عورتیں ہیں جو بُت پرست تھیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ایماندار لونڈی شرک کرنے والی آزاد عورت سے اچھی ہے۔ یہ فرمان حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوتا ہے۔ ان کی ایک سیاہ رنگ لونڈی تھی ایک مرتبہ غصہ میں آکر اُسے تھپڑ مار دیا تھا پھر گھبرائے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور واقعہ عرض کیا۔ آپ نے پوچھا اس کا کیا خیال ہے کہا حضور وہ روزے رکھتی ہے، نماز پڑھتی ہے، اچھی طرح وضو کرتی ہے، خدا کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کی گواہی دیتی ہے۔ آپ نے فرمایا اے ابو عبد اللہ پھر تو وہ ایماندار ہے۔ کہنے لگے یا رسول اللہ قسم اُس خدا کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اُسے آزاد کر دوں گا اور اتنا ہی نہیں بلکہ پھر اُس سے نکاح بھی کر لوں گا چنانچہ یہی کیا۔ جس پر بعض مسلمانوں نے اُنھیں طعنہ دیا۔ وہ چاہتے تھے کہ مشرکوں میں ان کا نکاح کرا دیں اور اُنھیں اپنی لڑکیاں بھی دیں تاکہ شرافتِ نسب قائم رہے اس پر یہ فرمان نازل ہوا کہ مشرک آزاد عورت سے تو مسلمان لونڈی ہزار بادرجہ بہتر ہے اور اسی طرح مشرک

؎ طلاق۔ نکاح پر مرتب ہونے والی ایک چیز ہے۔ اگر نکاح ہی نہیں ہوا تو طلاق کا سوال ہی غلط ہے۔ فاروق رضی اللہ عنہ کا مطلب یہی تھا کہ جب نکاح ہی صحیح نہیں ہوا تو طلاق دینے نہ دینے کا سوال کیسے اُٹھایا جا سکے گا ۱۲ انظر شاہ

؎ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ مسلمانوں کو اہل کتاب سے نکاح کی جو اجازت تھی اس میں بھی کچھ خاص شرائط ملحوظ تھیں کیونکہ اب وہ خصوصیات اہل کتاب میں موجود نہیں ہیں اس لئے موجودہ وقت کے اہل کتاب سے نکاح جائز نہ ہوگا۔ اہل کتاب وہ ہیں جو کسی نبی مرسل پر ایمان رکھتے ہوں اور ایمان بھی ان تمام شرائط کے ساتھ جو ایمان میں مطلوب ہیں ۱۲ انظر شاہ ✤

آزاد مرد سے مسلم غلام بھی بڑھ چڑھ کر ہے۔

ازدواجی رشتے اور آپ کی کچھ ہدایات

عبد بن حمید میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں کے محض حُسن پر فریفتہ ہو کر اُن سے نکاح نہ کر لیا کرو ممکن ہے کہ ان کا حُسن انھیں مغرور کر دے۔ عورتوں کے مال کے پیچھے اُن سے نکاح نہ کر لیا کرو ممکن ہے مال انھیں سرکش کر دے۔ نکاح کرو تو دینداری دیکھا کرو، بدصورت سیاہ فام لونڈی بھی اگر دیندار ہو تو بہت افضل ہے۔ لیکن اس حدیث کے راویوں میں افریقی ضعیف ہے۔ بخاری مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار باتیں دیکھ کر عورتوں سے نکاح کیا جاتا ہے ایک تو مال، دوسرے حسب نسب، تیسرے جمال و خوبصورتی، چوتھے دین۔ تم دینداری ٹٹولو۔ مسلم شریف میں ہے دنیا کل کی کل ایک متاع ہے۔ متاع دنیا میں سب سے افضل چیز نیک بخت عورت ہے۔ پھر فرمان ہے کہ مشرک مردوں کے نکاح میں مسلمان عورتیں بھی نہ دو۔ جیسے اور جگہ ہے لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۔ نہ کافر عورتیں مسلمان مردوں کے لئے حلال نہ مسلمان مرد کافر عورتوں کے لئے حلال۔ پھر فرمان ہے کہ مؤمن مرد گو حبشی غلام ہو مگر پھر بھی رئیس اور سردار آزاد کافر سے بہتر ہے۔ ان لوگوں کا میل جول، ان کی صحبت، محبتِ دنیا، حفاظتِ دنیا اور دنیا طلبی اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینی سکھاتی ہے جس کا انجام جہنم ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کی پابندی اُس کے حکموں کی تعمیل جنت کی رہبری کرتی ہے۔ گناہوں کی مغفرت کا باعث بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے وعظ و نصیحت اور پند و عبرت کے لئے اپنی آیتیں واضح طور پر بیان فرما دیں۔

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا

اور لوگ آپ سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ وہ گندی چیز ہے تو حیض میں تم عورتوں سے علیحدہ رہا کرو اور ان سے

تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ

قربت مت کیا کرو جب تک کہ وہ پاک نہ ہو جاویں پھر جب وہ (اچھی طرح) پاک ہو جاویں تو اُن کے پاس جاؤ جس جگہ سے تم کو اللہ نے اجازت دی ہے (یعنی آگے سے) یقیناً اللہ تعالیٰ

يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ① نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ

محبت رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں سے اور محبت رکھتے ہیں صاف پاک رہنے والوں سے تمہاری بیبیاں تمہارے لئے (بمنزلہ) کھیت (کے) ہیں سو اپنے کھیت میں جس طرف سے ہو کر

شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُلَاقُوهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ②

چاہو آؤ اور آئندہ کے واسطے (بھی) اپنے لئے کچھ کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یہ یقین رکھو کہ بیشک تم اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونیوالے ہو۔ اور (اے محمد) ایسے ایمانداروں کو خوشی کی

ایام حیض کے بعض احکام اور شریعت کی قائم کردہ حدود

حضرت انس رضہ فرماتے ہیں کہ یہودی لوگ حائضہ عورتوں کو نہ اپنے ساتھ کھلاتے تھے، نہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ صحابہ رضہ نے اس بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا جس کے جواب میں یہ آیت اُتری اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوائے جماع کے اور سب کچھ حلال ہے۔ یہودی یہ سُن کر کہنے لگے کہ انھیں تو ہماری مخالفت سے ہی غرض ہے۔ حضرت اسید بن حضیر رضہ اور حضرت عباد بن بشر رضہ نے یہودیوں کا یہ کلام نقل کر کے کہا کہ حضور پھر ہمیں جماع کی بھی رخصت دی جائے آپ کا چہرہ یہ سُن کر متغیر ہو گیا۔ یہاں تک کہ اور صحابہ رضہ نے خیال کیا کہ آپ ان پر ناراض ہو گئے۔ جب یہ بزرگ جانے لگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی بزرگ تحفۃً دودھ لے کر آئے۔ آپ نے اُن کے پیچھے آدمی بھیج کر انھیں بلا اور وہ دودھ انھیں پلایا۔ اب معلوم ہوا کہ وہ غصہ جاتا رہا (مسلم) پس اس فرمان کا کہ حیض کی حالت میں عورتوں سے الگ رہو یہ مطلب ہوا کہ جماع نہ کرو اس کے علاوہ اور سب حلال ہے اکثر علماء کا مذہب ہے کہ سوائے جماع کے مباشرت جائز ہے۔ حدیثوں میں ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسی حالت میں ازواج مطہرات سے ملتے جلتے تھے لیکن وہ تہمد باندھے ہوئے ہوتی تھیں (ابوداؤد) حضرت عمارہ کی

پھوپھی صاحبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کرتی ہیں کہ اگر عورت حیض کی حالت میں ہو اور گھر میں میاں بیوی کا ایک ہی بستر ہو تو وہ کیا کرے؟ یعنی ایسی حالت میں اس کے ساتھ اس کا خاوند سو سکتا ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا سنو! ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے آتے ہی اپنی نماز کی جگہ تشریف لے گئے اور نماز میں مشغول ہو گئے۔ دیر زیادہ لگ گئی اور اس عرصہ میں مجھے نیند آگئی۔ آپ کو جاڑا لگنے لگا تو آپ نے مجھ سے فرمایا یہاں آؤ۔ میں نے کہا حضور میں تو حیض سے ہوں آپ نے میرے گھٹنوں کے اوپر سے کپڑا ہٹانے کا حکم دیا اور پھر میری ران پر رخسارہ اور سینہ رکھ کر لیٹ گئے۔ میں بھی آپ پر جھک گئی تو سردی کچھ کم ہوئی اور اس گرمی میں آپ کو نیند آگئی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وازواجہ واصحابہ وسلم۔ حضرت مسروق رح ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور کہا کہ اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ وَعَلٰی اَھْلِہٖ حضرت عائشہ رض نے جواب دے کر مَرْحَبًا مَرْحَبًا کہا اور اندر آنے کی اجازت دی۔ آپ نے کہا میں ایک مسئلہ پوچھتا ہوں لیکن شرم معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا سن میں تیری ماں ہوں تو قائم مقام میرے بیٹے کے ہے جو پوچھنا ہو پوچھ۔ کہا فرمائیے آدمی کو اپنی حائضہ بیوی سے کیا حلال ہے؟ فرمایا سوائے شرم گاہ کے اور سب جائز ہے (ابن جریر) اور سندوں سے بھی مختلف الفاظ کے ساتھ حضرت ام المؤمنین رض کا یہ قول نقل ہے۔ حضرت ابن عباس رض، مجاہد، حسن اور عکرمہ کا فتویٰ بھی یہی ہے مقصد یہ ہے کہ حائضہ عورت کے ساتھ لیٹنا بیٹھنا اس کے ساتھ کھانا پینا وغیرہ امور بالاتفاق جائز ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سر دھویا کرتی۔ آپ میری گود میں ٹیک لگا کر لیٹ کر قرآن شریف کی تلاوت فرماتے حالانکہ میں حیض سے ہوتی تھی۔ میں ہڈی چوستی تھی اور آپ بھی اسی ہڈی کو وہیں منہ لگا کر چوستے تھے۔ میں پانی پیتی تھی پھر گلاس آپ کو دیتی آپ بھی وہیں منہ لگا کر اسی گلاس سے وہی پانی پیتے اور میں اس وقت حائضہ ہوتی تھی۔ ابوداؤد میں روایت ہے کہ میرے حیض کے شروع دنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ ایک ہی لحاف میں سوتے تھے۔ اگر آپ کا کپڑا کہیں سے خراب ہو جاتا تو آپ اتنی ہی جگہ کو دھو ڈالتے۔ اگر جسم مبارک پر کچھ لگ جاتا تو اسے بھی دھو ڈالتے اور پھر انہی کپڑوں میں نماز پڑھتے۔ ہاں ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ میں جب حیض سے ہوتی تو بسترے سے اتر جاتی اور بوریے پر آجاتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے قریب بھی نہ آتے جب تک کہ میں پاک نہ ہو جاؤں۔ تو یہ روایت محمول ہے کہ آپ پرہیز اور احتیاط کرتے تھے نہ یہ کہ یہ محمول ہو حرمت اور ممانعت پر۔ بعض حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ تہبند ہوتے ہوئے فائدہ اٹھائے[له]۔ حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہ رض فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی کسی اہلیہ سے ان کی حیض کی حالت میں ملنا چاہتے تھے تو انہیں حکم دیدیتے تھے کہ تہبند باندھ لیں (بخاری) اسی طرح بخاری مسلم میں بھی یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص سوال کرتا ہے کہ میری بیوی سے مجھے اس کی حیض کی حالت میں کیا کچھ حلال ہے؟ آپ نے فرمایا تہبند کے اوپر کا کل (ابوداؤد وغیرہ) ایک اور روایت میں ہے کہ اس سے بھی بچنا بہتر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت ابن عباس رض حضرت سعید بن مسیب رض اور حضرت شریح رض کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام شافعی رح کے اس بارے میں دو قول ہیں جن میں ایک یہ بھی ہے۔ اکثر عراقیوں وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ تو متفقہ فیصلہ ہے کہ جماع حرام ہے اس لئے اس کے آس پاس سے بھی بچنا ہی چاہیے تاکہ حرمت میں واقع ہونے کا خطرہ نہ رہے۔ حالت حیض میں جماع کی حرمت اور اس کام کے کرنے والے کا گنہگار ہونا تو یقینی امر ہے جسے توبہ اور استغفار کرنا لازمی ہے لیکن اسے کفارہ بھی دینا پڑے گا یا نہیں؟ اس میں علماء کرام کے دو قول ہیں ایک تو یہ کہ کفارہ بھی ہے چنانچہ مسند احمد اور سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنی حائضہ بیوی سے جماع کرے وہ ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ دے۔ ترمذی میں ہے کہ خون اگر سرخ ہو تو ایک دینار اور زرد رنگ ہو تو آدھا دینار[عه]۔ مسند احمد میں

[له] یعنی مجامعت کے علاوہ اور سب کچھ کر سکتا ہے جیسا کہ بوس و کنار تفخیذ وغیرہ لیکن یہ اجازت بھی اسی کے لئے ہے جس کو اپنے نفس پر قدرت ہو اور جماع میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو ۱۲ انظر شاہ

[عه] سرخ خون حیض کے بالکل ابتداء میں ہوتا ہے اور زرد رنگ کا خون ایام کے آخری اوقات میں۔ اسی لئے ابتداء میں جماع کرنا بڑا جرم ہو تو کفارہ بھی اسکا اسکے موافق ہونا چاہیے اور آخری اوقات میں حیض کے ختم ہونیکا بھی شبہ ہوتا ہے اسلئے جرم کی نوعیت بھی ہلکی پڑنے کیساتھ سزا میں بھی تخفیف ہو گی ۱۲ انظر شاہ

ہے کہ اگر خون ختم ہو رہا ہو اور ابھی اس عورت نے غسل نہ کیا ہو اور اس حالت میں اس کا خاوند اس سے ملے تو آدھا دینار ورنہ پورا دینار۔ دوسرا قول یہ ہے کہ کفارہ کچھ بھی نہیں صرف اللہ عزوجل سے استغفار کرے۔ امام شافعی رح کا بھی آخری اور زیادہ صحیح یہی مذہب ہے اور جمہور علماء بھی اسی کے قائل ہیں جو حدیثیں اوپر بیان ہوئیں ان کی نسبت یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ان کا مرفوع ہونا صحیح نہیں بلکہ صحیح یہی ہے کہ موقوف ہیں گو یہ حدیث روایتاً مرفوع اور موقوف دونوں طرح منقول ہے لیکن اکثر ائمۂ حدیث کی تحقیق ہے کہ صحیح بات یہی ہے کہ یہ موقوف ہے یہ فرمان کہ جب تک عورتیں پاک نہ ہو جائیں اُن کے قریب نہ جاؤ یہ تفسیر ہے اس فرمان کی کہ عورتوں سے اُن کی حیض کی حالت میں جدا رہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت حیض ختم ہو جائے پھر نزدیکی حلال ہے۔ حضرت امام ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ طہر یعنی پاکی دلالت کرتی ہے کہ اب اس سے نزدیکی جائز ہے حضرت میمونہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا کہ ہم میں سے جب کوئی حیض سے ہو جاتی تو تہبند باندھ لیتی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی چادر میں سوتی۔ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ جس نزدیکی سے منع کیا گیا ہے وہ جماع کرنا ہے۔ ویسے سونا، بیٹھنا وغیرہ سب جائز ہے۔ اس کے بعد یہ فرمان کہ ان کے پاک ہو جانے کے بعد ان کے پاس آؤ۔ اس میں ارشاد ہے کہ ان کے غسل کر لینے کے بعد ان سے جماع کرو۔ امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر حیض کی پاکیزگی کے بعد جماع کرنا واجب ہے۔ ان کی دلیل لفظ فَأْتُوهُنَّ ہے جس میں حکم ہے لیکن یہ دلیل کوئی پختہ نہیں۔ یہ امر تو صرف حرمت کو ہٹا دینے کا اعلان ہے اور اس کے سوا اس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں۔ علمائے اصول میں سے بعض تو کہتے ہیں کہ امر یعنی حکم مطلقاً وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو امام ابن حزم کا جواب بہت مشکل ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ امر صرف اباحت کے لئے ہے اور چونکہ اس سے پہلے ممانعت ہو چکی ہے یہ قرینہ ہے جو امر کو وجوب سے ہٹا دیتا ہے۔ لیکن یہ غور طلب بات ہے۔ دلیل سے جو بات ثابت ہے وہ یہ ہے کہ ایسے موقع پر یعنی پہلے منع ہو پھر حکم ہو۔ تو حکم اپنی اصل پر رہتا ہے یعنی جو بات منع سے پہلے جیسی تھی ویسی ہی اب ہو جائے گی یعنی اگر منع سے پہلے وہ کام واجب تھا تو اب بھی واجب ہی رہے گا۔ جیسے قرآن کریم میں ہے فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ۔ یعنی جب حرمت والے مہینے گذر جائیں تو مشرکوں سے جہاد کرو۔ اور اگر وہ کام ممانعت سے پہلے مباح تھا تو اب بھی وہ مباح رہے گا جیسے وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا جب تم احرام کھول دو تو شکار کھیلو۔ اور جگہ ہے فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ یعنی جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ۔ ان علمائے کرام کا یہ فیصلہ اُن مختلف اقوال کو جمع بھی کر دیتا ہے جو امر کے وجوب وغیرہ کے بارے میں ہیں۔ غزالی وغیرہ نے بھی اسے بیان کیا ہے اور بعض ائمۂ متاخرین نے بھی اسے پسند فرمایا ہے اور یہی صحیح بھی ہے۔ یہ مسئلہ بھی یاد رہے کہ تمام علمائے امت کا اتفاق ہے کہ جب خون حیض کا آنا رُک جائے مدت حیض گذر جائے پھر بھی اس کے خاوند کو اپنی بیوی سے مجامعت کرنی حلال نہیں جب تک کہ وہ غسل نہ کرے ہاں اگر معذور ہو اور غسل کے عوض تیمم کرنا اسے جائز ہو تو تیمم کر لے اس کے بعد اس کے پاس اس کا خاوند آ سکتا ہے۔ ہاں امام ابو حنیفہؒ ان تمام علماء کے مخالف ہیں[ف]۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب حیض زیادہ سے زیادہ دنوں تک کی آخری میعاد یعنی دس دن تک رہ کر بند ہو گیا تو اس کے خاوند کو اس سے صحبت کرنا جائز ہے گو اُس نے غسل نہ کیا ہو۔ واللہ اعلم۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ تو لفظ ہے يَطْهُرْنَ کہ اس سے مراد خون حیض کا بند ہونا ہے اور تَطَهَّرْنَ سے مراد غسل کرنا ہے۔ حضرت مجاہدؒ، حضرت عکرمہ، حضرت حسن، حضرت مقاتل بن حیان، حضرت لیث بن سعد رحہ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے اس جگہ سے آؤ جہاں کا حکم خدا نے تمہیں دیا ہے مراد اس سے آگے کی جگہ ہے۔ حضرت ابن عباس، حضرت مجاہد وغیرہ بہت سے مفسرین نے اس کے یہی معنی بیان کئے ہیں کہ مراد اس سے بچوں کے تولد ہونے کی جگہ ہے اس کے سوا اور جگہ یعنی پاخانہ کی جگہ جانا حرام ہے ایسے کرنے والے حد سے تجاوز کرنے والے ہیں صحابہ اور تابعین سے یہ بھی نقل ہے کہ

[ف] قرآن کریم میں حتی یطہرن کی قرأت دو طرح پر ہے ایک تخفیف کے ساتھ اور دوسری قرأت تشدید کے ساتھ۔ دونوں قرأتوں کے تقاضے جدا جدا ہیں ہر دو میں تطبیق کی یہی صورت ہو سکتی ہے جو امام اعظم نے فرمائی یعنی دس روز سے کم میں اگر حیض بند ہو جائے تو غسل سے قبل جماع ہرگز جائز نہیں اور اگر دس روز کے بعد ختم ہو جو حیض کی اکثر مدت ہے تو پھر بغیر غسل کے بھی مجامعت کی اجازت ہو گی ساتھ ہی اس اجازت میں یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ بعض شوہر زیادہ دیر تک مجامعت سے رُک بھی نہیں سکتے اس لئے شرعی حدود کو باقی رکھتے ہوئے ان کے لئے کوئی صورت نکالنا عین حکمت و تفقہ ہے ۱۲ انظر شاہ کشمیری +

مطلب یہ ہے کہ جس جگہ سے حالتِ حیض میں تم روکے گئے تھے اب وہ جگہ تمہارے لئے جائز ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ پاخانہ کی جگہ میں وطی کرنی حرام ہے اس کا مفصل بیان بھی آتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ پاکیزگی کی حالت میں آؤ جبکہ حیض سے وہ نکل آئیں اسی لئے اس کے بعد کے جملہ میں ہے کہ گناہوں سے توبہ کرنے والوں کو اس حالت میں جماع سے باز رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور گندگیوں اور ناپاکیوں سے بچنے والوں حیض کی حالت میں اپنی بیویوں سے نہ ملنے والوں اسی طرح دوسری جگہ سے محفوظ رہنے والوں کو بھی پروردگار اپنا محبوب بنالیتا ہے پھر فرمایا کہ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں یعنی اولاد ہونے کی جگہ تم اپنی کھیتی میں جیسے بھی چاہو آؤ یعنی جگہ تو وہی ایک ہو طریقہ خواہ کوئی بھی سامنے کرکے یا اس کے خلاف۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ یہود کہتے تھے کہ جب عورت سے مجامعت سامنے رُخ کرکے نہ کی جائے اور حمل ٹھیر جائے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے۔ ان کی تردید میں یہ جملہ نازل ہوا کہ مرد کو اختیار ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ یہودیوں نے یہی بات مسلمانوں سے بھی کہی تھی۔ ابن جریج فرماتے ہیں کہ آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار دیا کہ خواہ سامنے سے آئے خواہ پیچھے کی طرف سے لیکن جگہ ایک ہی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ سے ایک شخص نے پوچھا کہ ہم اپنی عورتوں کے پاس کیا آئیں اور کیا چھوڑیں؟ آپ نے فرمایا وہ تیری کھیتی ہے جس طرح چاہ آ۔ ہاں اُس کے مُنہ پر نہ مار زیادہ بُرا نہ کہہ اس سے رُوٹھ کر الگ نہ ہوجا ایک ہی گھر میں رہ الخ (احمد وسنن) ابن ابی حاتم میں ہے کہ حمیر کے قبیلہ کے ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ مجھے اپنی بیویوں سے زیادہ محبت ہے تو اس کے بارے کے احکام مجھے بتایئے اس پر یہ حکم نازل ہوا۔ مسند احمد میں ہے کہ چند انصاریوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا تھا۔ طحاوی کی کتاب مشکل الحدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے اُسے اُلٹا لٹاکر مباشرت کی تھی لوگوں نے اُسے بُرا بھلا کہا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن جریر میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن سابطؒ حضرت حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضہ کے پاس آئے اور کہا میں ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں لیکن شرم آتی ہے۔ فرمایا بھتیجے تم نہ شرماؤ اور جو پوچھنا ہو پوچھ لو۔ کہا فرمائیے عورتوں کے پیچھے کی طرف سے جماع کرنا جائز ہے؟ فرمایا سُنو! مجھ سے حضرت اُم سلمہ رضہ نے فرمایا ہے کہ انصار عورتوں کو اُلٹا لٹایا کرتے تھے اور یہود کہتے تھے کہ اس طرح سے بچہ بھینگا ہوتا ہے۔ جب مہاجر مدینہ شریف آئے اور یہاں کی عورتوں سے ان کا نکاح ہوا اور انھوں نے بھی یہی کرنا چاہا تو ایک عورت نے اپنے خاوند کی یہ بات نہ مانی اور کہا جب تک میں حضورؐ کی خدمت میں یہ واقعہ بیان نہ کرلوں تیری بات نہ مانوں گی چنانچہ وہ دربارِ نبوت میں حاضر ہوئی۔ اُم سلمہ رضہ نے بٹھایا اور کہا ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آجائیں گے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔ یہ عورت تو شرمندگی کی وجہ سے نہ پوچھ سکی اور واپس چلی گئی۔ لیکن حضرت اُم سلمہ نے آپ سے پوچھا۔ آپ نے فرمایا انصاریہ عورت کو بلالو۔ پھر یہ آیت پڑھ کر سُنائی اور فرمایا جگہ ایک ہی ہو۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ حضور میں تو ہلاک ہوگیا۔ آپ نے پوچھا کیا بات ہے۔ کہا میں نے رات کو اپنی سواری اُلٹی کردی آپ نے کچھ جواب نہ دیا۔ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی اور آپ نے فرمایا سامنے سے آ یا پیچھے سے آ اختیار ہے لیکن حیض کی حالت میں نہ آ۔ اور پاخانہ کی جگہ نہ آ۔ انصاری والا واقعہ قدرے تفصیل کے ساتھ بھی مروی ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضہ کو خدا بخشے انھیں کچھ وہم سا ہوگیا۔ بات یہ ہے کہ انصاریوں کی جماعت پہلے بُت پرست تھی اور یہودی اہل کتاب تھے۔ بُت پرست لوگ ان کی فضیلت اور علمیت کے قائل تھے اور اکثر افعال میں ان کی بات مانا کرتے تھے۔ یہودی ایک ہی طرح پر اپنی بیویوں سے ملتے تھے۔ یہی عادت ان انصار کی بھی تھی۔ اس کے برخلاف مکہ والے کسی خاص طریقے کے پابند نہ تھے وہ جس طرح جی چاہتا ملتے اسلام کے بعد مکہ والے مہاجرین مدینہ میں جب آئے تو ایک مکی مہاجر مرد نے ایک مدنی انصاریہ عورت سے نکاح کیا اور مجامعت میں اپنا پسندیدہ طریقہ اختیار کرنا چاہا۔ عورت نے انکار کردیا اور صاف کہہ دیا کہ اسی ایک مقررہ طریقہ کے علاوہ میں اجازت نہیں دیتی۔ بات بڑھتے بڑھتے حضورؐ تک پہنچی اور یہ فرمان نازل ہوا۔ پس سامنے سے پیچھے کی طرف سے جس طرح چاہے اختیار ہے۔ ہاں جگہ ایک ہی ہو۔ حضرت مجاہد رحؒ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضہ سے قرآن شریف سیکھا اوّل سے آخر تک، اُنھیں سُنایا ایک ایک آیت کی تفسیر اور مطلب پوچھا۔ اس آیت پر پہنچکر جب میں نے اس کا مطلب پوچھا تو انھوں نے یہی بیان کیا (جو اوپر گذرا) ابن عمر رضہ کا وہم یہ تھا کہ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ قرآن پڑھتے

ہوئے کسی سے بولتے چالتے نہ تھے لیکن ایک دن تلاوت کرتے ہوئے جب اس آیت تک پہنچے تو اپنے شاگرد حضرت نافع رح سے فرمایا جانتے ہو یہ آیت کس بارے میں نازل ہوئی؟ انہوں نے کہا نہیں۔ فرمایا یہ عورتوں کی دوسری جگہ کی وطی کے بارے میں اتری ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا ایک شخص نے اپنی بیوی سے پیچھے سے کیا تھا جس پر اس آیت میں رخصت نازل ہوئی۔ لیکن ایک تو اس میں محدثین نے کچھ علت بھی بیان کی ہے۔ دوسرے اس کے معنی بھی یہی ہو سکتے ہیں کہ پیچھے کی طرف سے آگے کی جگہ میں کیا اور اوپر کی جو روایتیں ہیں وہ بھی سنداً صحیح نہیں بلکہ انہی حضرت نافع رح سے نقل ہے کہ ان سے کہا گیا کہ کیا آپ یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رض نے وطی دُبر کو جائز کیا ہے؟ تو فرمایا لوگ جھوٹ کہتے ہیں۔ پھر وہی انصاریہ عورت اور مہاجر والا واقعہ بیان کیا اور فرمایا حضرت عبداللہ تو اس آیت کا یہ مطلب ارشاد فرماتے تھے۔ اس روایت کی اسناد بھی بالکل صحیح ہے اور اس کے خلاف کی سند صحیح نہیں معنی مطلب بھی اور ہو سکتا ہے اور خود حضرت ابن عمر رض سے اس کے خلاف بھی نقل ہے وہ روایتیں عنقریب بیان ہوں گی انشاء اللہ جن میں ہے کہ حضرت ابن عمر رض فرماتے ہیں کہ نہ یہ مباح ہے نہ حلال ہے بلکہ حرام ہے۔ گو یہ قول یعنی جواز کا بعض فقہائے مدینہ وغیرہ کی طرف بھی منسوب ہے اور بعض لوگوں نے تو اسے امام مالک رح کی طرف بھی منسوب کیا ہے لیکن اکثر لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ امام صاحب رح کا قول ہرگز یہ نہیں۔ صحیح حدیثیں بکثرت اس فعل کی حرمت پر وارد ہیں۔ ایک روایت میں ہے لوگو! شرم و حیا کرو اللہ تعالیٰ حق بات فرمانے سے شرم نہیں کرتا۔ عورتوں کے پاخانہ کی جگہ میں وطی نہ کرو۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے اس حرکت سے لوگوں کو منع فرمایا (مسند احمد) اور روایت میں ہے کہ جو شخص کسی عورت یا مرد کے ساتھ یہ کام کرے اس کی طرف اللہ تعالیٰ نظرِ رحمت سے نہیں دیکھے گا (ترمذی) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک شخص یہ مسئلہ پوچھتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ کیا تو کفر کے کرنے کی بابت سوال کرتا ہے؟ ایک شخص نے آپ سے آکر کہا کہ میں نے اَنّٰی شِئْتُمْ کا یہ مطلب سمجھا اور میں نے اس پر عمل کیا تو آپ بہت ناراض ہوئے اسے برا بھلا کہا اور فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ خواہ کھڑے ہو کر خواہ بیٹھ کر خواہ چت یا پٹ لیکن جگہ وہی ایک ہو۔ ایک اور مرفوع حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے پاخانہ کی جگہ میں وطی کرے وہ چھوٹا لوطی ہے (مسند احمد) حضرت ابو درداء رض فرماتے ہیں کہ یہ کفار کا کام ہے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رض کا یہ فرمان بھی منقول ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے واللہ اعلم۔

ارحم الراحمین کی نظرِ لطف وکرم سے محروم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ سات قسم کے لوگ ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظرِ رحمت سے نہیں دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا۔ اور ان سے فرمائے گا کہ جہنمیوں کے ساتھ جہنم میں چلے جاؤ۔ ایک تو اغلام بازی کرنے والا خواہ وہ اوپر کرنے والا ہو خواہ نیچے کرنے والا ہو۔ اور اپنے ہاتھ سے حاجت روائی؎ کرنے والا۔ اور چوپائے جانور سے یہ کام کرنے والا۔ اور عورت کی دُبر میں وطی کرنے والا۔ اور عورت اور اس کی بیٹی دونوں سے نکاح کرنے والا۔ اور اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنے والا۔ اور ہمسایہ کو ستانے والا۔ یہاں تک کہ وہ اس پر لعنت کرے۔ لیکن اس کی سند میں ابن لہیعہ اور ان کے استاد دونوں ضعیف ہیں۔ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے دوسرے راستے میں وطی کرے اُس کو اللہ تعالیٰ نظرِ رحمت سے نہیں دیکھتا (مسند) مسند احمد اور سنن میں مروی ہے کہ جو شخص حائضہ عورت سے جماع کرے یا غیر جگہ کرے یا کاہن کے پاس جائے اور اسے سچا سمجھے اس نے اس چیز کے ساتھ کفر کیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر اتری ہے۔ امام ترمذی رح فرماتے ہیں کہ امام بخاری رح اس حدیث کو ضعیف بتلاتے ہیں۔ ترمذی میں روایت ہے کہ ابو سلمہ بھی دُبر کی وطی کو حرام بتاتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رض فرماتے ہیں۔ لوگوں کا اپنی بیویوں سے یہ کام کرنا کفر ہے (نسائی) ایک مرفوع حدیث بھی اس معنی کی ہے لیکن زیادہ صحیح اس کا موقوف ہونا ہی ہے۔ اور روایت میں ہے کہ یہ جگہ حرام ہے۔ حضرت ابن مسعود رض بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت علی رض سے جب یہ بات پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا۔ بڑا کمینہ وہ شخص ہے دیکھو قرآن میں ہے کہ لوطیوں سے کہا گیا تم وہ بدکاری کرتے ہو جس کی طرف کسی نے تم سے پہلے توجہ تک نہیں کی۔ پس صحیح حدیثوں سے اور صحابہ کرام رض سے بہت سی روایتوں اور سندوں سے اس فعل کی حرمت نقل ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رض بھی اسے حرام ہی کہتے ہیں۔ چنانچہ دارمی

؎ مشت زنی کرنے والا ۱۲ +

میں ہے کہ آپ سے ایک مرتبہ یہ سوال ہوا تو آپ نے فرمایا۔ کیا مسلمان بھی ایسا کر سکتا ہے؟ اس کی اسناد صحیح ہے اور حکم بھی حرمت کا صاف ہے۔ پس غیر صحیح اور مختلف معنی والی روایتوں میں پڑ کر اتنے بڑے جلیل القدر صحابی کی طرف ایک ایسا گندہ مسئلہ منسوب کرنا ٹھیک نہیں۔ گو روایتیں اس قسم کی بھی ملتی ہیں۔ یہ امام مالکؒ سو ان کی طرف بھی اس مسئلہ کی نسبت صحیح نہیں۔ بلکہ معمر بن عیسیٰ فرماتے ہیں کہ امام صاحبؒ اسے حرام جانتے تھے۔ اسرائیل ابن روح نے آپ سے ایک مرتبہ یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا تم بے سمجھ ہو۔ بوائی کھیت میں ہی ہوتی ہے۔ جو دار شرمگاہ کے سوا اور جگہ سے بچو۔ سائل نے کہا حضرت لوگ تو کہتے ہیں کہ آپ اس فعل کو جائز کہتے ہیں آپ نے فرمایا جھوٹے ہیں مجھ پر تہمت باندھتے ہیں۔ امام مالکؒ سے اس کی حرمت ثابت ہے امام ابو حنیفہؒ شافعیؒ احمدؒ اور ان کے تمام شاگرد اور ساتھی سعید بن مسیب، ابو سلمہ، عکرمہ، طاؤس، عطا، سعید بن جبیر، عروہ بن زبیر، مجاہد بن جبر حسن وغیرہ سلف صالحینؒ سب کے سب اسے حرام کہتے ہیں اور اس بارے میں سخت تشدد کرتے ہیں بلکہ بعض تو اسے کفر کہتے ہیں۔ جمہور علمائے کرام کا بھی اس کی حرمت پر اجماع ہے۔ گو بعض لوگوں نے فقہائے مدینہ بلکہ امام مالکؒ سے بھی اس کی حلت نقل کی ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ عبدالرحمٰن بن قاسم کا قول ہے کہ کسی دیندار شخص کو میں نے تو اس حرمت میں شک کرنے والا نہیں پایا۔ پھر نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ پڑھ کر فرمایا خود یہ لفظ "حرث" ہی اس کی حرمت ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے کیونکہ وہ دوسری جگہ کھیتی کی نہیں۔ کھیتی میں جانے کے طریقہ کا اختیار ہے نہ کہ جگہ بدلنے کا۔ گو امام مالکؒ سے اس کے مباح ہونے کی روایتیں بھی منقول ہیں لیکن ان کی اسنادوں میں سخت ضعف ہے۔ واللہ اعلم۔ ٹھیک اسی طرح امام شافعیؒ سے بھی ایک روایت لوگوں نے گھڑی ہے حالانکہ انھوں نے اپنی چھ کتابوں میں کھلے لفظوں میں اسے حرام لکھا ہے۔ پھر فرماتا ہے اپنے لئے کچھ آگے بھی بھیجو۔ یعنی ممنوعات سے بچو، نیکیاں کرو تاکہ ثواب آگے جائے۔ اللہ سے ڈرو اس سے ملنا ہے وہ حساب کتاب لے گا۔ ایماندار ہر حال میں خوشیاں منائیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ یہ بھی مطلب ہے کہ جب جماع کا ارادہ کرے یہ دعا پڑھے بسم اللہ اللھم جنبنا الشیطٰن وجنب الشیطٰن ما رزقتنا۔ یعنی خدایا تو ہمیں اور ہماری اولاد کو شیطان سے بچا لے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر اس جماع سے نطفہ قرار پکڑ گیا تو اس بچے کو شیطان ہرگز کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ

اور اللہ کو اپنی قسموں کے ذریعہ ان امور کا حجاب مت بناؤ کہ تم نیکی کے اور تقویٰ کے اور اصلاح فیما بین خلق کے

النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ

کام کرو اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتے جانتے ہیں اللہ تعالیٰ تم پر (آخرت میں) دار وگیر نہ فرمائیں گے تمہاری قسموں میں (ایسی)

اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۴﴾

بیہودہ قسم پر لیکن دار وگیر فرمائیں گے اس (جھوٹی قسم) پر جس میں تمہارے دلوں نے (جھوٹ بولنے کا) ارادہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ غفور ہیں حلیم ہیں۔

خدا کی ذاتِ گرامی کی قسمیں کھانا بہت بُرا ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نیکی اور صلہ رحمی کے چھوڑنے کے ذریعے خدا کی قسموں کو نہ بناؤ۔ جیسے اور جگہ ہے وَلَا يَأْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ الخ یعنی وہ لوگ جو کشادہ حال اور فارغ البال ہیں وہ قرابت داروں، مسکینوں اور راہ اللہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہ دینے پر قسمیں نہ کھا بیٹھیں انھیں چاہئے کہ معاف کرنے اور درگذر کرنے کی عادت ڈالیں۔ کیا تمہاری خود خواہش نہیں کہ خدا تمھیں بخشے۔ ایسی قسم اگر کوئی کھا بیٹھے تو اُسے چاہئے کہ اُسے توڑ دے اور کفارہ ادا کر دے۔ صحیح بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ ہم پیچھے آنے والے ہیں لیکن قیامت کے دن سب سے آگے بڑھنے والے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی ایسی قسم کھا لے اور کفارہ ادا نہ کرے اور اُس پر اَڑا رہے وہ بڑا گنہگار ہے۔ یہ حدیث اور بھی بہت سی سندوں سے بہت سی کتابوں میں موجود ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں۔ حضرت مسروق وغیرہ بہت سے مفسرین سے بھی یہی نقل ہے۔ ان جمہور کے اس قول کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فرماتے ہیں خدا کی قسم انشاء اللہ میں اگر کوئی قسم کھا بیٹھوں گا اور اس کے توڑنے میں مجھے بھلائی نظر آئے گی تو میں قطعاً اُسے توڑ دوں گا اور اس قسم کا کفارہ ادا کروں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اے عبدالرحمٰن سرداری، امارت اور امامت کی طلب نہ کر۔ اگر بغیر مانگے تو دیا جائے گا تو خدا کی جانب سے تیری مدد کی جائے گی اور اگر تو نے آپ مانگ کر لی ہے تب تجھے اس کی طرف سونپ دیا جائے گا تو اگر کوئی قسم کھالے اور اُس کے خلاف میں بھلائی دیکھے تو اپنی قسم کا کفارہ دیدے اور اس نیک کام کو کرلے (صحیحین) صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ جو شخص کوئی قسم کھالے پھر اس کے سوا خوبی نظر آئے تو اُسے چاہئے کہ اُس خوبی والے کام کو کرلے اور اپنی اُس قسم کو توڑ دے اور اس کا کفارہ دیدے۔

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ اس کا چھوڑ دینا ہی اُس کا کفارہ ہے۔ ابوداؤد میں ہے۔ نذر اور قسم اُس چیز میں نہیں جو انسان کی ملکیت میں نہ ہو اور نہ خدائے تعالیٰ کی نافرمانی میں ہے اور نہ رشتہ ناتوں کو توڑنے میں، جو شخص کوئی قسم کھالے اور نیکی اُس کے کرنے میں نہ ہو تو وہ قسم کو چھوڑ دے اور نیکی کا کام کرلے۔ اُس قسم کو چھوڑ دینا ہی اس کا کفارہ ہے۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کل کی کل صحیح حدیثوں میں یہ لفظ ہیں کہ اپنی ایسی قسم کا کفارہ دے ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ اپنی ایسی قسم کا پورا کرنا یہی ہے کہ اُسے توڑ دے اور اس سے رجوع کرلے۔ ابن عباس، سعید بن مسیب، مسروق اور شعبی رح بھی اسی کے قائل ہیں کہ ایسے شخص کے ذمہ کفارہ نہیں۔ پھر فرماتا ہے جو قسمیں تمہارے منہ سے بغیر قصد اور ارادے کے عادۃً نکل جائیں اُن پر پکڑ نہیں۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے جو شخص لات اور عزیٰ کی قسم کھا بیٹھے وہ لا الٰہ الا اللہ پڑھ لے۔ یہ ارشاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان لوگوں کو ہوا تھا جو ابھی ابھی اسلام لائے تھے اور جاہلیت کے زمانہ کی یہ قسمیں اُن کی زبانوں پر چڑھی ہوئی تھیں تو اُن سے فرمایا کہ اگر عادۃً کبھی ایسے شرکیہ الفاظ نکل جائیں تو فوراً کلمہ توحید پڑھ لیا کرو تاکہ بدلہ ہو جائے۔ پھر فرماتا ہے ہاں جو قسمیں پختگی کے ساتھ دل کی ارادت کے ساتھ قصداً کھائی جائیں اُن پر پکڑ ہے۔

دوسری آیت کے لفظ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ ہیں۔ ابوداؤد میں بروایت حضرت عائشہ رضہ ایک مرفوع حدیث موجود ہے جو اور روایتوں میں موقوف وارد ہوئی ہے کہ یہ لغو قسمیں وہ ہیں جو انسان اپنے گھر بار میں، بال بچوں میں کہدیا کرتا ہے کہ ہاں خدا کی قسم اور نہیں خدا کی قسم۔ غرض بطور تکیہ کلام کے یہ لفظ نکل جاتے ہیں دل میں اس کی پختگی کا خیال بھی نہیں ہوتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ بھی نقل ہے کہ یہ وہ قسمیں ہیں جو ہنسی ہنسی میں انسان کے منہ سے نکل جاتی ہیں۔ اُن پر کفارہ نہیں ہاں جو ارادے کے ساتھ قسم ہو۔ پھر اس کا خلاف کرے تو کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔ آپ کے علاوہ اور بھی بعض صحابہ اور تابعین نے یہی تفسیر اس کی آیت کی بیان کی ہے۔ یہ بھی نقل ہے کہ ایک آدمی اپنی تحقیق پر بھروسہ کر کے کسی معاملہ کی نسبت قسم کھا بیٹھے اور حقیقت میں وہ معاملہ یوں نہ ہو تو یہ قسمیں لغو ہیں۔ یہ معنی بھی دیگر بہت سے حضرات سے نقل ہیں۔ ایک حسن حدیث میں ہے جو مرسل ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیر اندازوں کی ایک جماعت کے پاس جا کھڑے ہو گئے وہ تیر اندازی کر رہے تھے اور ایک شخص کبھی کہتا تھا خدا کی قسم اس کا تیر نشانے پر لگے گا کبھی کہتا تھا خدا کی قسم یہ خطا کرے گا آپ کے صحابی نے کہا دیکھئے حضور اس کی قسم کے خلاف ہوا آپ نے فرمایا یہ قسمیں لغو ہیں ان پر کفارہ نہیں اور نہ کوئی سزا یا عذاب ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے یہ وہ قسمیں ہیں جو انسان کھا لیتا ہے پھر خیال نہیں رہتا۔ یا کوئی شخص اپنے لئے کسی کام کے نہ کرنے پر کوئی بددعائیہ کلمات اپنی زبان سے نکال دیتا ہے وہ بھی لغو میں داخل ہے یا غصے اور غضب کی حالت میں بیساختہ زبان سے قسم نکل جائے یا حلال کو حرام یا حرام کو حلال کرلے تو اُسے چاہئے کہ ان قسموں کی پروا نہ کرے اور خدا کے احکام کے خلاف نہ کرے۔ حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ انصار کے دو شخص جو آپس میں بھائی بھائی تھے ان کے درمیان کچھ میراث کا مال تھا تو ایک نے دوسرے سے کہا اب اُس مال کو تقسیم کردو۔ دوسرے نے کہا اگر اب تو نے تقسیم کرنے کو کہا تو میرا تمام مال کعبہ کا خزانہ ہے۔ حضرت عمر رضہ نے یہ واقعہ سن کر فرمایا کہ کعبہ ایسے مال سے غنی ہے اپنی قسم کا کفارہ دے اور اپنے بھائی سے بول چال۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی رشتے ناتوں کے کاٹنے اور جس چیز کی ملکیت نہ ہو اس میں نہ قسم ہے نہ نذر۔ پھر فرماتا ہے تمہارے دل جو کریں اس پر گرفت ہے یعنی اپنے جھوٹ کا علم ہو اور پھر قسم کھائے جیسے اور جگہ ہے وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ۔ یعنی جو تم مضبوط اور تاکید والی قسم کھالو۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بخشنے والا ہے اور ان پر علم و کرم کرنے والا ہے۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ

جو لوگ قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی بیبیوں (کے پاس جانے) سے ان کے لئے چار مہینے تک کی مہلت ہے سو اگر یہ لوگ (قسم توڑ کر عورت کی طرف) رجوع کریں تب تو اللہ تعالیٰ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۶

معاف کر دیں گے رحمت فرما دیں گے ۔ اور اگر بالکل چھوڑ ہی دینے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے تو اللہ تعالیٰ سنتے ہیں جانتے ہیں ۔

ایلاء کے احکام

ایلاء کہتے ہیں قسم کو ۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے مجامعت نہ کرنے کی ایک مدت تک کے لئے قسم کھائے تو دو صورتیں ہیں یا تو وہ مدت چار مہینے سے کم ہوگی یا زیادہ ہوگی اگر کم ہو تو وہ مدت پوری کرے اور اس درمیان میں عورت بھی صبر کرے اُس سے مطالبہ اور سوال نہیں کر سکتی پھر میاں بیوی آپس میں ملیں جلیں جیسے کہ صحیح بخاری صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ کے لئے قسم کھالی تھی اور انتیس دن پورے الگ رہے اور فرمایا مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے ۔ اور اگر چار مہینے سے زائد کی مدت کے لئے قسم کھائی ہو تو چار ماہ کے بعد عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ تقاضا اور مطالبہ کرے کہ یا تو وہ میل ملاپ کرے یا طلاق دیدے اور حاکم اس خاوند کو ان دو باتوں میں سے ایک کے کرنے پر مجبور کرے گا تاکہ عورت کو ضرر نہ پہنچے ۔ یہی بیان یہاں ہو رہا ہے کہ جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلاء کریں یعنی ان سے مجامعت نہ کرنے کی قسم کھائیں ۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایلاء خاص ہے ۔ بیویوں کے لئے لونڈیوں کے لئے نہیں ۔ یہی مذہب جمہور علمائے کرام کا ہے یہ لوگ چار مہینے تک تو آزاد ہیں اُس کے بعد انہیں مجبور کیا جائے گا کہ یا تو وہ اپنی بیویوں سے مل لیں یا طلاق دیدیں ۔ یہ نہیں کہ اب بھی وہ اسی طرح چھوڑے رہیں ۔ پھر اگر وہ لوٹ آئیں یہ کنایہ ہے جماع کرنے سے تو اللہ تعالیٰ بھی بخشنے گا اور جو تقصیر عورت کے حق میں ان سے ہوئی ہے اُسے اپنی مہربانی سے معاف فرما دے گا ۔ اس میں دلیل ہے ان علماء کی جو کہتے ہیں کہ اس صورت میں خاوند کے ذمہ کفارہ کچھ بھی نہیں ۔ امام شافعی رح کا بھی پہلا قول یہی ہے ۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو اگلی آیت کی تفسیر میں گذر چکی کہ قسم کھانے والا اگر اپنی قسم کے توڑ ڈالنے میں نیکی دیکھتا ہو تو توڑ ڈالے ۔ یہی اُس کا کفارہ ہے ۔ اور علماء کرام کی ایک دوسری جماعت کا یہ مذہب ہے کہ اُسے قسم کا کفارہ دینا پڑے گا ۔ اس کی حدیثیں بھی اوپر گذر چکی ہیں ۔ اور جمہور کا مذہب بھی یہی ہے واللہ اعلم ۔ پھر فرمان ہے کہ اگر چار ماہ گذر جانے کے بعد وہ طلاق دینے کا قصد کرے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چار مہینے گذرتے ہی طلاق نہیں پڑ جائے گی ۔ جمہور متأخرین کا یہی مذہب ہے گو ایک دوسری جماعت یہ بھی کہتی ہے کہ بمجرد چار ماہ گذرنے کے طلاق ہو جائے گی ۔ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علی بن مسعودؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت زید بن ثابت رضؓ اور بعض تابعین سے بھی یہی نقل ہے ۔ پھر بعض تو کہتے ہیں یہ طلاق رجعی ہوگی ۔ بعض کہتے ہیں بائن ہوگی ۔ جو لوگ طلاق پڑنے کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اُسے عدت بھی گذارنی پڑے گی ۔ ہاں ابن عباس رضؓ اور ابو الشعثاء رضؓ فرماتے ہیں کہ اگر ان چار مہینوں میں اُس عورت کو تین حیض آ گئے ہیں تو اس پر عدت بھی نہیں ۔ امام شافعیؒ کا بھی قول یہی ہے لیکن جمہور متأخرین علماء کا فرمان یہی ہے کہ اس مدت کے گذرتے ہی طلاق واقع نہ ہوگی ۔ بلکہ اب ایلاء کرنے والے کو مجبور کیا جائے گا کہ یا تو وہ اپنی قسم سے ہٹے یا طلاق دے ۔ مؤطا امام مالکؒ میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہی مروی ہے ۔ صحیح بخاری میں بھی یہ روایت موجود ہے ۔ امام شافعیؒ اپنی سند سے حضرت سلیمان بن یسار سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دس سے زیادہ صحابیوں سے سنا کہ وہ کہتے تھے کہ چار ماہ کے بعد ایلاء کرنے والے کو کھڑا کیا جائے گا ۔ پس کم سے کم یہ تیرہ صحابی ہو گئے ۔ حضرت علی رضؓ سے بھی یہی منقول ہے ۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں یہی ہمارا مذہب ہے اور یہی حضرت عمرؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت عائشہؓ حضرت عثمان ابن زید بن ثابت اور دس سے اوپر اور دوسرے صحابہ کرام رضؓ سے نقل ہے ۔ دار قطنی میں ہے ۔ حضرت ابو صالح فرماتے ہیں ۔ میں نے بارہ صحابیوں سے اس مسئلہ کو پوچھا سب نے یہی جواب عنایت فرمایا ۔ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت ابو الدرداءؓ حضرت اُم المؤمنین عائشہ صدیقہؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی یہی فرماتے ہیں اور تابعین میں سے حضرت سعید بن مسیبؒ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ حضرت مجاہدؒ حضرت طاؤسؒ حضرت محمد بن کعبؒ حضرت قاسم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی قول ہے اور حضرت امام مالکؒ حضرت امام شافعیؒ حضرت

امام احمد رحمۃ اللہ علیہم اور ان کے ساتھیوں کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام ابن جریر بھی اسی قول کو پسند کرتے ہیں۔ لیث، اسحاق بن راہویہ، ابو عبید، ابو ثور، داؤد وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ یہ سب حضرات فرماتے ہیں کہ اگر چار ماہ کے بعد وہ رجوع نہ کرے تو اُسے طلاق دینے پر مجبور کیا جائے گا اگر طلاق نہ دے تو حاکم آپ اس کی طرف سے طلاق دیدے گا اور یہ طلاق رجعی ہوگی۔ عدت کے اندر رجعت کا حق خاوند کو حاصل ہے۔ ہاں صرف امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اُسے رجعت جائز نہیں یہاں تک کہ عدت میں جماع کرے لیکن یہ قول نہایت غریب ہے۔ یہاں جو چار مہینے کی تاریخ کی اجازت دی ہے اس کی مناسبت میں موطا مالک میں حضرت عبداللہ بن دینار کی روایت سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واقعہ عموماً فقہائے کرام ذکر کیا کرتے ہیں جو یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عموماً راتوں کو مدینہ شریف کی گلیوں میں گشت لگاتے رہتے۔ ایک رات کو نکلے تو آپ نے سُنا کہ ایک عورت اپنے سفر میں گئے ہوئے خاوند کی یاد میں کچھ اشعار پڑھ رہی ہے جن کا ترجمہ یہ ہے "افسوس ان کالی کالی اور لمبی راتوں میں میرا خاوند نہیں جس سے میں ہنسوں بولوں، قسم خدا کی اگر خدا کا خوف نہ ہوتا تو اس وقت پلنگ کے پائے حرکت میں ہوتے" آپ اپنی صاحبزادی اُم المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا بتلاؤ زیادہ سے زیادہ عورت اپنے خاوند کی جدائی پر کتنی مدت صبر کرسکتی ہے۔ فرمایا چھ مہینے یا چار مہینے۔ آپ نے فرمایا اب میں حکم جاری کردوں گا کہ مسلمان مجاہد سفر میں اس سے زیادہ نہ ٹھیریں۔ بعض روایتوں میں کچھ زیادتی بھی ہے اور اس کی بہت سی سندیں ہیں اور یہ واقعہ مشہور ہے۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا

اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو (نکاح سے) روکے رکھیں تین حیض تک اور ان عورتوں کو یہ بات حلال نہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ ان کے رحم میں

خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ

پیدا کیا ہو (خواہ حمل یا حیض) اس کو پوشیدہ کریں اگر وہ عورتیں اللہ تعالیٰ پر اور یوم قیامت پر یقین رکھتی ہیں اور ان عورتوں کے شوہر ان کے (بلا تجدید نکاح)

بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۭ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ

پھر لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں اس عدت کے اندر بشرطیکہ اصلاح کا قصد رکھتے ہوں۔ اور عورتوں کے لئے بھی حقوق ہیں جو کہ مثل ان ہی حقوق کے ہیں جو ان عورتوں پر

بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ④ ع

قاعدہ (شرعی) کے موافق اور مردوں کا ان کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ زبردست (حاکم) ہیں حکیم ہیں۔

طلاق کے احکام اور مسائل

ان عورتوں کو جو خاوندوں سے مل چکی ہوں اور بالغہ ہوں حکم ہو رہا ہے کہ طلاق کے بعد تین حیض تک رُکی رہیں۔ پھر اگر چاہیں تو اپنا نکاح دوسرا کرسکتی ہیں۔ ہاں چاروں اماموں نے اس میں سے لونڈی کو مخصوص کر دیا ہے وہ دو حیض عدت گذارے کیونکہ لونڈی ان معاملات میں آزاد عورت سے آدھے پر ہے۔ لیکن حیض کی مدت کا نصف ٹھیک نہیں بیٹھتا اس لئے وہ دو حیض گذارے۔ ایک حدیث میں بھی ہے کہ لونڈی کی طلاقیں بھی دو ہیں اور اس کی عدت بھی دو حیض ہیں (ابن جریر) لیکن اس کے راوی حضرت مظاہر ضعیف ہیں۔ یہ حدیث ترمذی ابوداؤد اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ امام حافظ دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت قاسم بن محمد کا اپنا قول ہے۔ لیکن حضرت ابن عمرؓ سے یہ روایت مرفوع روایت ہے مگر اس کی نسبت بھی امام دارقطنیؒ یہی فرماتے ہیں کہ یہ حضرت عبداللہ کا اپنا قول ہی ہے۔ اسی طرح خود خلیفۃ المسلمین حضرت فاروق اعظمؓ سے نقل ہے بلکہ صحابہؓ میں اس مسئلہ میں اختلاف ہی نہ تھا۔ ہاں بعض سلف سے یہ بھی روایت ہے کہ عدت کے بارے میں آزاد اور لونڈی برابر ہے۔ کیونکہ آیت اپنی عمومیت کے لحاظ سے دونوں کو شامل ہے اور اس لئے بھی کہ یہ جبلی امر ہے لونڈی اور آزاد عورت اس میں یکساں ہیں۔ محمد بن سیرینؒ اور بعض اہل ظاہر کا یہی قول ہے لیکن یہ ضعیف ہے ابن ابی حاتم کی ایک غریب سند والی روایت میں ہے کہ حضرت اسماء بنت یزید بن سکن انصاریہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اس سے پہلے طلاق

کی عدت نہ تھی سب سے پہلے عدت کا حکم ان ہی کی طلاق کے بعد نازل ہوا قُرُوۡءٍ کے معنی میں سلف خلف کا برابر اختلاف رہا ہے۔ ایک قول تو یہ ہے کہ اس سے مراد طہر یعنی پاکی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہی فرمان ہے چنانچہ انھوں نے اپنی بھتیجی حضرت عبدالرحمٰنؓ کی بیٹی حفصہ کو جبکہ وہ تین طہر گذار چکیں اور تیسرا حیض شروع ہوا تو حکم دیا کہ وہ مکان بدل لیں۔ حضرت عروہؒ نے جب یہ روایت بیان کی تو حضرت عمرہؒ نے جو صدیقہ رضؓ کی دوسری بھتیجی ہیں۔ اس واقعہ کی تصدیق کی اور فرمایا کہ لوگوں نے حضرت صدیقہ رضؓ پر اعتراض بھی کیا تو آپ نے فرمایا اقراء سے مراد طہر ہیں (موطا مالک) بلکہ موطا میں ابوبکر بن عبدالرحمٰنؒ کا تو یہ قول بھی موجود ہے کہ میں نے سمجھ دار علماء فقہاء کو قُرُوۡءٍ کی تفسیر طہر سے ہی کرتے سنا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بھی یہی فرماتے ہیں کہ جب تیسرا حیض شروع ہوا تو یہ اپنے خاوند سے بری ہو گئی اور خاوند اس سے الگ ہوا (موطا) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ہمارے نزدیک بھی متحقق یہی ہے۔ ابن عباسؓ زید بن ثابتؓ سالمؒ قاسمؒ عروہؒ سلیمان بن یسارؒ ابوبکر بن عبدالرحمٰنؒ ابان ابن عثمانؒ عطاء بن ابو رباحؒ قتادہؒ زہریؒ اور باقی ساتوں فقہاء کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالکؒ امام شافعیؒ کا یہی مذہب ہے۔ داؤد اور ابو ثورؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام احمدؒ سے بھی ایک روایت اسی طرح کی موجود ہے اس کی دلیل ان بزرگوں نے قرآن کی اس آیت سے بھی نکالی ہے۔ کہ فَطَلِّقُوۡهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ یعنی انھیں عدت میں طلاق دو یعنی طہر میں پاکیزگی کی حالت میں۔ چونکہ جس طہر میں طلاق دی جاتی ہے وہ بھی گنتی میں آتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ آیت مندرجہ بالا میں بھی قُرُوۡءٍ سے مراد بھی حیض کے سوا کی یعنی پاکی کی حالت ہے۔ اسی لئے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جہاں تیسرا حیض شروع ہوا اور عورت اپنے خاوند کی عدت سے باہر ہو گئی۔ اور اس کی کم سے کم مدت جس میں اگر عورت کہے کہ اسے تیسرا حیض شروع ہو گیا ہے تو اسے سچا سمجھا جائے۔ بتیس ۳۲ دن اور دو لحظے ہیں۔ عرب شاعروں کے شعر میں بھی یہ لفظ طہر کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد تین حیض ہیں اور جب تک تیسرے حیض سے پاک نہ ہوئے تب تک وہ عدت میں ہی ہے بعضوں نے غسل کر لینے تک کہا ہے اور اس کی کم سے کم مدت تینتیس ۳۳ دن اور ایک لحظہ ہے۔ اس کی دلیل میں ایک تو حضرت عمر فاروق رضؓ کا یہ فیصلہ ہے کہ ان کے پاس ایک مطلقہ عورت آئی اور کہا کہ میرے خاوند نے مجھے ایک یا دو طلاقیں دی تھیں پھر وہ میرے پاس اس وقت آیا جبکہ میں اپنے کپڑے اتار کر دروازہ بند کئے ہوئے تھی (یعنی تیسرے حیض سے نہانے کی تیاری میں تھی۔ تو فرمائیے کیا حکم ہے یعنی رجوع ہو جائے گا یا نہیں؟) آپ نے فرمایا میرا خیال تو یہی ہے کہ رجوع ہو گیا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی تائید کی۔ حضرت صدیق اکبرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت ابو درداءؓ حضرت عبادہ بن صامتؓ حضرت انس بن مالکؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت معاذؓ حضرت ابی بن کعبؓ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی یہی مروی ہے۔ سعید بن مسیبؒ علقمہؒ اسودؒ ابراہیمؒ مجاہدؒ عطاءؒ طاؤسؒ سعید بن جبیرؒ عکرمہؒ محمد بن سیرینؒ حسنؒ قتادہؒ شعبیؒ ربیعؒ مقاتل بن حیانؒ سدیؒ مکحولؒ ضحاکؒ عطا خراسانیؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام احمدؒ سے بھی زیادہ صحیح روایت یہی ہے۔ آپ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے بڑے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے یہی روایت ہے۔ ثوریؒ اوزاعیؒ ابن ابی لیلیٰ ابن شبرمہؒ حسن بن صالحؒ ابو عبیدؒ اور اسحٰق بن راہویہؒ کا قول بھی یہی ہے۔ ایک حدیث میں بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش سے فرمایا تھا نماز کو اپنے اقراء کے دنوں میں چھوڑ دو۔ پس معلوم ہوا کہ قروء سے مراد حیض ہے لیکن اس حدیث کا ایک راوی منذر مجہول ہے جو مشہور نہیں۔ ہاں ابن حبان اسے ثقہ بتلاتے ہیں۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں لغۃً قرء کہتے ہیں ہر اس چیز کے آنے اور جانے کے وقت کو جس کے آنے جانے کا وقت مقرر ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کے دونوں معنی ہیں حیض کے بھی اور طہر کے بھی اور بعض اصولی حضرات کا بھی مسلک ہے واللہ اعلم۔ اصمعی بھی فرماتے ہیں کہ قرء کہتے ہیں وقت کو۔ ابو عمر بن علاء کہتے ہیں عرب میں حیض کو اور طہر کو دونوں کو قرء کہتے ہیں۔ ابو عمر بن عبدالبر کا قول ہے کہ زبان عرب کے ماہر اور فقہاء کا اس میں اختلاف ہی نہیں کہ طہر اور حیض دونوں معنی قرء کے ہیں ہاں اس آیت کے معنی مقرر کرنے میں ایک جماعت اس طرف گئی اور دوسری اس طرف۔ پھر فرمایا ان کے رحم میں جو ہو اس کا چھپانا حلال نہیں یعنی حمل ہو اور حیض آئے تو۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر انھیں خدا پر اور قیامت پر ایمان ہو۔ اس میں انھیں دھمکایا جا رہا ہے کہ خلاف حق نہ کہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خبر میں ان کی بات کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ اس پر کوئی بیرونی شہادت قائم نہیں کی جا سکتی اس لئے انھیں ہوشیار کر دیا گیا کہ عدت سے جلد نکل جانے کے لئے حیض

نہ آیا ہو اور کہہ نہ دیں کہ اُنھیں حیض آگیا یا عدت کو بڑھانے کے لئے آیا ہو اور اُسے چھپا نہ لیں۔ اسی طرح حمل کی بھی خبر کر دیں۔ پھر فرمایا کہ عدت کے اندر اس شوہر کو جس نے طلاق دی ہے لوٹا لینے کا پورا حق حاصل ہے جبکہ طلاق رجعی ہو یعنی ایک طلاق کے بعد بھی اور طلاق کے بعد بھی۔ باقی رہی طلاق بائن یعنی تین طلاقیں جب ہو جائیں تو یاد رہے کہ جب یہ آیت اُتری ہے تب تک طلاق بائن تھی ہی نہیں بلکہ اُس وقت تک تو چاہے سو طلاقیں ہو جائیں سب رجعی ہی تھیں طلاق بائن تو پھر اسلام کے احکام میں آئی کہ تین اگر ہو جائیں تو اب رجعت کا حق نہیں رہے گا۔ جب یہ بات خیال میں رہے گی تو علمائے اصول کے اس قاعدے کا ضعف بھی معلوم ہو جائے گا۔ کہ ضمیر کے لوٹانے سے پہلے کے عام لفظ کی خصوصیت ہو جاتی ہے یا نہیں اس لئے کہ اس آیت کے وقت دوسری شکل تھی ہی نہیں طلاق کی ایک ہی صورت تھی۔ واللہ اعلم۔

باہمی حقوق

پھر فرماتا ہے کہ جیسے ان عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں ویسے ہی ان عورتوں کے مردوں پر بھی حقوق ہیں۔ ہر ایک کو دوسرے کا پاس و لحاظ عمدگی سے رکھنا چاہئے۔ صحیح مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے اپنے خطبہ میں فرمایا۔ لوگو! عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو تم نے اللہ کی امانت سے انھیں لیا ہے اور اللہ کے کلمہ سے ان کی شرمگاہوں کو اپنے لئے حلال کیا ہے۔ عورتوں پر تمھارا یہ حق ہے کہ وہ تمھارے فرش پر کسی ایسے کو نہ آنے دیں جس سے تم ناراض ہو۔ اگر وہ ایسا کریں تو انھیں مارو۔ لیکن ایسی مار نہ ہو کہ ظاہر ہو۔ اُن کا تم پر یہ حق ہے کہ انھیں اپنی بساط کے مطابق کھلاؤ پلاؤ، پہناؤ، اُڑھاؤ۔ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہماری عورتوں کے ہم پر کیا حق ہیں۔ آپ نے فرمایا جب تم کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ، جب تم پہنو تو اُسے بھی پہناؤ، اس کے مُنھ پر نہ مارو، اُسے گالیاں نہ دو، اس سے روٹھ کر اور کہیں نہ بھیجدو ہاں گھر میں ہی رکھو۔ اسی آیت کو پڑھ کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں پسند کرتا ہوں کہ اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لئے میں بھی اپنی زینت کروں جس طرح وہ مجھے خوش کرنے کے لئے اپنا بناؤ سنگھار کرتی ہے۔ پھر فرمایا کہ مردوں کو ان پر فضیلت ہے۔ جسمانی حیثیت سے بھی، اخلاقی حیثیت سے بھی، مرتبہ کی حیثیت سے بھی، حکمرانی کی حیثیت سے بھی، خرچ اخراجات کی حیثیت سے بھی دیکھ بھال اور نگرانی کی حیثیت سے بھی۔ غرض دنیوی اور اُخروی فضیلت کے ہر اعتبار سے۔ جیسے اور جگہ ہے اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ الخ یعنی مرد عورتوں کے سردار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک کو ایک پر فضیلت دے رکھی ہے اور اس لئے بھی کہ یہ مال خرچ کرتے ہیں۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانوں سے بدلہ لینے پر غالب ہے اور اپنے احکام میں حکمت والا ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ

وہ طلاق دو مرتبہ (کی) ہے پھر خواہ رکھ لینا قاعدہ کے موافق خواہ چھوڑ دینا خوش عنوانی کے ساتھ اور تمھارے لئے یہ بات حلال نہیں کہ

تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ

(چھوڑنے کے وقت) کچھ بھی لو (گو وہ اس میں سے (ہی)) جو تم نے انکو (مہر میں) دیا تھا مگر یہ کہ میاں بیوی دونوں کو احتمال ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ضابطوں کو قائم نہ کر سکیں گے سو اگر تم لوگوں کو

اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ

وہ دونوں ضوابط خداوندی کو قائم نہ کر سکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا اس (مال کے لینے دینے) میں جس کو دیکر عورت اپنی جان چھڑا لے یہ خدائی ضابطے ہیں

فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ① فَاِنْ

سو تم ان سے باہر مت نکلنا اور جو شخص خدائی ضابطوں سے بالکل باہر نکل جاوے سو ایسے ہی لوگ اپنا نقصان کرنے والے ہیں پھر اگر

طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ

کوئی (تیسری) طلاق دیدے عورت کو تو پھر وہ اس کے لئے حلال نہ رہیگی اسکے بعد یہاں تک کہ وہ اسکے سوا ایک اور خاوند کے ساتھ (عدت کے بعد) نکاح کرے پھر اگر یہ اس کو

ـه یعنی نکاح ہے ۱۲ ـه مطلب یہ ہے کہ زنا نہ کرائیں ۱۲

عَلَيْهِمَآ أَنْ يَّتَرَاجَعَآ إِنْ ظَنَّآ أَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ وَتِلْكَ

اس میں کچھ گناہ نہیں کہ بدستور پھر مل جاویں بشرطیکہ دونوں غالب گمان رکھتے ہیں کہ (آئندہ) خداوندی ضابطوں کو قائم رکھیں گے اور یہ

حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ②

خداوندی ضابطے ہیں حق تعالیٰ ان کو بیان فرماتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے جو دانشمند ہیں

طلاق کے احکام ومسائل

اسلام سے پہلے یہ دستور تھا کہ خاوند جتنی چاہے طلاقیں دیتا چلا جائے اور عدت میں رجوع کرتا جائے اس سے عورتوں کی جان غضب میں تھی کہ طلاق دی اور عدت گذرنے کے قریب آئی رجوع کر لیا پھر طلاق دیدی۔ اسی طرح عورتوں کو تنگ کرتے رہتے تھے پس اسلام نے حدبندی کر دی کہ اس طرح کی طلاقیں صرف دو ہی دے سکتے ہیں۔ تیسری طلاق کے بعد لوٹانے کا کوئی حق نہیں رہیگا سنن ابوداؤد میں باب ہے کہ تین طلاقوں کے بعد مراجعت منسوخ ہے پھر یہ روایت لائے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ یہی فرماتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ نہ تو میں تجھے بساؤں گا نہ چھوڑوں گا۔ اس نے کہا یہ کس طرح؟ کہا طلاق دیدوں گا اور عدت ختم ہونے کا وقت آیا اور رجوع کروں گا پھر طلاق دیدوں گا پھر عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لوں گا۔ یونہی کرتا چلا جاؤں گا وہ عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اپنا یہ دکھ رونے لگی۔ اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اب لوگوں نے نئے سرے سے طلاقوں کا خیال رکھنا شروع کیا اور وہ سنبھل گئے۔ اور تیسری طلاق کے بعد اس خاوند کو لوٹا لینے کا کوئی حق حاصل نہ رہا اور فرما دیا گیا کہ دو طلاقوں تک تو تمہیں اختیار ہے کہ اصلاح کی نیت سے اپنی بیوی کو لوٹا لو اگر وہ عدت کے اندر ہے۔ اور یہ بھی اختیار ہے کہ نہ لوٹاؤ اور عدت گذر جانے دو تاکہ وہ نئے سرے سے نکاح کرنے کے قابل ہو جائے اور اگر تیسری طلاق دینا چاہتے ہو تو بھی احسان وسلوک کے ساتھ طلاق دو نہ اس کا کوئی حق مارو نہ اس پر کوئی ظلم کرو نہ اسے ضرر ونقصان پہنچاؤ۔ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ دو طلاقیں تو اس آیت میں بیان ہو چکی ہیں تیسری کا ذکر کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ میں جب تیسری طلاق کا ارادہ کرے تو عورت کو تنگ کرنا اس پر سختی کرنا تاکہ وہ اپنا حق چھوڑ کر طلاق پر آمادگی ظاہر کرے یہ مردوں پر حرام ہے۔ جیسے اور جگہ ہے وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ الخ یعنی عورتوں کو تنگ نہ کرو تاکہ انہیں دیئے ہوئے میں سے کچھ لے لو۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ عورت اپنی خوشی کچھ دیکر طلاق طلب کرے جیسے فرمایا فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓئًا مَّرِيْٓئًا۔ یعنی اگر عورتیں اپنی راضی خوشی سے کچھ چھوڑ دیں تو بیشک وہ تمہارے لئے حلال طیب ہے۔ اور جب میاں بیوی میں نااتفاقی بڑھ جائے عورت اس سے خوش نہ ہو اور اس کے حق نہ بجا لاتی ہو۔ ایسی صورت میں وہ کچھ لے دے کر اپنے خاوند سے طلاق حاصل کرے۔ تو اسے دینے میں اور اس کے لینے میں کوئی گناہ نہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ اگر عورت بلا وجہ اپنے خاوند سے خلع طلب کرتی ہے تو وہ سخت گنہگار ہے۔ چنانچہ ترمذی وغیرہ میں حدیث ہے کہ جو عورت اپنے خاوند سے بے سبب طلاق طلب کرے اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہے۔ اور روایت میں ہے کہ حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی دوری سے آتی ہے۔ اور روایت میں ہے کہ ایسی عورتیں منافقہ ہیں۔ ائمہ سلف وخلف کی ایک بڑی جماعت کا فرمان ہے کہ خلع صرف اسی صورت میں ہے کہ نافرمانی اور سرکشی عورت کی طرف سے ہو۔ اس وقت مرد فدیہ لیکر اس عورت کو الگ کر سکتا ہے۔ جیسے کہ قرآن پاک کی اس آیت میں ہے اس کے سوا اور کسی صورت میں یہ جائز نہیں۔ بلکہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تو فرماتے ہیں کہ اگر عورت کو تکلیف پہنچا کر اس کے حق میں کمی کر کے اسے مجبور کیا گیا اور کچھ مال واپس کیا گیا تو اس کا لوٹا دینا واجب ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب حالت اختلاف میں جائز ہے تو حالت اتفاق میں بطور اولیٰ جائز ٹھیریگا۔ بکر بن عبداللہ کہتے ہیں سرے سے خلع منسوخ ہے کیونکہ قرآن میں ہے وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا۔ یعنی اگر تم نے اپنی بیویوں کو ایک خزانہ بھی دے رکھا ہو تو بھی اس میں سے کچھ بھی نہ لو لیکن یہ قول ضعیف ہے اور مردود ہے۔

آیت کا شانِ نزول

اب آیت کا شانِ نزول سنئے۔ موطا مالک میں ہے کہ حبیبہ بنت سہل انصاریہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بیوی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن صبح کی نماز کے لئے اندھیرے میں نکلے تو

دیکھا کہ دروازے پر حضرت حبیبہؓ کھڑی ہیں۔ آپ نے پوچھا کون ہے؟ کہا میں حبیبہ بنت سہل ہوں۔ فرمایا کیا بات ہے؟ کہا حضور میں ثابت بن قیس کے گھر میں نہیں رہ سکتی یا وہ نہیں یا میں نہیں۔ آپ سُن کر خاموش ہو رہے۔ جب حضرت ثابتؓ آئے آپ نے فرمایا تمھاری بیوی صاحبہ کچھ کہہ رہی ہیں۔ حضرت حبیبہؓ نے کہا حضور میرے خاوند نے مجھے جو دیا ہے وہ سب میرے پاس ہے اور میں اسے واپس کرنے پر آمادہ ہوں۔ آپؐ نے حضرت ثابت کو فرمایا سب لے لو چنانچہ انھوں نے لے لیا اور حضرت حبیبہ آزاد ہو گئیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ثابت نے انھیں مارا تھا اور اس مار سے کوئی ہڈی ٹوٹ گئی تھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جب انھیں یہ فرمایا اُس وقت انھوں نے دریافت کیا کہ کیا میں یہ مال لے سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ کہا میں نے اُسے دو باغ دیئے ہیں یہ واپس دلوا دیجئے چنانچہ وہ مہر کے دونوں باغ واپس کئے گئے اور جدائی ہو گئی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حبیبہؓ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میں اس کے اخلاق اور دین میں کوئی عیب نہیں بیان کرتی لیکن میں اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں چنانچہ مال لیکر حضرت ثابت نے طلاق دیدی۔ بعض روایا میں ان کا نام جمیلہ بھی آیا ہے۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ مجھے اب غیظ و غضب کے برداشت کی طاقت نہیں رہی۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا جو دیا ہے لو زیادہ نہ لینا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت حبیبہؓ نے فرمایا تھا وہ صورت کے اعتبار سے بھی کچھ حسین نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن اُبی کی بہن تھیں اور یہ سب سے پہلا خلع تھا جو اسلام میں ہوا۔ ایک وجہ یہ بھی بیان کی تھی کہ حضرت میں نے ایک مرتبہ خیمے کا پردہ جو اُٹھایا تو دیکھا کہ میرے خاوند چند آدمیوں کے ساتھ آرہے ہیں۔ ان تمام میں یہ سیاہ فام چھوٹے قد والے اور بدصورت تھے۔ حضورؐ کے اس فرمان پر کہ اس کا باغ واپس کر دو حبیبہ نے کہا تھا کہ آپ فرمائیں تو میں کچھ اور بھی دینے کو تیار ہوں۔ اور روایت میں ہے کہ حبیبہؓ نے یہ بھی کہا تھا کہ حضور اگر خدا کا خوف نہ ہوتا تو میں اس کے منہ پر تھوک دیا کرتی۔ جمہور کا مذہب تو یہ ہے کہ خلع میں عورت سے اپنے دیئے ہوئے سے زیادہ لے تو بھی جائز ہے کیونکہ قرآن نے فِيمَا افْتَدَتْ بِهٖ فرمایا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک عورت اپنے خاوند سے ناراض آئی۔ آپ نے فرمایا اسے گندگی والے گھر میں قید کر دو۔ پھر قید خانہ سے اسے بلوایا اور کہا کیا حال ہے؟ اُس نے کہا آرام کی راتیں مجھ پر میری زندگی میں یہی گذری ہیں۔ آپ نے اُس کے خاوند سے فرمایا اس سے خلع کر لے اگرچہ گوشوارہ کے بدلے ہی ہو۔ ایک روایت میں ہے اسے تین دن وہاں قید رکھا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا اگر یہ اپنی چٹیا کی دھجی بھی دے تو لے لے اور اُسے الگ کر دے۔ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں اس کے سوا سب کچھ لیکر بھی خلع ہو سکتا ہے۔ ربیع بنت معوذ بن عفراء فرماتی ہیں میرے خاوند اگر موجود ہوتے تو بھی میرے ساتھ سلوک کرنے میں کمی کرتے اور کہیں چلے جاتے تو بالکل ہی محروم کر دیتے۔ ایک مرتبہ جھگڑے کے موقع پر میں نے کہہ دیا کہ میری ملکیت میں جو کچھ ہے لیلو اور مجھ سے خلع کر لو۔ اس نے ہاں کہا اور یہ معاملہ فیصل ہو گیا لیکن میرے چچا معاذ بن عفراء اس قصہ کو لیکر حضرت عثمانؓ کے پاس گئے۔ حضرت عثمانؓ نے بھی اسے برقرار رکھا اور فرمایا کہ چوٹی کی دھجی چھوڑ کر اور سب کچھ لے لو۔ بعض روایتوں میں ہے یہ بھی اور اس سے چھوٹی چیز بھی غرض سب کچھ لے لو۔ پس مطلب ان واقعات کا یہ ہے کہ یہ دلیل ہے اس پر کہ عورت کے پاس جو کچھ ہے سب کچھ دیکر وہ خلع کرا سکتی ہے اور خاوند اپنی دی ہوئی چیز سے زائد لیکر بھی خلع کر سکتا ہے۔ ابن عمر ابن عباسؓ مجاہد عکرمہ ابراہیم نخعی قبیصہ بن ذویب حسن بن صالح عثمانؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام مالک لیث امام شافعی اور ابو ثور کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں اور اصحاب ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ اگر قصور اور ضرر رسانی عورت کی طرف سے ہو تو خاوند کو جائز ہے کہ جو اُس نے دیا ہے واپس لے لے لیکن اس سے زیادہ لینا جائز نہیں گو زیادہ لے لے تو بھی قضا کے وقت جائز ہو گا اگر خاوند کی اپنی جانب سے زیادتی ہو تو اسے کچھ بھی لینا جائز نہیں گو لے لے تو قضاءً جائز ہو گا۔ امام احمد ابو عبید اور اسحاق بن راہویہؒ فرماتے ہیں کہ خاوند کو اپنے دیئے ہوئے سے زیادہ لینا جائز نہیں۔ سعید بن مسیب عطا عمرو بن شعیب زہری طاؤس حسن شعبی حماد بن ابو سلیمان اور ربیع بن انسؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ معمر اور حاکم کہتے ہیں حضرت علی رضؓ کا بھی یہی فیصلہ ہے اوزاعیؒ کا فرمان ہے کہ قاضیوں کا فیصلہ ہے کہ دیئے ہوئے سے زیادہ لینا ان کے خیال میں جائز نہیں۔ اس مذہب کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو اوپر بیان ہو چکی جس میں ہے کہ اپنا باغ لے لو اور اس سے زیادہ نہ لو۔ مسند عبد بن حمید میں بھی ایک مرفوع حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خلع لینے والی

ع دیانۃً اور قضاءً فقہاء کی دو اصطلاحیں ہیں۔ دیانت کا مطلب تو یہ ہے کہ اگر فتویٰ کسی مسئلہ میں دریافت کیا جائیگا تو مفتی کو یہ جواب دینا چاہیے اور قضاءً کا مطلب یہ ہے کہ قاضی کی عدالت میں اگر پہنچ جائے تو فیصلہ اس طرح ہو گا۔ مطلب یہ ہے کہ دیانۃً اور قضاءً فیصلے کبھی کبھی ایک دوسرے کے خلاف ہو جاتے ہیں ۱۲ انظر شاہ کشمیری

عورت سے اپنے دیئے ہوئے سے زیادہ لینا مکروہ رکھا اور اس صورت میں جو کچھ فدیہ وہ دے کا لفظ جو قرآن میں ہے اس کے معنی یہ ہوں گے کہ دیئے ہوئے میں سے جو کچھ دے کیونکہ اس سے پہلے یہ فرمان موجود ہے کہ تم نے جو انہیں دیا ہے اس میں سے کچھ نہ لو۔ ربیع کی قرأت میں بہ کے بعد منہ کا لفظ بھی ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ حدودِ خدا ہیں ان سے تجاوز نہ کرو ورنہ گنہگار رہو گے (فصل) خلع کو بعض حضرات طلاق میں شمار نہیں کرتے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دیدی ہیں پھر اُس عورت نے خلع کرا لیا ہے تو اگر خاوند چاہے تو اُس سے پھر بھی نکاح کر سکتا ہے اور اس پر دلیل یہی آیت پیش کرتے ہیں یہ قول حضرت ابن عباسؓ کا ہے، حضرت عکرمہؒ بھی فرماتے ہیں کہ یہ طلاق نہیں۔ دیکھو آیت کے اول آخر طلاق کا ذکر ہے پہلے دو طلاقوں کا پھر آخر میں تیسری طلاق کا اور درمیان میں خلع کا ذکر ہے۔ پس معلوم ہوا کہ خلع طلاق نہیں بلکہ فسخ ہے۔ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان اور حضرت ابن عمر طاؤس عکرمہ احمد بن حنبل اسحاق بن راہویہ ابو ثور داؤد بن علی ظاہری کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام شافعیؒ کا بھی قدیم قول یہی ہے اور آیت کے ظاہری الفاظ بھی یہی ہیں بعض دیگر بزرگ فرماتے ہیں کہ خلع طلاق بائن ہے اور اگر ایک سے زیادہ کی نیت ہو گی تو وہ بھی معتبر ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ام بکر اسلمیہ نے اپنے خاوند عبداللہ ابن خالد سے خلع لیا اور حضرت عثمانؓ نے اسے ایک طلاق ہونے کا فتویٰ دیا اور ساتھ ہی فرمایا کہ اگر کچھ نام لیا ہو تو جو کچھ نام لیا ہو وہ ہے لیکن یہ اثر ضعیف ہے واللہ اعلم حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عمرؓ، سعید بن مسیب، حسن، عطا، شریح، شعبی، ابراہیم جابر بن زید، مالک، ابو حنیفہ ان کے ساتھی ثوری، اوزاعی، ابو عثمان بستی کا یہی قول ہے کہ خلع طلاق ہے۔ امام شافعیؒ کا بھی جدید قول یہی ہے۔ ہاں حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر دو طلاقوں کی نیت خلع دینے والے کی ہے تو دو ہو جائیں گی اگر کچھ لفظ نہ کہے اور مطلق خلع ہو تو ایک طلاق بائن ہو گی اگر تین کی نیت ہے تو تین ہو جائیں گی۔ امام شافعیؒ کا ایک اور قول بھی ہے کہ اگر طلاق کا لفظ نہیں اور کوئی دلیل و شہادت بھی نہیں تو وہ بالکل کوئی چیز ہی نہیں

مسئلہ امام ابو حنیفہ شافعی احمد اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کا مسلک ہے کہ خلع کی عدت طلاق کی عدت ہے۔ عمر علی ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور سعید بن مسیب، سلیمان بن یسار، عروہ، سالم، ابو سلمہ، عمر بن عبدالعزیز بن شہاب، حسن، شعبی، ابراہیم نخعی، ابو عیاض خلاس بن عمرو، قتادہ، سفیان ثوری، اوزاعی، لیث بن سعد اور ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی فرمان ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں اکثر اہل علم اسی طرف گئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ چونکہ خلع طلاق ہے پس عدت اس کی مثل عدت طلاق کے ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ صرف ایک حیض اس کی عدت ہے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی فیصلہ ہے۔ ابن عمرؓ گو تین حیض کا فتویٰ دیتے تھے لیکن ساتھ فرما دیا کرتے تھے کہ حضرت عثمانؓ ہم سے بہتر ہیں اور ہم سے بڑے عالم ہیں۔ اور ابن عمرؓ سے ایک حیض کی عدت بھی روایت ہے۔ ابن عباس، عکرمہ، ابان بن عثمان اور تمام وہ لوگ جن کے نام ذکر ہوئے جو خلع کو فسخ کہتے ہیں ضروری ہے کہ ان سب کا قول بھی یہی ہو۔ ابوداؤد اور ترمذی کی حدیث میں بھی یہی ہے کہ ثابت بن قیس کی بیوی صاحبہ کو آپ نے اس صورت میں ایک حیض عدت گذارنے کا حکم دیا تھا۔ ترمذی میں ہے کہ ربیع بنت معوذ کو بھی خلع کے بعد ایک ہی حیض عدت گذارنے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان صادر ہوا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلع والی عورت سے فرمایا تھا کہ تجھ پر عدت ہی نہیں ہاں اگر قریب کے زمانہ میں ہی خاوند سے ملی ہو تو ایک حیض آجانے تک اُس کے پاس ٹھیری رہو۔ مریم مغالیہ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو فیصلہ تھا اُس کی متابعت حضرت امیر المومنین نے کی

مسئلہ جمہور علمائے کرام اور چاروں اماموں کے نزدیک خلع والی عورت سے رجوع کرنے کا حق خاوند کو حاصل نہیں اس لئے کہ اس نے مال دے کر اپنے کو آزاد کرا لیا ہے۔ عبداللہ بن ابی اوفیٰ، ماہان حنفی، سعید اور زہری کا قول ہے کہ اگر واپس لیا ہوا پھیر دے تو حق رجعت حاصل ہے بغیر عورت کی رضامندی کے بھی رجوع کر سکتا ہے۔ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں اگر خلع میں طلاق کا لفظ نہیں تو وہ صرف جدائی ہے اور رجوع کرنے کا حق نہیں اور اگر طلاق کا نام لیا ہے تو بیشک وہ رجعت کا پورا پورا حقدار ہے۔ داؤد ظاہری بھی یہی فرماتے ہیں۔ ہاں سب کا اتفاق ہے کہ اگر دونوں رضامند ہوں تو نیا نکاح عدت کے اندر اندر کر سکتے ہیں۔ ابن عبدالبر ایک فرقہ کا یہ قول بھی حکایت کرتے ہیں کہ عدت کے اندر جس طرح دوسرا کوئی اس سے نکاح نہیں کر سکتا اسی طرح خلع دینے والا خاوند بھی نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ قول شاذ اور مردود ہے۔

مسئلہ اس عورت پر عدت کے اندر اندر دوسری طلاق بھی واقع ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اس میں علماء کے تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ نہیں کیونکہ وہ عورت اپنے نفس کی مالک ہے اور اس خاوند سے الگ ہو گئی ہے۔ ابن عباس، ابن زبیر، عکرمہ، جابر بن زید، حسن بصری، شافعی، احمد، اسحاق، ابو ثور کا یہی قول ہے دوسرا قول امام مالک کا ہے کہ اگر خلع کے ساتھ ہی بغیر خاموش رہے طلاق دیدے تو واقع ہو جائے گی ورنہ نہیں یہ مثل اس کے ہے جو حضرت عثمانؓ سے روایت ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ عدت میں طلاق واقع ہو جائے گی۔ ابو حنیفہ، اُن کے اصحاب، ثوری، اوزاعی، سعید بن مسیب، شریح، طاؤس، ابراہیم، زہری،

حاکم، حکم، حماد کا یہی قول ہے۔ ابن مسعود اور ابو الدرداء سے بھی یہ نقل تو ہے لیکن ثابت نہیں۔ پھر فرماتا ہے یہ خدا کی حدیں ہیں الخ صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ کی حدوں سے آگے نہ بڑھو، فرائض کو ضائع نہ کرو، محارم کی بےحرمتی نہ کرو، جن چیزوں کا ذکر شریعت میں نہیں تم بھی اُن سے خاموش رہو کیونکہ خدا کی ذات بھول چوک سے پاک ہے۔ اس آیت سے استدلال ہے ان لوگوں کا جو کہتے ہیں کہ تینوں طلاقیں ایک مرتبہ ہی دینا حرام ہیں۔ مالکیہ اور اُن کے موافقین کا یہی مذہب ہے ان کے نزدیک سنت طریقہ یہی ہے کہ طلاق ایک ایک دی جائے کیونکہ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ کہا۔ پھر فرمایا کہ یہ حدیں ہیں اللہ کی ان سے تجاوز نہ کرو۔ اس کی تقویت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو سنن نسائی میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ یہ معلوم ہوا کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کو تینوں طلاقیں ایک ساتھ دی ہیں۔ آپ سخت غضبناک ہو کر کھڑے ہوگئے اور فرمانے لگے کیا میری موجودگی میں کتاب اللہ کے ساتھ کھیل کیا جانے لگا یہاں تک کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں تو میں اس شخص کو قتل کر ڈالوں۔ لیکن اس روایت کی سند میں انقطاع ہے۔ پھر ارشاد ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے چکنے کے بعد تیسری بھی دیدے تو وہ اس پر حرام ہو جائے گی یہاں تک کہ دوسرے سے باقاعدہ نکاح ہو ہمبستری ہو پھر وہ مر جائے یا طلاق دیدے۔ پس اگر بغیر نکاح کے مثلاً لونڈی بنا کر گو وطی بھی کرے تو بھی اگلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہو سکتی اسی طرح گو نکاح باقاعدہ ہو لیکن اس دوسرے خاوند نے مجامعت نہ کی ہو تو بھی پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں۔ اکثر فقہاء میں مشہور ہے کہ حضرت سعید بن مسیبؒ مجرد عقد کے حلال کہتے ہیں گو میل نہ ہوا ہو لیکن یہ بات اُن سے ثابت نہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص ایک عورت سے نکاح کرتا ہے اور دخول سے پہلے ہی طلاق بتہ دیدیتا ہے۔ وہ دوسرا نکاح کرتی ہے وہ بھی اسی طرح دخول سے پہلے ہی طلاق دیدیتا ہے تو کیا اگلے خاوند کو اب اُس سے نکاح کرنا حلال ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں نہیں جب تک کہ یہ اُس سے اور وہ اس سے لطف اندوز نہ ہولیں (مسند احمد ابن ماجہ وغیرہ) اس روایت کے راوی حضرت ابن عمر سے خود امام سعید بن مسیب ہیں۔ پس کیسے ممکن ہے کہ وہ روایت بھی کریں اور پھر مخالفت بھی کریں اور پھر وہ بھی بلا دلیل۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ عورت رخصت ہو کر جاتی ہے ایک مکان میں میاں بیوی جاتے ہیں، پردہ ڈال دیا جاتا ہے لیکن صحبت نہیں ہوتی جب بھی یہی حکم ہے۔ خود آپ کے زمانہ میں ایسا واقعہ ہوا آپ سے پوچھا گیا مگر آپ نے پہلے خاوند کی اجازت نہ دی (بخاری مسلم) ایک روایت میں ہے کہ حضرت رفاعہ قرظی کی بیوی صاحبہ تمیمہ بنت وہب کو جب اُنھوں نے آخری تیسری طلاق دیدی تو ان کا نکاح حضرت عبدالرحمٰن بن زبیر رضہ سے ہوا لیکن یہ شکایت لے کر دربار رسالت مآب میں آئیں اور کہا کہ وہ عورت کے مطلب کا نہیں مجھے اجازت ہو کہ میں اپنے اگلے خاوند کے گھر چلی جاؤں آپ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ تمہاری کسی اور خاوند سے مجامعت نہ ہو۔ ان احادیث کی بہت سی سندیں ہیں اور مختلف الفاظ سے روایت ہیں (فصل) یہ یاد رہے کہ مقصود دوسرے خاوند سے یہ ہے کہ خود اُسے رغبت ہو اور ہمیشہ بیوی بنا کر رکھنے کا خواہشمند ہو کیونکہ نکاح سے مقصود یہی ہے۔ یہ نہیں کہ اگلے خاوند کے لئے محض حلال ہو جائے اور بس۔ بلکہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ بھی شرط ہے کہ یہ مجامعت بھی مباح اور جائز طریق پر ہو۔ مثلاً عورت روزے سے نہ ہو، احرام کی حالت میں نہ ہو، اعتکاف کی حالت میں نہ ہو، حیض یا نفاس کی حالت میں نہ ہو۔ اسی طرح خاوند بھی روزے سے نہ ہو محرم یا معتکف نہ ہو اگر طرفین میں سے کسی کی یہ حالت ہو اور پھر گو وطی بھی ہو جائے پھر بھی پہلے شوہر پر حلال نہ ہوگی اسی طرح اگر دوسرا خاوند ذمی ہو تو بھی اگلے مسلم خاوند کے لئے حلال نہ ہوگی کیونکہ امام صاحب کے نزدیک کفار کے آپس کے نکاح باطل ہیں۔ امام حسن بصری رح تو یہ بھی شرط لگاتے ہیں کہ انزال بھی ہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب تک کہ وہ تیرا اور تو اس کا مزہ نہ چکھے۔ اور اگر یہی حدیث ان کے پیش نظر ہو تو چاہئے کہ عورت کی طرف سے بھی یہ شرط معتبر ہو لیکن حدیث کے لفظ عُسَیْلَۃ سے منی مراد نہیں۔ یہ یاد رہے کیونکہ مسند احمد اور نسائی میں حدیث ہے کہ عسیلہ سے مراد جماع ہے۔ اگر دوسرے خاوند کا ارادہ اس نکاح سے یہ ہے کہ یہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے تو ایسے لوگوں کی مذمت بلکہ ملعون ہونے کی تصریح حدیثوں میں آ چکی ہے۔ مسند احمد میں ہے گودنے والی، گدوانے والی، بال ملانے والی ملوانے والی عورتیں ملعون ہیں۔ حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا جاتا ہے اُن پر بھی خدا کی پھٹکار ہے۔ سود خوار اور سود کھلانے والے بھی لعنتی ہیں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں صحابہ کا عمل اسی پر ہے۔ عمر عثمان اور ابن عمر رضہ کا یہی مذہب ہے تابعین فقہاء بھی یہی کہتے ہیں۔ علی بن مسعود اور ابن عباس رضہ کا بھی یہی فرمان ہے۔ اور روایت میں ہے کہ بیاج کی گواہی دینے والوں اور اس کے لکھنے والے پر بھی لعنت ہے۔ زکوٰۃ نہ دینے والوں اور لینے میں زیادتی کرنے

والوں پر بھی لعنت ہے۔ ہجرت کے بعد لوٹ کر اعرابی بننے والے پر بھی پھٹکار ہے۔ نوحہ کرنا بھی ممنوع ہے۔ ایک حدیث میں ہے۔ میں تمہیں بتاؤں کہ اُدھار لیا ہوا سانڈ کونسا ہے۔ لوگوں نے کہا ہاں۔ فرمایا جو حلالہ کرے یعنی طلاق والی عورت سے اس لئے نکاح کرے کہ وہ اگلے خاوند کیلئے حلال ہو جائے۔ اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ اور جو اپنے لئے ایسا کرائے وہ بھی ملعون ہے (ابن ماجہ) ایک روایت میں ہے کہ ایسے نکاح کی بابت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ نکاح ہی نہیں جس میں مقصود اور ہو اور ظاہر اور ہو جس میں خدا کی کتاب کے ساتھ مذاق اور ہنسی ہو۔ نکاح صرف وہی ہے جو رغبت کے ساتھ ہو۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سوال کیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تیسری طلاق دیدی اُس کے بعد اُس کے بھائی نے بغیر اپنے بھائی کے کہے از خود اُس سے اس ارادے سے نکاح کر لیا کہ یہ میرے بھائی کے لئے حلال ہو جائے تو آیا یہ نکاح صحیح ہو گیا۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ ہم تو اُسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زنا شمار کرتے تھے۔ نکاح وہی ہے جس میں رغبت ہو۔ اس حدیث کے اس پچھلے جملے نے اسے گو یہ موقوف ہے حکم میں مرفوع کے کر دیا۔ بلکہ ایک اور روایت میں ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضؓ نے فرمایا۔ اگر کوئی ایسا کرے گا یا کرائے گا تو میں دونوں کو زنا کی حد لگاؤں گا۔ یعنی رجم کر دوں گا۔ خلیفۂ وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایسے نکاح میں تفریق کر دی۔ اسی طرح حضرت علی اور حضرت ابن عباس وغیرہ بہت سے صحابہ کرام سے بھی یہی مروی ہے رضی اللہ عنہم۔

پھر فرمان ہے کہ اگر دوسرا خاوند نکاح اور وطی کے بعد طلاق دیدے تو پہلے خاوند پر پھر اسی عورت سے نکاح کر لینے میں گناہ نہیں جبکہ یہ اچھی طرح گذر اوقات کر لیں اور یہ بھی جان لیں کہ وہ دوسرا نکاح صرف دھوکا اور مکر و فریب کا نہ تھا بلکہ حقیقت تھی۔ یہ ہیں احکام شرعی جنہیں علم والوں کے لئے خدا نے واضح کر دیئے۔ ائمہ کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو یا ایک طلاق دیدی پھر چھوڑے رہا یہاں تک کہ وہ عدت سے نکل گئی۔ پھر اس نے دوسرے سے گھر بسا لیا اُس سے ہمبستری بھی ہوئی۔ پھر اس نے بھی طلاق دیدی اور اس کی عدت ختم ہو چکی۔ پھر اگلے خاوند نے اس سے نکاح کر لیا تو کیا اُسے تین میں سے جو طلاقیں یعنی ایک یا دو جو باقی ہیں صرف اُنہی کا اختیار رہے گا یا پہلے کی تین طلاقیں گنتی سے ساقط ہو جائینگی اور اس سے از سر نو تینوں طلاقوں کا حق حاصل ہو جائے گا۔ پہلا مذہب تو ہے امام مالک امام شافعی اور امام احمد رحؒ کا اور صحابہؓ کی ایک جماعت کا۔ اور دوسرا مذہب ہے امام ابو حنیفہ رحؒ اور اُن کے ساتھیوں کا اور ان کی دلیل یہ ہے کہ جب اس طرح تیسری طلاق ہی گنتی میں نہیں آتی تو پہلی دوسری کیا آئے گی۔ واللہ اعلم۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ

اور جب تم نے عورتوں کو (رجعی) طلاق دی ہو پھر وہ اپنی عدت گذرنے کے قریب پہنچ جاویں تو (یا تو) تم ان کو قاعدہ کے موافق (رجعت کر کے) نکاح میں رہنے دو یا قاعدہ کے موافق ان کو

بِمَعْرُوفٍ م وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا ج وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ

رہائی دو اور ان کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے مت رکھو اس ارادہ سے کہ ان پر ظلم کیا کرو گے۔ اور جو شخص ایسا (برتاؤ) کرے گا

فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ط وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ

سو وہ اپنا ہی نقصان کرے گا اور حق تعالیٰ کے احکام کو لہو و لعب (کی طرح بے وقعت) مت سمجھو اور حق تعالیٰ کی جو تم پر نعمتیں ہیں

عَلَيْكُمْ وَمَا أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُم بِهِ ط

ان کو یاد کرو اور (خصوصاً) اُس کتاب اور (مضامین) حکمت کو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر اس حیثیت سے نازل فرمائی ہیں کہ تم کو ان کے ذریعے سے نصیحت فرماتے ہیں

۲۹ ع۳ ۱۳ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (ع۳)

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں

عورت کو پریشان کرنا شرعاً ناجائز ہے

مردوں کو حکم ہو رہا ہے کہ جب وہ اپنی بیویوں کو طلاق دیں جن طلاقوں میں لوٹا لینے کا

حق اُنھیں حاصل ہے اور عدت ختم ہونے قریب پہنچ جائے تو یا تو عمدگی کے ساتھ لوٹالے یعنی رجعت پر گواہ مقرر کرے اور اچھائی سے بسانے کی نیت رکھے یا اُسے عمدگی سے چھوڑ دے اور عدت ختم ہونے کے بعد اپنے ہاں سے بغیر اختلاف جھگڑے دشمنی اور بدزبانی کے نکال دے۔ جاہلیت کے اس دستور کو اسلام نے ختم کر دیا جو اُن میں تھا کہ طلاق دیدی عدت ختم ہونے کے قریب رجوع کر لیا پھر طلاق دیدی پھر رجوع کر لیا یونہی اس دکھیا عورت کی عمر برباد کر دیتے تھے کہ نہ وہ سہاگن ہی رہے نہ رانڈ تو اس سے خدا نے روکا اور فرمایا کہ ایسا کرنے والا ظالم ہے۔ پھر فرمایا اللہ کی آیتوں کو ہنسی نہ بناؤ۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشعری قبیلہ پر ناراض ہوئے تو حضرت ابو موسیٰ اشعری نے حاضر خدمت ہو کر سبب دریافت کیا آپ نے فرمایا کیوں یہ لوگ کہدیا کرتے ہیں کہ میں نے طلاق دی میں نے رجوع کیا یاد رکھو مسلمانوں کی یہ طلاقیں نہیں۔ عورتوں کو عدت کے مطابق طلاقیں دو۔ یہ بھی مطلب کہا گیا کہ یہ وہ شخص ہے جو بلا وجہ طلاق دے اور عورت کو ضرر پہنچانے کے لئے اور اس کی عدت لمبی کرنے کے لئے رجوع ہی کرتا چلا جائے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ وہ شخص ہے جو طلاق دے یا آزاد کرے یا نکاح کرے پھر کہدے کہ میں نے تو ہنسی ہنسی میں یہ کیا۔ ایسی صورتوں میں یہ تینوں کام فی الحقیقت واقع ہو جائیں گے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی پھر کہدیا کہ میں نے تو مذاق کیا تھا۔ اس پر یہ آیت اُتری۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ طلاق ہو گئی (ابن مردویہ) حسن بصری رح فرماتے ہیں۔ لوگ طلاق دیتے اور آزاد کر دیتے' نکاح کر لیتے اور پھر کہدیتے کہ ہم نے بطور دل لگی کے یہ کیا تھا۔ اس پر یہ آیت اُتری اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو طلاق دے یا غلام آزاد کرے یا نکاح کرے یا کرا دے خواہ پختگی کے ساتھ خواہ ہنسی مذاق میں وہ سب ہو گیا (ابن ابی حاتم) یہ حدیث مرسل اور موقوف کئی سندوں سے مروی ہے۔ ابو داؤد' ترمذی اور ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ تین چیزیں ہیں کہ پکّے ارادے سے ہوں تو اور دل لگی سے ہوں تو تینوں ہی ثابت ہو جائیں گی۔ نکاح طلاق اور رجعت۔ امام ترمذی اسے حسن غریب کہتے ہیں۔ اللہ کی نعمت یاد کرو کہ اُس نے رسول بھیج ہدایت اور دلیلیں نازل فرمائیں' کتاب اور سنّت سکھائی' حکم بھی کئے منع بھی کئے وغیرہ وغیرہ جو کام کرو اور جو نہ کرو۔ ہر ایک میں خدا سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر پوشیدگی اور ہر ظاہر داری کو بخوبی جانتا ہے۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ

اور جب تم میں سے ایسے لوگ پائے جائیں کہ وہ اپنی بیبیوں کو طلاق دیدیں پھر وہ عورتیں اپنی میعاد (عدت) بھی پوری کر چکیں تم اُن کو اس امر سے مت روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کر لیں

اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ

جب کہ باہم سب رضامند ہو جاویں قاعدہ کے موافق اس مضمون سے نصیحت کی جاتی ہے اس شخص کو جو کہ تم میں سے اللہ پر اور روز قیامت پر یقین

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ①

رکھتا ہو اس نصیحت کو قبول کرنا تمہارے لئے زیادہ صفائی اور زیادہ پاکی کی بات ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے۔

نکاح ثانی سے عورت کو روکنا جرم ہے

اس آیت میں عورتوں کے ولی وارثوں کو ممانعت ہو رہی ہے کہ جب کسی عورت کو طلاق ہو جائے اور عدت بھی گذر جائے پھر میاں بیوی رضامندی سے نکاح کرنا چاہیں تو وہ انہیں نہ روکیں۔ اس آیت میں دلیل ہے اس امر کی بھی کہ عورت خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی اور نکاح بغیر ولی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ترمذی اور ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث پیش کی ہے کہ عورت عورت کا نکاح نہیں کر سکتی نہ عورت اپنا نکاح آپ کر سکتی ہے۔ وہ عورتیں زناکار ہیں جو اپنا نکاح آپ کر لیں۔ دوسری حدیث میں ہے نکاح بغیر راہ یافتہ کے اور دو عادل گواہوں کے نہیں۔ گو اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے لیکن اس کے بیان کی جگہ تفسیر نہیں۔ ہم اس کا بیان کتاب الاحکام میں کر چکے ہیں؎۔ فالحمد للہ۔ یہ آیت حضرت معقل بن یسار رضؓ اور ان کی ہمشیرہ صاحبہؓ کے بارے میں

؎ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہی ہے کہ عورت خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ عاقل بالغ لڑکی کو اس کے نکاح کی اجازت اس طرح بھی دیتے ہیں کہ وہ خود اپنا نکاح کرلے۔ یہ آیت صاف ابو حنیفہ الامام کے مذہب کی تائید کرتی ہے کیونکہ اس میں نکاح کرنے کی نسبت عورت کی جانب کی گئی ہے مگر ابن کثیرؒ اسی آیت کو اپنے مذہب کی حجت کھینچ تان کر بنا رہے ہیں ۱۲ انظر شاہ کشمیری ۔

نازل ہوئی ہے۔ صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر کے بیان میں ہے کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ میری بہن کا رشتہ میرے پاس آتا تھا۔ میں نے نکاح کر دیا۔ اس نے کچھ دنوں بعد طلاق دیدی۔ پھر عدت گذرنے کے بعد نکاح کی درخواست کی۔ میں نے انکار کیا اس پر یہ آیت اتری۔ جسے سُن کر حضرت معقل رضہ نے باوجودیکہ قسم کھا رکھی تھی کہ میں تیرے نکاح میں نہ دوں گا۔ نکاح پر آمادہ ہو گئے۔ اور کہنے لگے میں نے خدا کا فرمان سُنا اور میں نے مان لیا اور اپنے بہنوئی کو بلا کر دوبارہ نکاح کرا دیا۔ اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا۔ ان کا نام جمیل بنت یسار رضہ تھا۔ ان کے خاوند کا نام ابو البداح تھا۔ بعض نے ان کا نام فاطمہ بنت یسار بتایا ہے۔ سدی رحہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت جابر بن عبد اللہ اور اُن کے چچا کی بیٹی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ لیکن پہلی بات ہی زیادہ صحیح ہے۔ پھر فرمایا یہ نصیحت و وعظ ان کے لئے ہے جنھیں شریعت پر ایمان ہو خدا کا ڈر ہو، قیامت کا خوف ہو۔ انھیں چاہیے کہ اپنی ولایت میں جو عورتیں ہوں انھیں ایسی حالت میں نکاح سے نہ روکیں۔ شریعت کی اتباع کر کے ایسی عورتوں کو ان کے خاوندوں کے نکاح میں دیدینا اور اپنی حمیت و غیرت کو جو خلاف شرع ہو شریعت کے ماتحت کر دینا ہی تمھارے لئے بہتری اور پاکیزگی کا باعث ہے ان مصلحتوں کا علم جناب باری کو ہی ہے تمھیں نہیں معلوم کہ کس کام کے کرنے میں بھلائی ہے اور کس کے چھوڑنے میں۔ یہ علم حقیقت میں خدا ہی کو ہے۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ

اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلایا کریں یہ بات اس کے لیے ہے جو کوئی شیر خوارگی کی تکمیل کرنا چاہے

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا

اور جس کا بچہ ہے (یعنی باپ) اُس کے ذمہ ہے اُن (ماؤں) کا کھانا اور کپڑا قاعدہ کے موافق۔ کسی شخص کو حکم نہیں دیا جاتا مگر

وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ

اس کی برداشت کے موافق۔ کسی ماں کو تکلیف نہ پہنچانا چاہیے اُس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ کسی باپ کو تکلیف دینی چاہیئے اُس کے بچہ کی وجہ سے اور مثل طریق مذکور کے

مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ

اُس کے ذمہ ہے جو وارث ہو۔ پھر اگر دونوں دودھ چھڑانا چاہیں اپنی رضامندی اور مشورہ سے تو دونوں پر کسی قسم کا گناہ نہیں۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ

اور اگر تم لوگ اپنے بچوں کو کسی اور انّا کا دودھ پلوانا چاہو تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ ان کے حوالہ کر دو جو کچھ

اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ②

ان کو دینا کیا ہے قاعدہ کے موافق۔ اور حق تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ حق تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کو خوب دیکھ رہے ہیں۔

شیر خوارگی کی مدت، احکام و مسائل

یہاں اللہ تعالیٰ بچوں والیوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ پوری مدت دودھ پلانے کی دو سال ہے۔ اس کے بعد دودھ پلانے کا کوئی اعتبار نہیں۔ نہ اس سے رضاعت کے احکام ثابت ہوتے ہیں اور نہ حرمت ہوتی ہے۔ اکثر ائمۂ کرام کا یہی مذہب ہے۔ ترمذی میں باب ہے کہ رضاعت جو حرمت ثابت کرتی ہے وہ وہی ہے جو دو سال سے پہلے کی ہو۔ پھر حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وہی رضاعت حرام کرتی ہے جو آنتوں کو پُر کر دے اور دودھ چھٹنے سے پہلے ہو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اکثر اہل علم صحابہ رضہ وغیرہ کا اسی پر عمل ہے کہ دو سال سے پہلے کی رضاعت تو معتبر ہے اس کے بعد کی نہیں۔ اس حدیث کے راوی شرط صحیحین پر ہیں۔ حدیث میں فِی الثَّدْيِ کا جو لفظ ہے اس کے معنے بھی محل رضاعت کے یعنی دو سال سے پہلے کے ہیں یہی لفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت بھی فرمایا تھا جب آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضہ کا انتقال ہوا تھا کہ وہ شیر خوارگی کی مدت میں انتقال کر گئے ہیں اور انھیں دودھ پلانے والی جنت میں مقرر ہے۔ حضرت ابراہیم کی عمر اس وقت ایک سال اور دس مہینے کی تھی۔ دارقطنی میں ایک

حدیث دو سال کی مدت کے بعد کی رضاعت کے معتبر نہ ہونے کی ہے۔ ابن عباسؓ بھی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کوئی چیز نہیں۔ ابوداؤد طیالسی کی روایت میں ہے کہ دودھ چھوٹ جانے کے بعد رضاعت نہیں اور بلوغت کے بعد یتیمی کا حکم نہیں۔ خود قرآن کریم میں اور جگہ ہے فِصَالُهٗ فِيْ عَامَيْنِ الخ دودھ چھوٹنے کی مدت دو سال میں ہے۔ اور جگہ ہے وَحَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا یعنی حمل اور دودھ (دونوں کی مدت) تیس ماہ ہیں۔ یہ قول کہ دو سال کے بعد دودھ پلانے اور پینے سے رضاعت کی حرمت ثابت نہیں ہوتی ان تمام حضرات کا ہے۔ حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم، حضرت سعید بن المسیبؒ، حضرت عطا اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام اسحٰقؒ، امام ثوریؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام مالکؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ گو ایک روایت میں امام مالکؒ سے دو سال دو ماہ بھی نقل ہیں، اور ایک روایت میں دو سال تین ماہ بھی ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ ڈھائی سال کی مدت بتلاتے ہیں۔ زفر کہتے ہیں جب تک دودھ نہیں چھٹا تو تین سال تک کی مدت ہے۔ امام اوزاعی سے یہ بھی روایت ہے کہ اگر کوئی بچہ دو سال سے پہلے دودھ چھٹا لیا جائے پھر اس کے بعد کسی عورت کا دودھ وہ پیے تو بھی حرمت ثابت نہ ہوگی اس لئے کہ اب قائم مقام خوراک کے ہو گیا۔ امام اوزاعیؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ دودھ چھٹا لینے کے بعد رضاعت نہیں۔ اس قول کے دونوں مطلب ہو سکتے ہیں۔ یعنی یا تو یہ کہ دو سال کے بعد یا یہ کہ جب بھی اس سے پہلے دودھ چھوٹ گیا۔ اس کے بعد جیسے امام مالکؒ کا فرمان ہے۔ واللہ اعلم۔ ہاں صحیح بخاری صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ وہ اس کے بعد کی بلکہ بڑے آدمی کی رضاعت کو حرمت میں مؤثر جانتی ہیں۔ عطا اور لیث کا بھی یہی قول ہے حضرت عائشہؓ جس شخص کا آنا جانا کہیں ضروری جانتیں وہاں حکم دیتیں کہ وہ عورتیں اسے اپنا دودھ پلائیں۔ اور اس حدیث سے دلیل پکڑتی تھیں کہ حضرت سالم کو جو حضرت ابو حذیفہ کے مولیٰ تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ وہ اپنی بیوی صاحبہ کا دودھ پی لیں۔ حالانکہ وہ بڑی عمر کے تھے اور اس رضاعت کی وجہ سے پھر وہ برابر آتے جاتے رہتے تھے لیکن حضورؐ کی دوسری ازواج مطہرات اس کا انکار کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ یہ حکم خاص انہی کے لئے تھا ہر شخص کے لئے یہ حکم نہیں۔ یہی مذہب جمہور کا ہے یعنی ائمہ اربعہ اور فقہائے سبعہ کا تمام بڑے صحابہ کرام اور تمام امہات المؤمنین کا سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے۔ اور ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری و مسلم میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا دیکھ لیا کرو کہ تمہارے بھائی کون ہیں۔ رضاعت اس وقت ہے جب دودھ بھوک مٹا سکتا ہو۔ باقی رضاعت کا پورا مسئلہ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْۤ اَرْضَعْنَكُمْ کی تفسیر میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ پھر فرمان ہے کہ بچوں کی ماں کا نان نفقہ بچوں کے والد پر ہے۔ اپنے اپنے شہروں کی عادت اور دستور کے مطابق ادا کریں نہ تو زیادتی ہو نہ کمی بلکہ حسب طاقت و وسعت درمیانی خرچ دے دیا کریں جیسے فرمایا لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ یعنی کشادگی والے اپنی کشادگی کے مطابق اور تنگی والے اپنی تنگی کے مطابق دیں۔ اللہ تعالیٰ طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ عنقریب اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد آسانی کر دے گا۔ ضحاک فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس کے ساتھ بچہ بھی ہے تو اس کی شیر خوارگی کے زمانہ تک کا خرچ اس مرد پر واجب ہے۔ پھر ارشاد باری ہے کہ عورت اپنے بچے کو دودھ پلانے سے انکار کر کے اس کے والد کو تنگی میں نہ ڈالے بلکہ بچہ کو دودھ پلاتی رہے اس لئے کہ یہی اس کی گذران کا سبب ہے۔ دودھ سے جب بچہ بے نیاز ہو جائے تو بیشک بچہ کو دیدے لیکن پھر بھی نقصان رسانی کا ارادہ نہ ہو اسی طرح خاوند اس سے جبراً بچے کو الگ نہ کرے جس سے وہ غریب دکھ میں پڑے۔

وارث کو بھی یہی چاہئے کہ بچے کی والدہ کو خرچ سے تنگ نہ کرے اس کے حقوق کی نگہداشت کرے اور اسے ضرر نہ پہنچائے حنفیہ اور حنبلیہ میں سے جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ رشتہ داروں میں سے بعض کا نفقہ بعض پر واجب ہے انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے حضرت عمر بن خطاب اور جمہور سلف صالحین سے یہی مروی ہے۔ سمرہ والی مرفوع حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے جس میں ہے کہ جو شخص اپنے کسی محرم رشتہ دار کا مالک ہو جائے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ یہ بھی یاد رہے کہ دو سال کے بعد دودھ پلانا بچہ کو نقصان دیتا ہے یا تو جسمانی یا دماغی۔ حضرت علقمہؓ نے ایک عورت کو دو سال سے بڑے بچے کو دودھ پلاتے ہوئے دیکھ کر منع فرمایا۔ پھر فرماتا ہے اگر یہ رضامندی اور مشورہ سے دو سال کے اندر اندر جب کبھی بھی دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی حرج نہیں۔ ہاں ایک کی رضامندی بغیر دوسرے کی رضامندی ناکافی ہوگی یہ بچے کی حفاظت اور اس کی

نگرانی کی ترکیب ہے۔ خیال فرمایئے کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں پر کس قدر رحیم وکریم ہے کہ چھوٹے بچوں کے والدین کو ان کاموں سے روک دیا جس میں بچوں کی بربادی کا خوف تھا اور وہ حکم دیا جس سے ایک طرف بچے کی حفاظت اور دوسری جانب ماں باپ کی بھی اصلاح ہو سورۂ طلاق میں فرمایا فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ الخ اگر عورتیں بچے کو دودھ پلایا کریں تو تم ان کی اجرت بھی ادا کر دیا کرو اور آپس میں عمدگی کے ساتھ معاملہ رکھو۔ یہ اور بات ہے کہ تنگی کے وقت کسی اور سے دودھ پلوا دو۔ چنانچہ یہاں بھی فرمایا۔ اگر والدہ اور والد متفق ہو کر کسی عذر کی بنا پر کسی اور سے دودھ شروع کرائیں اور پہلے کی اجرت کامل طور پر والد والدہ کو دیدے تو بھی دونوں پر کوئی گناہ نہیں۔ اب دوسری کسی دایہ سے اجرت چکا کر دودھ پلوا دیں۔ لوگو! اللہ تعالیٰ سے ہر امر میں ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ تمہارے اقوال وافعال کو وہ بخوبی جانتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ

اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جاتے ہیں اور بیبیاں چھوڑ جاتے ہیں وہ بیبیاں اپنے آپ کو (نکاح وغیرہ سے) روکے رکھیں چار مہینے

اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ج فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ

اور دس دن پھر جب اپنی میعاد (عدت) ختم کریں تو تم کو بھی کچھ گناہ نہ ہوگا ایسی بات میں کہ وہ عورتیں اپنی ذات کے لئے کچھ کارروائی (نکاح کی) کریں

بِالْمَعْرُوْفِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۳﴾

قاعدہ کے موافق اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام افعال کی خبر رکھتے ہیں۔

عدت اور اس کے احکام

اس آیت میں حکم ہو رہا ہے کہ عورتیں اپنے خاوندوں کے انتقال کے بعد چار مہینے دس رات عدت گذاریں خواہ ان سے مجامعت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ اس بات پر اجماع ہے۔ دلیل اس کی ایک تو اس آیت کا عموم۔ دوسرے یہ حدیث جو مسند احمد اور سنن میں ہے جسے ترمذی رحمۃ اللہ علیہ صحیح کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوتا ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اس سے مجامعت نہیں کی تھی نہ مہر مقرر ہوا تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ فرمایئے اس کی نسبت کیا فتویٰ ہے جب کئی مرتبہ وہ آئے تو آپ نے فرمایا میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں اگر ٹھیک ہو تو خدا کی طرف سے جانو اور اگر خطا ہو تو میرے اور شیطان کی طرف سے سمجھو۔ اللہ رسول اس سے بری ہیں۔ میرا فتویٰ یہ ہے کہ اس عورت کو اس کے خاندان کے دستور کے مطابق پورا مہر دیا جائے۔ اس میں کوئی کمی بیشی نہ ہو اور اس عورت کو پوری عدت گذارنی چاہیئے اور اُسے وراثت بھی ملے گا۔ یہ سُن کر حضرت معقل بن یسار اشجعی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے بروع بنت واشق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فیصلہ کیا تھا۔ حضرت عبداللہ یہ سُن کر بہت ہی خوش ہوئے۔ بعض روایات میں ہے کہ اشجع کے بہت سے لوگوں نے یہ روایت بیان کی ہاں جو عورت اپنے خاوند کی وفات کے وقت حمل سے ہو اس کیلئے یہ عدت نہیں۔ اس کی عدت وضع حمل ہے۔ گو انتقال کی ایک ساعت کے بعد ہی ہو جائے۔ قرآن میں ہے۔ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔ حمل والیوں کی عدت وضع حمل ہے۔ ہاں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ وضع حمل اور چار مہینے دس دن جب جو دیر کی عدت ہو وہ حاملہ کی عدت ہے یہ قول تو بہت اچھا ہے اور دونوں آیتوں میں اس سے تطبیق بھی عمدہ طور پر ہو جاتی ہے لیکن اس کے خلاف صحیحین کی ایک صاف اور صریح حدیث موجود ہے جس میں ہے کہ حضرت سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خاوند کا جب انتقال ہوا اس وقت آپ حمل سے تھیں اور چند راتیں ہی گذرنا پائی تھیں تو بچہ تولد ہوا۔ جب نہا دھو چکیں تو لباس وغیرہ اچھا پہن لیا۔ حضرت ابو السنابل بن بعکک نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ کیا تم نکاح کرنا چاہتی ہو؟ خدا کی قسم جب تک چار مہینے دس دن نہ گذر جائیں تم نکاح نہیں کر سکتیں۔ حضرت سبیعہ یہ سُن کر خاموش ہو گئیں اور شام کے وقت خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئیں اور مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ جب بچہ ہو گیا اسی وقت تم عدت سے نکل گئیں۔ اب اگر تم چاہو تو بیشک نکاح کر سکتی ہو۔ یہ بھی مروی ہے کہ جب حضرت عبداللہ کو اس حدیث کا علم ہوا تو آپ نے بھی اپنے قول سے رجوع کر لیا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہ رض کے ساتھی اور شاگرد بھی اسی حدیث کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اسی طرح لونڈی کی عدت بھی اتنی نہیں اس کی

عدت اس سے آدھی ہے یعنی دو مہینے اور پانچ راتیں۔ جمہور کا مذہب یہی ہے۔ جس طرح لونڈی کی حد بہ نسبت آزاد عورت کے آدھی ہے اسی طرح عدت بھی۔ محمد بن سیرین اور بعض علمائے ظاہر یہ لونڈی کی اور آزاد عورت کی عدت میں برابری کے قائل ہیں۔ اُن کی دلیل ایک تو آیت کا عموم ہے۔ دوسرے یہ کہ عدت ایک جبلی امر ہے جس میں تمام عورتیں یکساں ہیں۔ حضرت سعید بن مسیب ابوالعالیہ وغیرہ فرماتے ہیں اس عدت میں حکمت یہ ہے کہ اگر عورت کو حمل ہوگا تو اس مدت میں بالکل ظاہر ہو جائے گا۔ حضرت ابن مسعودؓ کی صحیحین والی مرفوع حدیث میں ہے کہ انسان کی پیدائش کا یہ حال ہے کہ چالیس دن تک تو رحم مادر میں نطفہ کی شکل میں ہوتا ہے پھر خون بستہ کی شکل چالیس دن رہتی ہے پھر چالیس دن تک گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے اور وہ اس میں روح پھونکتا ہے۔ تو یہ ایک سَو بیس دن ہوئے جس کے چار مہینے ہوئے۔ دس دن احتیاطاً اور رکھ دیئے کیونکہ بعض مہینے انتیس دن کے بھی ہوتے ہیں۔ اور جب روح پھونک دی گئی تو اب بچہ کی حرکت محسوس ہونے لگتی ہے اور حمل بالکل ظاہر ہو جاتا ہے اس لئے اتنی عدت مقرر کی گئی واللہ اعلم۔ سعید بن مسیب فرماتے ہیں دس دن اس لئے ہیں کہ روح انہی دنوں میں پھونکی جاتی ہے۔ ربیع بن انسؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت امام احمدؒ سے ایک روایت میں یہ بھی مروی ہے کہ جس لونڈی سے بچہ ہو جائے اس کی عدت بھی آزاد عورت کے برابر ہے اس لئے کہ وہ فراش بن گئی۔ اور اس لئے بھی کہ مسند احمد میں حدیث ہے حضرت عمرو بن عاص نے فرمایا۔ لوگو! سنت نبوی کو ہم پر خلط ملط نہ کرو۔ اولاد والی لونڈی کی عدت جبکہ اس کا سردار فوت ہو جائے چار مہینے دس دن ہیں۔ یہ حدیث ایک اور طریق سے بھی ابوداؤد میں مروی ہے۔ امام احمدؒ اس حدیث کو منکر بتلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے ایک راوی قبیصہ نے اپنے استاد عمر سے یہ روایت نہیں سُنی۔ حضرت سعید بن مسیبؒ مجاہدؒ سعید بن جبیرؒ حسن ابن سیرینؒ ابو عیاض زہری اور عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہی قول ہے۔ یزید بن عبدالملک بن مروان جو امیر المومنین تھے یہی حکم دیتے تھے۔ اوزاعی اسحٰق بن راہویہ احمد بن حنبل بھی ایک روایت میں یہی فرماتے ہیں لیکن طاؤس اور قتادہ اس کی عدت بھی آدھی بتلاتے ہیں یعنی دو ماہ پانچ راتیں۔ ابو حنیفہؒ اُن کے ساتھی حسن بن صالح بن حی فرماتے ہیں تین حیض عدت گذارے۔ حضرت علی ابن مسعود عطا اور ابراہیم نخعی کا قول بھی یہی ہے۔ امام مالکؒ امام شافعی اور امام احمدؒ کی مشہور روایت میں یہ ہے کہ اس کی عدت ایک حیض ہی ہے۔ ابن عمر شعبی مکحول لیث ابو عبیدؒ ابو ثور اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ حضرت لیث فرماتے ہیں کہ اگر حیض کی حالت میں اس کا سید فوت ہوا ہے تو اسی حیض کا ختم ہو جانا اس کی عدت کا ختم ہو جانا ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں اگر حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے عدت گذارے۔ امام شافعی اور جمہور فرماتے ہیں۔ ایک مہینہ اور تین دن مجھے زیادہ پسند ہیں۔ واللہ اعلم۔ زاں بعد جو ارشاد فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوگ واجب ہے۔ صحیحین میں حدیث ہے کہ جو عورت خدا پر اور قیامت پر ایمان رکھتی ہو اُسے تین دن سے زیادہ کسی میت پر سوگواری کرنا حرام ہے۔ ہاں خاوند پر چار مہینے دس دن سوگوار رہے۔ ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میری بیٹی کا میاں مر گیا ہے اور اس کی آنکھیں دُکھ رہی ہیں کیا میں اس کے سُرمہ لگا دوں۔ آپ نے فرمایا نہیں دو تین مرتبہ اس نے اپنا سوال دہرایا اور آپ نے یہی جواب دیا۔ آخر ش فرمایا یہ تو چار مہینے اور دس دن ہی ہیں جاہلیت میں تو تم سال سال بھر بیٹھی رہا کرتی تھیں۔ حضرت زینب بنت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ پہلے جب کبھی کسی عورت کا خاوند مر جاتا تھا تو اُسے کسی جھونپڑے میں ڈال دیتے تھے وہ بدترین کپڑے پہنتی خوشبو وغیرہ سے الگ رہتی اور سال بھر تک اسی بُرے حال میں رہتی تھی سال بھر کے بعد نکلتی اور اونٹ کی مینگنی لیکر پھینکتی اور کسی جانور مثلاً گدھے یا بکری یا پرندے کے جسم کے ساتھ اپنے جسم کو رگڑتی بسا اوقات وہ مر ہی جاتی۔ یہ تھی زمانہ جاہلیت کی رسم۔ پس یہ آیت اس کے بعد کی آیت کے لئے ناسخ ہے جس میں ہے کہ ایسی عورتیں سال بھر تک رُکی رہیں۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ یہی فرماتے ہیں لیکن یہ بات غور طلب ہے اسکی تفصیل عنقریب آئیگی انشاء اللہ تعالیٰ۔ مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ میں رانڈ عورت کو زینت اور خوشبو اور بہت بھڑکیلے کپڑے اور زیور وغیرہ پہننا منع ہے اور یہ سوگواری واجب ہے۔ ہاں ایک قول یہ بھی ہے کہ طلاق رجعی کی عدت میں یہ واجب نہیں۔ اور جب طلاق بائن ہو تو وجوب اور عدم وجوب کے دونوں قول ہیں۔ شوہر کے انتقال کی صورت میں تو تمام بیبیوں پر یہ سوگواری واجب ہے خواہ بالغہ ہوں خواہ وہ عورتیں ہوں جو زمانہ حیض اور توالد و تناسل کی حد سے گذر چکی ہوں یا آزاد عورتیں ہوں لونڈیاں ہوں یا مسلمان عورتیں ہوں یا کافرہ ہوں کیونکہ آیت میں عام حکم ہے۔ ہاں ثوری اور ابو حنیفہؒ کافرہ عورت کی سوگواری کے قائل نہیں۔ اشہب اور ابن نافع کا قول بھی یہی ہے ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ جو عورت خدا پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو الخ پس معلوم ہوا کہ یہ حکم تعبدی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور ثوریؒ کم سن نابالغہ عورت کے لئے بھی یہی فرماتے ہیں کیونکہ وہ غیر مکلف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب مسلمان لونڈی کو اس میں ملاتے ہیں لیکن ان مسائل کے تصفیہ کا یہ موقع نہیں۔ واللہ الموفق بالصواب۔

پھر فرمایا جب ان کی عدت گذر چکے تو ان کے اولیاء پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ عورتیں اپنا بناؤ چناؤ کریں یا نکاح کرلیں یہ سب ان کے لئے حلال طیب ہے۔ حسن زہری اور سدی سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ

اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا جو ان مذکورہ عورتوں کو پیغام (نکاح) دینے کے بارے میں کوئی بات اشارۃً کہو یا اپنے دل میں (ارادہ نکاح کو) پوشیدہ رکھو

عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا

اللہ تعالیٰ کو یہ بات معلوم ہے کہ تم ان عورتوں کا (ضرور) ذکر مذکور کرو گے لیکن ان سے نکاح کا وعدہ (اور گفتگو) مت کرو مگر یہ کہ کوئی بات

قَوْلًا مَعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۚ وَاعْلَمُوا

قاعدہ کے موافق کہو اور تم تعلق نکاح (فی الحال) کا ارادہ بھی مت کرو یہانتک کہ عدت مقررہ اپنی ختم و نہ پہنچ جاوے اور یقین رکھو

أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ (۲۳۵) ۳۰ ع ۱۴

اس کا کہ اللہ تعالیٰ کو اطلاع تمہارے دلوں کی بات کی ہے سو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ معاف بھی کرنے والے ہیں حلیم بھی ہیں۔

زمانۂ عدت میں نکاح کی خواہش مبہم الفاظ میں ہونی چاہیئے

مطلب یہ ہے کہ صراحت کے بغیر نکاح کی خواہش کا اظہار کسی اچھے طریق پر عدت کے اندر کرنے میں گناہ نہیں، مثلاً یوں کہنا کہ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں، میں ایسی ایسی عورت کو پسند کرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ خدا میرا جوڑا بھی ملا دے، انشاء اللہ میں تیرے سوا دوسری عورت سے نکاح کا ارادہ نہیں کروں گا، میں کسی نیک دیندار عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ اسی طرح اس عورت سے جسے طلاق بائن مل چکی ہو عدت کے اندر ایسے مبہم الفاظ کہنا بھی جائز ہیں جیسے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا تھا جبکہ ان کے خاوند ابو عمرو بن حفص نے انہیں آخری تیسری طلاق دیدی تھی کہ جب تم عدت ختم کرو تو مجھے خبر کر دینا عدت کا زمانہ حضرت ابن ام مکتوم کے گھر گذارا جب حضرت فاطمہ انکی عدت نکل جانیکے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تو آپ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کا نکاح کرادیا۔ ہاں رجعی طلاق کی عدت کے زمانہ میں بجز اسکے خاوند کے کسی کو بھی یہ حق نہیں کہ وہ اشارۃً کنایۃً بھی اپنی رغبت ظاہر کرے واللہ اعلم۔ یہ فرمان کہ تم اپنے نفس میں چھپا دیتے منگنی کی خواہش اور جگہ ہے تیرا رب ان کے سینوں کی پوشیدگیوں کو اور ظاہر کو جانتا ہے۔ اور جگہ ہے میں تمہارے چھپے کھلے کا جاننے والا ہوں یعنی اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے کہ تم اپنے دلوں میں ضرور ذکر کرو گے اسی واسطے اس نے تنگی ہٹا دی لیکن ان عورتوں سے پوشیدہ وعدے نہ کرو یعنی زناکاری سے بچو۔ ان سے یوں نہ کہو کہ میں تم پر عاشق ہوں تم بھی وعدہ کرو کہ میرے سوا کسی اور سے نکاح نہ کرو گی وغیرہ۔ عدت میں ایسے الفاظ کا کہنا جائز نہیں۔ نہ یہ جائز ہے کہ پوشیدہ طور سے عدت میں نکاح کرلے اور عدت گذر جانے کے بعد اس نکاح کا اظہار کرے۔ پس یہ سب اقوال اس آیت کے عموم میں آسکتے ہیں۔ اسی لئے فرمان ہوا لیکن تم ان سے اچھی بات کرو مثلاً ولی سے کہہ دیا کہ جلدی نہ کرنا عدت گذر جانے کی مجھے بھی خبر کرنا وغیرہ جبتک عدت ختم نہ ہو جائے تب تک نکاح منعقد نہ کیا کرو۔ علماء کا اجماع ہے کہ عدت کے اندر نکاح صحیح نہیں اگر کسی نے کرلیا اور دخول بھی ہوگیا تو بھی ان میں جدائی کرادی جائیگی۔ اب آیا یہ عورت اس پر ہمیشہ کیلئے حرام ہو جائیگی یا پھر عدت گذر جانیکے بعد نکاح وہ کر سکتا ہے اس میں اختلاف ہے۔ جمہور تو کہتے ہیں کہ کرسکتا ہے لیکن امام مالک فرماتے ہیں کہ وہ ہمیشہ کیلئے حرام ہو گئی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس عورت کا نکاح عدت کے اندر ہو جائے اگر اس کا خاوند اس سے نہیں ملا تو ان دونوں میں جدائی کرادی جائے گی اور جب اسکے پہلے خاوند کی عدت گذر جائے تو یہ شخص منجملہ اور لوگوں کے اسکے نکاح کا پیغام دے سکتا ہے اور اگر دونوں میں تعلق زن و شوئی بھی ہوگیا ہے جب بھی جدائی کرادی جائیگی اور پہلے خاوند کی عدت گذار کر پھر اس دوسرے خاوند کی عدت گذارے گی اور پھر یہ شخص اس سے ہرگز نکاح نہیں کرسکتا۔ اس فیصلہ کا ماخذ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اس شخص نے جلدی کر کے خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ وقت کا لحاظ نہ کیا تو اسے اسکے خلاف سزا دی گئی کہ وہ عورت اس پر ہمیشہ کے لئے حرام کر دی گئی۔ جیسے کہ قاتل اپنے

مقتول کے ورثے سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ امام شافعیؒ نے امام مالکؒ سے بھی یہ اثر روایت کیا ہے۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ پہلا قول تو امام صاحبؒ کا یہی تھا لیکن جدید قول آپ کا یہ ہے کہ اُسے بھی نکاح کرنا جائز ہے کیونکہ حضرت علیؓ کا یہی فتویٰ ہے۔ حضرت عمرؓ والا یہ اثر بسنداً منقطع ہے بلکہ حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اس سے رجوع کر لیا ہے اور فرمایا ہے کہ مہر ادا کرے اور عدت کے بعد یہ دونوں آپس میں اگر چاہیں تو نکاح کر سکتے ہیں۔ پھر فرمایا جان لو کہ خدائے تعالیٰ تمہارے دلوں کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے اُس کا لحاظ اور خوف رکھو اپنے دل میں عورتوں کے متعلق فرمانِ باری کے خلاف خیال بھی نہ آنے دو ہمیشہ دل کو صاف رکھو بُرے خیال سے اُسے پاک رکھو ڈر خوف کے حکم کے ساتھ ہی اپنی رحمت کی طمع اور لالچ بھی دلائی اور فرمایا کہ خدائے عالم خطاؤں کو بخشنے والا اور حلم و کرم والا ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ

تم پر (مہر کا) کچھ مواخذہ نہیں اگر بیبیوں کو ایسی حالت میں طلاق دیدو کہ نہ ان کو تم نے ہاتھ لگایا ہے اور نہ ان کے لئے کچھ مہر مقرر کیا ہے۔ اور (حضرت) ان کو ایک جوڑا دیدو

عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ①

صاحب وسعت کے ذمہ اس کی حیثیت کے موافق ہے اور تنگدست کے ذمہ اس کی حیثیت کے موافق ہے جوڑا دینا قاعدہ کے موافق واجب ہے، خوش معاملہ لوگوں پر۔

طلاق کی ایک اور صورت

عقد نکاح کے بعد دخول سے پہلے بھی طلاق دینا مباح ہو رہا ہے مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہاں مراد مس سے نکاح ہے دخول سے پہلے طلاق دیدینا بلکہ مہر کا بھی ابھی تقرر نہیں ہوا اور طلاق دیدینا بھی جائز ہے گو اس میں عورت کی بیحد دل شکنی ہے اسی لئے حکم ہوا کہ اپنے مقدور بھر اس صورت میں مرد کو عورت کے ساتھ سلوک کرنا چاہئے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس کا اعلیٰ حصہ خادم ہے اور اس سے کم چاندی ہے اور اس سے کم کپڑا ہے یعنی اگر مالدار ہے تو غلام وغیرہ دے اور اگر مفلس ہے تو کم سے کم تین کپڑے دے۔ حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں درمیانہ درجہ اس فائدہ پہنچانے کا یہ ہے کہ کرتا دوپٹہ لحاف اور چادر دیدے شریحؒ فرماتے ہیں پانچسو درہم دے ابن سیرینؒ فرماتے ہیں غلام دے یا خوراک دے یا کپڑے لتے دے۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دس ہزار دیئے تھے لیکن پھر بھی وہ بیوی صاحبہ فرماتی تھیں کہ اس محبوب مقبول کی جدائی کے مقابلہ میں یہ حقیر چیز کچھ بھی نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ اگر دونوں اس فائدہ کی مقدار میں تنازعہ کریں تو اس کے خاندان کے مہر سے آدھی رقم دلوادی جائے۔ حضرت امام شافعیؒ کا فرمان ہے کہ کسی مقررہ چیز پر خاوند کو مجبور نہیں کیا جا سکتا بلکہ کم سے کم جس چیز کو متعہ یعنی فائدہ اور اسباب کہا جا سکتا ہے وہ کافی ہو گا میرے نزدیک اتنا کپڑا متعہ ہے جتنے میں نماز پڑھ لینی جائز ہو جائے گو پہلا قول حضرت الامام کا یہ تھا کہ مجھے اس کا کوئی صحیح اندازہ معلوم نہیں لیکن میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ کم سے کم تیس درہم ہونے چاہئیں جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ اس بارے میں بھی بہت سے اقوال ہیں کہ ہر طلاق والی عورت کو کچھ نہ کچھ اسباب دینا چاہئے یا صرف اسی عورت کو جس سے تعلق زناشوئی نہ ہوا ہو۔ بعض تو سب کے لئے کہتے ہیں کیونکہ قرآن کریم میں ہے وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ الخ پس اس آیت کے عموم سے سب کے لئے وہ ثابت کرتے ہیں۔ اسی طرح ان کی دلیل یہ آیت بھی ہے فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ الخ یعنی اے نبی اپنی بیویوں سے کہو کہ اگر تمہاری خواہش دنیا کی زندگی اور اسی کی زینت کی ہے تو آؤ میں تمہیں کچھ اسباب بھی دوں اور تمہیں اچھائی کے ساتھ چھوڑ دوں الخ۔ پس یہ تمام ازواج مطہرات وہ تھیں جن کا مہر بھی مقرر تھا اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ بھی چکی تھیں۔ سعید بن جبیرؒ ابو العالیہ حسن بصری کا قول یہی ہے۔ امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہی ہے اور بعض تو کہتے ہیں کہ اُن کا جدید قول اور صحیح قول یہی ہے واللہ اعلم۔ بعض کہتے ہیں اسباب کا دینا اُس طلاق والی کو ضروری ہے جس سے خلوت نہ ہوئی ہو گو مہر مقرر ہو چکا ہو کیونکہ قرآن کریم میں ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا یعنی اے ایمان والو! تم ایمان والی عورتوں سے نکاح کرو پھر اُنھیں ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دیدو تو اُن پر تمہاری طرف سے کوئی عدت جو عدت وہ گذاریں تم اُنھیں کچھ مال اسباب دیدو اور بھلی مناسبت سے چھوڑ دو۔ سعید بن مسیب کا قول ہے کہ سورۂ احزاب کی یہ آیت سورۂ بقرہ کی آیت سے منسوخ ہو چکی ہے۔ حضرت سہل بن سعد اور ابو اسیدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت امیمہ بنت شرجیل رضنے سے نکاح کیا جب وہ رخصت ہو کر آئیں اور آپ نے ہاتھ بڑھایا تو گویا اُس نے برا مانا۔ آپ نے ابو اسید سے فرمایا اسے دو رنگین کپڑے دیکر رخصت کرو۔ تیسرا قول یہ ہے کہ صرف اسی صورت میں بطور فائدہ کے اسباب و متاع کا دینا ضروری ہے جبکہ عورت کی وداع نہ ہوئی ہو اور مہر بھی مقرر نہ ہوا ہو اور اگر دخول ہو گیا ہو تو مہر مثل یعنی خاندان کے دستور کے مطابق دینا پڑے گا اگر مقرر نہ ہوا ہو اور اگر مقرر ہو چکا ہو اور رخصت سے پہلے طلاق دیدے تو آدھا مہر دینا پڑے گا اور اگر رخصتی بھی ہو چکی ہے تو پورا مہر دینا پڑیگا اور یہی متعہ کا عوض ہوگا۔ ہاں اس مصیبت زدہ عورت کے لئے متعہ ہے جس سے نہ ملاپ ہوا نہ مہر مقرر ہوا اور طلاق مل گئی۔ حضرت ابن عمرؓ اور مجاہدؒ کا یہی قول ہے۔ گو بعض علماء اسی کو مستحب بتلاتے ہیں کہ ہر طلاق والی عورت کو کچھ نہ کچھ دیدینا چاہئے اُن کے سوا جو مہر مقرر کئے ہوئے نہ ہوں اور نہ خاوند بیوی کا میل ہوا ہو۔ یہی مطلب سورۂ احزاب کی اُس آیت تخییر کا ہے جو اس سے پہلے اسی آیت کی تفسیر میں بیان ہو چکی ہے اور اسی لئے یہاں اس خاص صورت کے لئے فرمایا گیا کہ امیر اپنی وسعت کے مطابق دیں اور غریب اپنی طاقت کے مطابق۔ حضرت شعبی سے سوال ہوتا ہے کہ یہ اسباب نہ دینے والا کیا گرفتار کیا جائے گا تو آپ فرماتے ہیں اپنی طاقت کے برابر دیدے۔ خدا کی قسم اس بارے میں کسی کو گرفتار نہیں کیا گیا اگر یہ واجب ہوتا تو قاضی لوگ ضرور ایسے شخص کو قید کر لیتے۔

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ

اور اگر تم ان بیبیوں کو طلاق دو قبل اس کے کہ ان کو ہاتھ لگاؤ اور ان کے لئے کچھ مہر بھی مقرر کر چکے تھے تو جتنا مہر تم نے مقرر کیا ہو

مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا

اس کا نصف (واجب) ہے مگر یہ کہ وہ عورتیں (اپنا نصف) معاف کر دیں یا یہ کہ وہ شخص رعایت کرے جس کے ہاتھ میں نکاح کا تعلق (رکھنا اور توڑنا) ہے اور تمہارا معاف

اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ②

(بہ نسبت وصول کر لینے) تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور آپس میں احسان کرنے سے غفلت مت کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو خوب دیکھتے ہیں۔

ضمنی مسائل ذیلی مباحث

آیت میں صاف دلالت ہے اس امر پر کہ پہلی آیت میں جن عورتوں کے لئے متعہ مقرر کیا گیا تھا وہ صرف وہی عورتیں ہیں جن کا ذکر اس آیت میں تھا کیونکہ اس آیت میں یہ بیان ہوا ہے کہ دخول سے پہلے جبکہ طلاق دیدی گئی اور مہر مقرر ہو چکا تھا تو آدھا مہر دینا پڑے گا اگر یہاں بھی اس کے سوا کوئی اور متعہ واجب ہوتا تو وہ ضرور ذکر کیا جاتا کیونکہ دونوں آیتوں کی دونوں صورتیں ایک کے بعد ایک بیان ہو رہی ہیں واللہ اعلم۔ اس صورت میں جو یہاں بیان ہو رہی ہے آدھے مہر پر علماء کا اجماع ہے لیکن تین کے نزدیک پورا مہر اس وقت واجب ہوتا ہے جبکہ خلوت ہو گئی یعنی میاں بیوی تنہائی کی حالت میں کسی مکان میں جمع ہو گئے گو ہمبستری نہ ہوئی ہو۔ امام شافعی کا بھی پہلا قول یہی ہے۔ اور خلفائے راشدین کا فیصلہ بھی یہی ہے لیکن امام شافعیؒ کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ سے نقل ہے کہ اس صورت میں بھی صرف نصف مہر مقررہ ہی دینا پڑیگا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ میں بھی یہی کہتا ہوں اور ظاہر الفاظ کتاب اللہ کے بھی یہی کہتے ہیں۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت کے ایک راوی لیث بن ابی سلیم اگرچہ مجروح ہیں۔ لیکن ابن ابی طلحہ سے ابن عباسؓ کی یہ روایت نقل ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا فرمان یہی ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر عورتیں خود ایسی حالت میں اپنا آدھا مہر بھی خاوند کو معاف کر دیں تو یہ اور بات ہے اس صورت میں خاوند کو سب معاف ہو جائے گا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ثیبہ عورت اگر اپنا حق چھوڑ دے تو اُسے اختیار ہے۔ بہت سے مفسرین تابعین کا یہی قول ہے۔
محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ اس سے مراد عورتوں کا معاف کرنا نہیں بلکہ مردوں کا معاف کرنا ہے یعنی مرد اپنا آدھا حصہ چھوڑ دے اور پورا مہر دیدے لیکن یہ قول شاذ ہے کوئی اور اس قول کا قائل نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ یا وہ معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ ایک حدیث میں ہے اس سے مراد خاوند ہے۔ حضرت علیؓ سے سوال ہوا کہ اس سے مراد کیا عورت کے ولی ہیں فرمایا نہیں بلکہ اس سے مراد خاوند ہے۔ اور بھی بہت سے مفسرین سے یہی روایت ہے۔ امام شافعیؒ کا جدید قول بھی یہی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے اس لئے کہ حقیقۃً نکاح کو باقی رکھنا توڑ دینا وغیرہ یہ سب خاوند کے ہی اختیار میں ہے اور جس طرح ولی کو اس کی طرف سے جس کا ولی ہے اس کے مال کا دیدینا جائز نہیں اسی طرح اُس کے مہر کے معاف کر دینے کا بھی اختیار نہیں

دوسرا قول اس بارے میں یہ ہے کہ اس سے مراد عورت کے باپ بھائی اور وہ لوگ ہیں جن کی اجازت کے بغیر عورت نکاح نہیں کر سکتی۔ ابن عباسؓ علقمہ، حسن، عطاء، طاؤس، زہری، ربیعہ، زید بن اسلم، ابراہیم نخعی، عکرمہ، محمد بن سیرین سے بھی یہی نقل ہے ان دونوں بزرگوں کا بھی ایک قول یہی ہے، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ولی نے ہی اس حق کا حقدار اسے کیا تھا تو اس میں تصرف کرنے کا بھی اسے اختیار ہے گو اور مال میں ہیر پھیر اختیار کرنے کا اختیار نہ ہو۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے معاف کر دینے کی رخصت عورت کو دی اور اگر وہ بخیلی اور تنگدلی کرے تو اس کا ولی بھی معاف کر سکتا ہے گو وہ عورت سمجھدار ہو۔ حضرت شریحؒ بھی یہی فرماتے ہیں لیکن جب شعبی نے انکار کیا تو آپ نے اس سے رجوع کر لیا اور فرمانے لگے کہ اس سے مراد خاوند ہی ہے بلکہ وہ اس بات پر مباہلہ کو تیار رہتے تھے۔ پھر فرماتا ہے تمہارا معاف کرنا ہی تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اس سے مراد مرد عورتیں دونوں ہی ہیں یعنی دونوں میں سے اچھا وہی ہے جو اپنا حق چھوڑ دے یعنی عورت یا تو اپنا آدھا حصہ بھی اپنے خاوند کو معاف کر دے یا خاوند ہی اسے بجائے آدھے کے پورا مہر دیدے آپس کی فضیلت یعنی احسان کو نہ بھولو اسے بیکار نہ چھوڑو بلکہ اسے کام میں لاؤ۔ ابن مردویہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایک کاٹ کھانے والا زمانہ آئے گا۔ مومن بھی اپنے ہاتھوں کی چیز کو دانتوں سے پکڑے گا اور فضیلت و بزرگی کو بھول جائے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اپنے آپس کے فضل کو نہ بھولو۔ برے ہیں وہ لوگ جو ایک مسلمان کی بیکسی اور تنگدستی کے وقت اس سے سستے داموں اس کی چیز خریدتے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیع سے منع فرما دیا ہے اگر تیرے پاس بھلائی ہو تو اپنے بھائی کو بھی وہ بھلائی پہنچا اس کی ہلاکت میں حصہ نہ لے۔ ایک مسلمان دوسرے کا بھائی ہے۔ نہ اسے رنج و غم پہنچائے نہ اسے بھلائیوں سے محروم رکھے۔ حضرت عونؒ حدیثیں بیان کرتے جاتے اور روتے جاتے یہاں تک کہ آنسو داڑھی سے ٹپکتے رہتے۔ اور فرماتے ہیں مالداروں کی صحبت میں بیٹھا اور دیکھا کہ ہر وقت دل ملول رہتا کیونکہ جدھر نظر اٹھتی ہر ایک کو اپنے سے اچھے کپڑوں میں اچھی خوشبوؤں میں اور اچھی سواریوں میں دیکھتا۔ ہاں مسکینوں کی محفل میں میں نے بڑی راحت پائی۔ خدائے عالم بھی یہی فرماتا ہے۔ ایک دوسرے کی فضیلت فراموش نہ کرو کسی کے پاس جب کبھی کوئی سائل آئے اور اس کے پاس کچھ نہ ہو تو وہ اس کے لئے دعائے خیر ہی کر دے اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے اس پر تمہارے کام اور تمہارا حال بالکل روشن ہے اور عنقریب وہ ہر ایک عامل کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ق وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ③ فَاِنْ

محافظت کرو سب نمازوں کی (عموماً) اور درمیان والی نماز کی (خصوصاً) اور کھڑے ہوا کرو اللہ کے سامنے عاجز بنے ہوئے پھر اگر

خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ج فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ

تم کو اندیشہ ہو تو کھڑے کھڑے یا سواری پر چڑھے چڑھے پڑھ لیا کرو۔ پھر جب تم کو اطمینان ہو جاوے تو تم خدا تعالیٰ کی یاد اس طریق سے کرو کہ جو تم کو سکھلایا ہے

مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ④

جس کو تم نہ جانتے تھے۔

دنیا میں اس قدر انہماک کہ دین ہی ہاتھ سے جاتا ہے دینی ہلاکت ہے

اللہ تعالیٰ کا حکم ہو رہا ہے کہ نمازوں کے وقت کی حفاظت کرو اس کی حدود کی نگرانی رکھو اور اول وقت ادا کرتے رہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوال کرتے ہیں کہ کونسا عمل افضل ہے۔ آپ نے فرمایا نماز کو وقت پر پڑھنا۔ پوچھا پھر کونسا؟ فرمایا خدا کی راہ میں جہاد کرنا۔ پوچھا پھر کونسا؟ فرمایا ماں باپ سے بھلائی کرنا۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں اگر میں کچھ اور بھی پوچھتا تو آپ اور بھی جواب دیتے (صحیحین) حضرت ام فروہؓ جو بیعت کرنے والی عورتوں میں سے ہیں فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا آپ اعمال کا ذکر فرما رہے تھے اسی میں آپ نے فرمایا سب سے زیادہ پسندیدہ عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز کو اول وقت ادا کرنے کی جلدی کرنا ہے (مسند احمد)۔

امام ترمذی اس حدیث کے ایک راوی عمری کو غیر قوی بتلاتے ہیں۔ پھر صلوٰۃ وسطیٰ کی مزید تاکید ہو رہی ہے۔

صلوٰۃ وسطیٰ کے بارے میں اختلافِ اقوال

سلف و خلف کا اس میں اختلاف ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ کس نماز کا نام ہے۔ حضرت علی رضؓ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کا قول ہے کہ اس سے مراد صبح کی نماز ہے۔ ابن عباسؓ ایک مرتبہ نماز صبح پڑھتے ہیں جس میں ہاتھ اٹھا کر قنوت بھی پڑھتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں یہی وہ نماز وسطیٰ ہے جس میں قنوت کا حکم ہوا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ یہ واقعہ بصرے کی مسجد کا ہے اور قنوت آپ نے رکوع سے پہلے پڑھی تھی۔ ابو العالیہؒ فرماتے ہیں بصرے میں میں نے حضرت عبداللہ ابن قیس کے پیچھے صبح کی نماز ادا کی پھر میں نے ایک صحابی سے پوچھا کہ صلوٰۃ وسطیٰ کونسی ہے؟ آپ نے فرمایا یہی صبح کی نماز ہے۔ اور روایت میں ہے کہ بہت سے اصحاب اس مجمع میں تھے اور سب نے یہی جواب دیا۔ جابر بن عبداللہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ اور بھی بہت سے صحابہ تابعین کا یہی مسلک ہے۔ امام شافعی رحؒ بھی یہی فرماتے ہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک صبح کی نماز میں ہی قنوت ہے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد نماز مغرب ہے اس لئے کہ اس سے پہلے بھی چار رکعت والی نماز ہے اور سفر میں دونوں قصر کی جاتی ہیں لیکن مغرب پوری ہی رہتی ہے۔ یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کے بعد دو نمازیں رات کی یعنی عشاء اور فجر وہ ہیں جن میں اونچی آواز سے قرأت پڑھی جاتی ہے اور دو نمازیں اس سے پہلے دن کی وہ ہیں جن میں آہستہ قرأت پڑھی جاتی ہے یعنی ظہر عصر۔ بعض کہتے ہیں یہ نماز ظہر کی نماز ہے۔ ایک مرتبہ چند لوگ حضرت زید ابن ثابت رضؓ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے وہاں یہی مسئلہ چھڑا۔ لوگوں نے ایک آدمی بھیجکر حضرت اسامہؓ سے دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا یہ ظہر کی نماز ہے جسے حضور علیہ السلام اول وقت پڑھا کرتے تھے (طیالسی) زید بن ثابت رضؓ فرماتے ہیں اس سے زیادہ بھاری نماز صحابہ پر اور کوئی نہ تھی اس لئے یہ آیت نازل ہوئی اور اس سے پہلے بھی دو نمازیں ہیں اور اس کے بعد بھی دو ہیں۔ آپ ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ قریشیوں کی ایک جماعت کے بیٹھے ہوئے دو شخصوں نے آپ سے یہی سوال کیا جس کے جواب میں آپ نے فرمایا وہ عصر ہے۔ پھر دو اور شخصوں نے پوچھا۔ آپ نے فرمایا وہ ظہر ہے۔ پھر ان دونوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا آپ نے فرمایا۔ یہ ظہر ہے آپ اسے آفتاب ڈھلتے ہی پڑھا کرتے تھے بمشکل ایک دو صف کے لوگ آتے تھے۔ کوئی نیند میں ہوتا کوئی کاروبار میں مشغول ہوتا جس پر یہ آیت اتری اور آپ نے فرمایا یا تو یہ لوگ اس حرکت سے باز آئیں یا میں ان کے گھروں کو جلا دوں گا۔ لیکن اس کے راوی زبرقان نے صحابی سے ملاقات نہیں کی لیکن حضرت زید سے اور روایات سے بھی یہ ثابت ہے کہ آپ اس سے مراد ظہر کی نماز ہی بتلاتے تھے۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ ہے۔ حضرت ابن عمر حضرت ابو سعید حضرت عائشہ رضؓ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ سے بھی ایک روایت اسی کی ہے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد عصر کی نماز ہے۔ اکثر علماء صحابہ وغیرہ کا یہی قول ہے اور جمہور تابعین کا بھی یہی قول ہے اور اکثر اہلِ اثر کا بھی۔ بلکہ جمہور لوگوں کا۔ حافظ ابو محمد عبد المومن دمیاطی نے اس بارے میں ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے جس کا نام کشف الغطاء فی تبیین الصلوٰۃ الوسطیٰ ہے اس میں ان کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ عصر کی نماز ہے۔ حضرت عمر علی ابن مسعود ابو ایوب عبداللہ بن عمرو سمرہ بن جندب ابو ہریرہؓ ابو سعیدؓ حفصہؓ ام حبیبہؓ ام سلمہؓ ابن عمر ابن عباس عائشہ رضؓ وغیرہ کا فرمان بھی یہی ہے اور ان حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہی روایت ہے۔ اور بہت سے تابعین سے یہ منقول ہے۔ امام احمد رحؒ کا امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام ابو حنیفہ کا بھی صحیح مذہب یہی ہے۔ ابو یوسف رحؒ محمد رحؒ سے بھی یہی مروی ہے ابن حبیب مالکی بھی یہی فرماتے ہیں رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ اس قول کی دلیل سنئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ احزاب

ف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان بلکہ ان کا مشہور ترین مذہب یہی ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے فجر کی نماز مراد ہے۔ لیکن جمہور امت اکابر صحابہ اجلہ تابعین کیونکہ صلوٰۃ وسطیٰ سے عصر کی نماز مراد لیتے ہیں اور وہی امام اعظم کا مذہب ہے اس لئے غریب ابن کثیرؒ کو کہنا پڑا کہ امام شافعی کا قول بھی یہی ہے۔ اور پھر ابن کثیر کی اس چابکدستی کی داد دیجئے کہ ابو حنیفہ کا ذکر اس طرح کر رہے ہیں جیسا کہ ان کا یہ قول ہے تو لیکن وہ اس پر زیادہ مصر نہیں اور اصل میں یہ تحقیق شافعی الامام کی ہے ۱۲ انظر شاہ کشمیری ✦

میں فرمایا اللہ تعالیٰ ان مشرکین کے دلوں کو اور گھروں کو آگ سے بھردے کہ انھوں نے صلوٰۃ وسطیٰ یعنی نماز عصر سے روک دیا (مسند احمد) حضرت علی رضہ فرماتے ہیں کہ ہم اس سے مراد صبح کی یا عصر کی نماز لیتے تھے۔ یہاں تک کہ جنگِ احزاب میں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سُنا اس میں قبروں کو بھی آگ سے بھرنا وارد ہوا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا یہ عصر کی نماز ہے۔ اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں اور بہت سی کتابوں میں موجود ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضہ سے ایک مرتبہ اس بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا ہم نے بھی ایک مرتبہ اس میں اختلاف کیا تو ابو ہاشم بن عتبہ رضہ مجلس میں سے اُٹھ کر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر گئے اجازت مانگ کر اندر داخل ہوئے اور آپ سے معلوم کر کے باہر آ کر ہمیں فرمایا کہ یہ نماز عصر ہے (ابن جریر)۔

عبدالعزیز بن مروان کی مجلس میں بھی ایک مرتبہ یہی مسئلہ پیش آیا۔ آپ نے فرمایا جاؤ فلاں صحابی سے پوچھ آؤ۔ تو ایک شخص نے کہا کہ مجھ سے سُنئے مجھے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضہ نے میرے بچپن میں یہی مسئلہ پوچھنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تھا آپ نے میری چھنگلیاں یعنی سب سے چھوٹی انگلی پکڑ کر فرمایا دیکھو یہ تو ہے فجر کی نماز پھر اُس کے پاس والی انگلی تھام کر فرمایا یہ ہوئی ظہر کی نماز پھر انگوٹھا پکڑ کر فرمایا یہ ہے مغرب کی نماز پھر شہادت کی انگلی پکڑ کر فرمایا یہ ہوئی عشا کی نماز پھر مجھ سے کہا اب تمھاری کونسی انگلی باقی رہی۔ میں نے بیچ کی فرمایا اور نماز کونسی باقی رہی میں نے کہا عصر۔ فرمایا بس یہی صلوٰۃ وسطےٰ ہے (ابن جریر) لیکن یہ روایت بہت ہی غریب ہے۔ غرض صلوٰۃ وسطیٰ سے نماز عصر مراد ہونا بہت سی حدیثوں میں وارد ہے جن میں سے کوئی حسن ہے کوئی صحیح ہے کوئی ضعیف ہے۔ ترمذی مسلم وغیرہ میں بھی یہ حدیثیں ہیں پھر اس نماز کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکید میں اور سختی کے ساتھ مخالفت بھی ثابت ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے جس سے عصر کی نماز فوت ہو جائے گویا اس کا گھر لٹ گیا تباہ ہو گیا اور مال و اسباب برباد ہو گیا۔ اور حدیث میں ہے ابر والے دن نماز اول وقت پر پڑھو سُنو! جس شخص نے عصر کی نماز چھوڑ دی اس کے اعمال غارت ہو جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز قبیلۂ غفار کی ایک وادی میں جس کا نام حمیص تھا ادا کی پھر فرمایا یہی نماز تم سے اگلے لوگوں پر بھی پیش کی گئی تھی لیکن انھوں نے ضائع کر دیا۔ سُنو! اسے پڑھنے والے کو دوہرا اجر ملتا ہے اس کے بعد کوئی نماز نہیں جب تک کہ تم تارے نہ دیکھ لو (مسند احمد) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے آزاد کردہ غلام ابو یونس سے فرماتی ہیں کہ میرے لئے ایک قرآن شریف لکھو اور جب اس آیت حَافِظُوا تک پہنچو تو مجھے اطلاع کرنا چنانچہ جب آپ کو اطلاع دی گئی تو آپ نے وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی کے بعد وَصَلٰوۃِ الْعَصْرِ لکھوایا اور فرمایا میں نے خود اسے یونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا (مسند احمد) ایک روایت میں وَھِیَ صَلٰوۃُ الْعَصْرِ کا لفظ بھی ہے (ابن جریر) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بیوی صاحبہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عمرو بن رافع کو جو آپ کے قرآن کے کاتب تھے اسی طرح یہ آیت لکھوائی تھی (موطا امام مالک)۔

اس حدیث کے بھی بہت سے طریقے ہیں اور کئی ایک کتابوں میں موجود ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی الفاظ سُنے ہیں۔ حضرت نافع رح فرماتے ہیں: میں نے یہ قرآن شریف خود بھی دیکھا یہی عبارت واؤ کے ساتھ تھی۔ ابن عباس اور عبید بن عمیر کی قرأت بھی یونہی ہے۔ ان روایات کو مدنظر رکھ کر بعض حضرات کہتے ہیں کہ چونکہ واؤ عطف کے لئے ہوتا ہے اور عطف معطوف میں مغایرت ہوتی ہے پس ثابت ہوا کہ صلوٰۃ الوسطیٰ اور ہے اور صلوٰۃ عصر اور ہے۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اُسے بطور حدیث کے مانا جائے تو حضرت علی رضہ والی حدیث بہت زیادہ صحیح ہے اور اس میں صراحۃً موجود ہے۔ رہا واؤ سو ممکن ہے کہ زائدہ ہو عاطفہ نہ ہو جیسے وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ میں اور وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝ میں یا یہ واؤ عطف صفت کے لئے ہو عطف ذات کے لئے نہ ہو جیسے وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ میں اور جیسے سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۝ وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى میں۔ اس کی مثالیں اور بھی بہت سی ہیں۔ شعراء کے کلام میں بھی اس کی نظیر پائی جاتی ہے۔ سیبویہ جو نحویوں کے امام ہیں فرماتے ہیں کہ مَرَرْتُ بِاَخِيْكَ وَصَاحِبِكَ کہنا درست ہے۔ حالانکہ صاحب اور اخ سے مراد ایک ہی شخص ہے۔ واللہ اعلم۔ اور اگر اس قرأت کے

ان الفاظ کو بطور قرآنی الفاظ کے مانا جائے تو ظاہر ہے کہ اس خبر واحد سے قرأت قرآنی ثابت نہیں ہوتی جب تک کہ تواتر ثابت نہ ہو۔ اسی لئے حضرت عثمان رضہ نے اپنے قرآن میں اس قرأت کو نہیں لیا اور نہ ساتوں قاریوں کی قرأت میں یہ الفاظ ہیں بلکہ نہ کسی اور ایسے معتبر قاری کی یہ قرأت پائی گئی ہے۔ علاوہ ازیں ایک حدیث اور ہے جس سے اس قرأت کا منسوخ ہونا ثابت ہو رہا ہے صحیح مسلم شریف میں ہے کہ یہ آیت اُتری حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَصَلٰوةِ الْعَصْرِ ہم ایک مدت تک اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس آیت کو پڑھتے رہے۔ پھر یہ تلاوت منسوخ ہو گئی اور آیت یوں رہی حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى۔ ایک شخص نے راوی حدیث حضرت شقیق رضہ سے کہا کہ پھر کیا یہ نماز عصر کی نماز ہی ہے فرمایا میں تو سُنا چکا کہ کس طرح آیت اُتری اور کس طرح منسوخ ہوئی۔ پس اس بنا پر یہ قرأت حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضہ کی روایت والی یا تو لفظاً منسوخ کی جائے گی اور اگر واؤ کو مغائرت کے لئے مانا جائے تو لفظاً معنی دونوں کے اعتبار سے منسوخ کی جائے گی۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد مغرب کی نماز ہے۔ ابن عباس رضہ سے بھی یہ روایت ہے لیکن اس کی سند میں کلام ہے۔ بعض اور حضرات کا قول بھی یہی ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ بیان کی جاتی ہے کہ اور فرض نمازیں یا تو چار رکعت والی ہیں یا دو رکعت والی۔ اور اس کی تین رکعتیں ہیں۔ پس یہ درمیانہ نماز ٹھیری۔ اور دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ فرض نمازوں کی یہ وتر ہے اور اس لئے بھی کہ اس کی فضیلت میں بھی بہت کچھ حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ بعض لوگ اس سے مراد عشا کی نماز بھی بتلاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں پانچ وقتوں میں سے ایک وقت کی نماز ہے۔ لیکن ہم متعین نہیں کر سکتے یہ مبہم ہے جس طرح لیلۃ القدر پورے سال میں یا پورے مہینے میں یا پچھلے دس دنوں میں مبہم ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں پانچوں نمازوں کا مجموعہ مراد ہے اور بعض کہتے ہیں یہ عشا اور صبح ہے بعض کا قول ہے یہ جماعت کی نماز ہے۔ بعض کہتے ہیں جمعہ کی نماز ہے کوئی کہتا ہے صلوۃ خوف مراد ہے۔ کوئی کہتا ہے نماز عید مراد ہے۔ کوئی کہتا ہے صلوۃ ضحیٰ مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں ہم توقف کرتے ہیں اور کوئی رائے پیش نہیں کرتے۔ اس لئے کہ دلیلیں مختلف ہیں وجہ ترجیح معلوم نہیں کسی قول پر اجماع ہوا نہیں بلکہ زمانہ صحابہ سے لیکر آج تک جھگڑا رہا۔ جس طرح حضرت سعید بن مسیب رح فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام اس بارے میں اسی طرح مختلف تھے پھر انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر دکھائیں لیکن یہ یاد رہے کہ یہ پچھلے اقوال سب کے سب ضعیف ہیں جھگڑا صرف صبح اور عصر کی نماز میں ہے اور صحیح حدیثوں سے عصر کی نماز کا صلوۃ وسطیٰ ہونا ثابت ہے۔ پس لازم ہو گیا کہ ہم سب اقوال کو چھوڑ کر یہی عقیدہ رکھیں کہ صلوۃ وسطیٰ نماز عصر ہے۔ امام ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابوحاتم رازی رحمہم اللہ نے اپنی کتاب فضائل شافعی رح میں روایت کی ہے کہ حضرت امام صاحب رح فرمایا کرتے تھے كُلُّ مَا قُلْتُ فَكَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخِلَافِ قَوْلِي مِمَّا يَصِحُّ فَحَدِيْثُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْلٰى وَلَا تُقَلِّدُوْنِي۔ یعنی میرے جس کسی قول کے خلاف کوئی صحیح حدیث شریف موجود ہو تو حدیث ہی اولیٰ ہے خبردار میری تقلید نہ کرنا۔ امام شافعی رح کے اس فرمان کو امام ربیع رح امام زعفرانی رح اور امام احمد بن حنبل رح بھی روایت کرتے ہیں۔ اور موسیٰ ابو الولید بن جارود رح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اِذَا صَحَّ الْحَدِيْثُ وَقُلْتُ قَوْلًا فَاَنَا رَاجِعٌ عَنْ قَوْلِي وَقَائِلٌ بِذٰلِكَ۔ یعنی میری جو بات حدیث شریف کے خلاف ہو میں اپنی اس بات سے رجوع کرتا ہوں اور صاف کہتا ہوں کہ میرا مذہب وہی ہے جو حدیث میں ہو۔ یہ امام صاحب رح کی امانت اور سرداری ہے اور آپ جیسے ائمہ کرام میں سے بھی ہر ایک نے یہی فرمایا ہے کہ اُن کے اقوال کو دین نہ سمجھا جائے رَحِمَهُمُ اللّٰهُ وَرَضِيَ عَنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔ اسی لئے قاضی ماوردی رح فرماتے ہیں کہ امام صاحب رح کا صلوۃ وسطیٰ کے بارے میں یہی مذہب سمجھنا چاہئے کہ وہ عصر ہے گو امام صاحب رح کا اپنا قول یہ ہے کہ وہ عصر نہیں ہے مگر آپ کے اس فرمان کے مطابق حدیث صحیح کے خلاف اُس قول کو پا کر ہم نے چھوڑ دیا۔ شافعی مذہب کے اور بھی بہت سے محدثین نے یہی فرمایا ہے۔ فالحمد للہ۔ بعض فقہاء شافعی تو کہتے ہیں کہ امام صاحب رح کا صرف ایک ہی قول ہے کہ وہ صبح کی نماز ہے لیکن یہ سب باتیں ذکر کرنے کے لئے تفسیر مناسب نہیں۔ علیحدہ اس کا بیان میں نے کر دیا ہے۔ فالحمد للہ۔

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کے سامنے خشوع خضوع اور مسکینی کے ساتھ کھڑے ہوا کرو جس کو یہ لازم ہے کہ انسانی بات چیت نہ ہو اسی لئے حضرت

ابن مسعود رضہ کے سلام کا جواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں نہ دیا اور بعد فراغت فرمایا کہ نماز مشغولیت کی چیز ہے اور حضرت معاویہ بن حکم سے جبکہ انھوں نے نماز پڑھتے ہوئے بات کی تو فرمایا نماز میں بات چیت نہ کرنی چاہئے یہ تو صرف تسبیح اور تکبیر اور ذکر اللہ ہے (مسلم، مسند احمد وغیرہ) میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے لوگ ضروری بات چیت بھی نماز میں کر لیا کرتے تھے۔ جب یہ آیت اُتری تو خاموش رہنے کا حکم دیدیا گیا۔ لیکن اس حدیث میں ایک اشکال یہ ہے کہ علمائے کرام کی ایک جماعت کے نزدیک نماز میں بات چیت کرنے کی حرمت حبشہ کی ہجرت کے بعد اور مدینہ شریف کی ہجرت سے پہلے ہی مکہ شریف میں نازل ہو چکی تھی چنانچہ صحیح مسلم میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حبشہ کی ہجرت سے پہلے ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے تھے آپ نماز میں ہوتے پھر بھی جواب دیتے جب حبشہ سے ہم واپس آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے آپ کی نماز کی حالت میں ہی سلام کیا آپ نے جواب نہ دیا۔ اب میرے رنج و غم کا کچھ نہ پوچھئے نماز سے فارغ ہو کر آپ نے مجھے فرمایا عبداللہ اور کوئی بات نہیں میں نماز میں تھا اس وجہ سے میں نے جواب نہ دیا خدا جو چاہے نیا حکم اُتارے اس نے یہ نیا حکم نازل فرمایا ہے کہ نماز میں نہ بولا کرو۔ پس یہ واقعہ ہجرت مدینہ سے پہلے کا ہے اور یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔

اب بعض تو کہتے ہیں کہ زید بن ارقم رضہ کے قول کا مطلب کلام سے ہے اور اس کی حرمت پر اس آیت سے استدلال بھی خود ان کا فہم ہے واللہ اعلم بعض کہتے ہیں ممکن ہے دو دفعہ جائز ہوا اور دو دفعہ ممانعت ہوئی ہو۔ لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔ حضرت ابن مسعود رض والی روایت ابو یعلی میں ہے اس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب نہ دینے سے مجھے یہ خوف ہوا کہ شاید میرے بارے میں کوئی وحی نازل ہوئی ہے۔ آپ نے مجھ سے فارغ ہو کر فرمایا وَعَلَیْكَ السَّلَامُ اَیُّهَا الْمُسْلِمُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ نماز میں جب تم ہو تو خاموش رہا کرو۔

صلوٰۃ خوف اور اس سے متعلق تفصیلات

چونکہ نمازوں کی پوری حفاظت کرنے کا فرمان صادر ہو چکا تھا اس لئے اب اُس حالت کو بیان فرمایا جاتا ہے جس میں تمام ادب آداب کی پوری رعایت عموماً نہیں رہ سکتی۔ یعنی میدانِ جنگ میں جب کہ دشمن سر پر ہو تو فرمایا کہ جس طرح ممکن ہو سوار پیدل قبلہ کی طرف مُنہ کر کے نہ کر کے نماز ادا کر لیا کرو۔ ابن عمر اس آیت کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں۔ بلکہ نافع فرماتے ہیں میں تو جانتا ہوں یہ مرفوع حدیث ہے۔ مسلم شریف میں ہے سخت خوف کے وقت اشارے سے ہی نماز پڑھ لیا کرو۔ گو سواری پر سوار ہو۔ عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب حضور علیہ السلام نے خالد بن سفیان کے قتل کے لئے بھیجا تھا تو آپ نے اسی طرح نمازِ عصر اشارے سے ادا کی تھی الخ (ابوداؤد)۔

پس اس میں جناب باری نے اپنے بندوں پر بہت آسانی کر دی اور بوجھ کو ہلکا کر دیا۔ صلوٰۃ خوف ایک رکعت پڑھنی بھی آئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی حضر کی حالت میں چار رکعتیں فرض کی ہیں اور سفر کی حالت میں دو۔ اور خوف کی حالت میں ایک۔ (مسلم) امام احمد فرماتے ہیں یہ اس وقت ہے جب بہت زیادہ خوف ہو۔ جابر بن عبداللہ اور بہت سے اور بزرگ صلوٰۃ خوف ایک رکعت بتلاتے ہیں۔ امام بخاری رحہ نے صحیح بخاری میں باب باندھا ہے کہ فتوحاتِ قلعہ کے موقعہ پر اور دشمن کی مڈبھیڑ کے موقعہ پر نماز ادا کرنا۔ اوزاعی فرماتے ہیں اگر فتح قریب آگئی ہو اور نماز پڑھنے پر قدرت نہ ہو تو ہر شخص اپنے طور پر اشارے سے نماز پڑھ لے اگر اتنا وقت بھی نہ ملے تو تاخیر کریں یہاں تک کہ لڑائی ختم ہو جائے اور چین نصیب ہو تو دو رکعتیں ادا کریں ورنہ ایک رکعت کافی ہے لیکن صرف تکبیر کہہ لینا کافی نہیں بلکہ تاخیر کر دیں یہاں تک کہ امن ملے۔ مکحول بھی یہی کہتے ہیں۔ حضرت انس بن مالک رح فرماتے ہیں تستر قلعہ کی لڑائی میں میں بھی فوج میں تھا۔ صبح صادق کے وقت گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی ہمیں وقت ہی نہ ملا کہ ہم نماز ادا کرتے خوب دن چڑھے اُس دن ہم نے صبح کی نماز پڑھی اگر اس نماز کے بدلے میں مجھے دنیا اور جو کچھ اس میں ہے ملجائے تاہم میں خوش نہیں ہوں۔ زاں بعد حضرت امام المحدثین نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ جنگِ خندق میں سورج غروب ہو جانے تک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز نہ پڑھ سکے۔ پھر دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے جب اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بنی قریظہ کی طرف بھیجا تو اُن سے فرما دیا تھا کہ تم میں سے کوئی بھی بنی قریظہ سے ورے نمازِ عصر نہ پڑھے۔ اب جب کہ نمازِ عصر کا وقت آ گیا تو بعضوں نے

تو وہیں پڑھ لی اور کہا کہ مطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تھا کہ ہم بہت جلد جائیں تاکہ عصر کی نماز کا وقت ہمیں وہاں پہنچ کر ہو اور بعض لوگوں نے نہ پڑھی۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا وہیں جا کر نماز پڑھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو نہ تو آپ نے کچھ ڈانٹا نہ انہیں۔ پس اس سے حضرت امام بخاری رح یہ مسئلہ ثابت کرتے ہیں گو جمہور اس کے مخالف ہیں وہ کہتے ہیں کہ سورۂ نساء میں جو نماز خوف کا حکم ہے اور جس نماز کی مشروعیت اور طریقہ حدیثوں میں وارد ہوا ہے وہ جنگِ خندق کے بعد کا ہے جیسے کہ ابو سعید وغیرہ کی روایت میں صراحۃً بیان ہے۔ لیکن امام بخاری، امام مکحول اور امام اوزاعی رحمہم اللہ کا جواب یہ ہے کہ اس کی مشروعیت بعد میں ہونا اس چیز کے خلاف نہیں ہو سکتا ہے کہ یہ بھی جائز ہو اور وہ بھی طریقہ ہو کیونکہ ایسی حالت شاذ و نادر کبھی ہی ہوتی ہے اور خود صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حضرت فاروق اعظم رضہ کے زمانے میں فتح تستر میں اس پر عمل کیا اور کسی نے انکار نہیں کیا۔ واللہ اعلم۔ پھر فرمان ہے کہ امن کی حالت میں حکم کی بجا آوری کا پورا خیال رکھو۔ جس طرح میں نے تمہیں ایمان کی راہ دکھائی اور جہل کے بعد علم دیا تو تمہیں بھی چاہئے کہ اس کے شکریہ میں ذکر اللہ باطمینان کیا کرو۔ جیسے کہ نمازِ خوف کا بیان کر کے فرمایا جب اطمینان ہو جائے تو نمازوں کو اچھی طرح قائم کرو۔ نماز مومنوں پر وقت مقررہ پر فرض ہے۔ صلوٰۃ خوف کا پورا بیان سورۂ نساء کی آیت وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ کی تفسیر میں آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ

اور جو لوگ وفات پا جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیبیوں کو وہ وصیت کر جایا کریں اپنی ان بیبیوں کے واسطے

مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ

ایک سال تک منتفع ہونے کی اس طور پر کہ وہ گھر سے نکالی نہ جاویں ہاں اگر خود نکل جاویں تو تم کو کوئی گناہ نہیں اس قاعدہ کی بات میں

فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ

جس کو اپنے بارہ میں کریں اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں حکمت والے ہیں اور سب طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے

مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ

کچھ کچھ فائدہ پہنچانا قاعدہ کے موافق (یہ) مقرر ہوا ہے ان پر جو (شرک و کفر سے) پرہیز کرتے ہیں اسی طرح حق تعالیٰ تمہارے لئے اپنے احکام

اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

بیان فرماتے ہیں اس توقع پر کہ تم سمجھو (اور عمل کرو)۔

۳۱ ع ۷ ۱۵

میدانِ کارزار کے بعض احکام کے بعد شوہر کی وفات سے متعلق کچھ مسائل ربط آیات کی واضح دلیل ہیں

اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت اس سے پہلے کی آیت یعنی چار مہینے دس دن کی عدت والی آیت سے منسوخ ہو چکی ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ جب یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے تو پھر آپ سے قرآن کریم میں کیوں لکھوا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا بھتیجے جس طرح اگلے قرآن میں یہ موجود ہے یہاں بھی موجود رہے گی ہم کوئی ہیر پھیر نہیں کر سکتے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں پہلے تو یہی حکم تھا کہ سال بھر تک نان نفقہ اس رانڈ عورت کو میت کے مال سے دیا جائے اور اسی کے مکان میں یہ رہے پھر آیت میراث نے اسے منسوخ کر دیا اور خاوند کی اولاد ہونے کی صورت میں مال متروکہ کا آٹھواں حصہ اور اولاد نہ ہونے کے وقت چوتھائی مال ورثہ کا مقرر کیا گیا اور عدت چار ماہ دس دن مقرر ہوئی۔ اکثر صحابہ اور تابعین سے منقول ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ سعید بن مسیب کہتے ہیں سورۂ احزاب کی آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ الخ نے اسے منسوخ کر دیا۔

مجاہد رح فرماتے ہیں سات مہینے بیس دن جو اصلی عدت چار مہینے دس دن کے سوا کے ہیں۔ اس آیت میں اس مدت کا حکم ہو رہا ہے عدت تو واجب ہے لیکن یہ زیادتی کی مدت کا عورت کو اختیار ہے خواہ وہیں بیٹھ کر یہ زمانہ گذارے خواہ نہ گذارے اور چلی جائے۔ میراث کی آیت نے رہنے سہنے کے مکان کو بھی منسوخ کردیا وہ جہاں چاہے عدت گذارے مکان کا خرچ خاوند کے ذمہ نہیں۔ پس ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت نے سال بھر کی عدت کو واجب ہی نہیں کیا پھر منسوخ ہونے کے کیا معنے؟ یہ تو صرف خاوند کی وصیت ہے اور اُسے بھی اگر عورت پورا کرنا چاہے تو کرے ورنہ اس پر جبر نہیں۔ وَصِيَّةً سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں وصیت کرتا ہے۔ جیسے يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ الخ اس کا نصب فَلْتُوْصُوْا لَهُنَّ کو محذوف مان کر ہے وَصِيَّةً پس اگر عورتیں سال تک اپنے فوت شدہ خاوندوں کے مکانوں میں رہیں تو انھیں نہ نکالا جائے۔ اور اگر وہ عدت گذار کر جانا چاہیں تو اُن پر کوئی جبر نہیں۔ امام ابن تیمیہؒ بھی اسی قول کو پسند فرماتے ہیں۔ اور بھی بہت سے لوگ اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ اور باقی جماعت اسے منسوخ بتلاتی ہے۔ پس اگر ان کا ارادہ اصلی عدت کے بعد کے زمانہ کے منسوخ ہونے کا ہے تو خیر ورنہ اس بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ خاوند کے گھر میں عدت گذارنی ضروری ہے اور اس کی دلیل مؤطا مالک کی یہ حدیث ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضؓ کی ہمشیرہ صاحبہ فریعہ بنت مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا ہمارے غلام بھاگ گئے تھے جنہیں ڈھونڈھنے کے لئے میرے خاوند گئے۔ قدوم میں اُن غلاموں سے ملاقات ہوئی لیکن اُنھوں نے آپ کو قتل کردیا۔ اُن کا کوئی مکان نہیں جس میں عدت گذاروں اور نہ کچھ کھانے پینے کو ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو اپنے میکے چلی آؤں اور وہیں عدت پوری کروں۔ آپ نے فرمایا اجازت ہے۔ میں لوٹی ابھی تو حجرے ہی میں تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلوایا یا خود بلایا اور فرمایا تم نے کیا کہا۔ میں نے پھر قصہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا اپنے گھر میں ہی ٹھہری رہو یہاں تک کہ عدت گذر جائے چنانچہ میں نے وہیں عدت کا زمانہ پورا کیا یعنی چار مہینے دس دن۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں آپ نے مجھے بلوایا اور مجھ سے یہی مسئلہ پوچھا۔ میں نے اپنا یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سمیت سُنایا۔ حضرت عثمان نے بھی اسی کی پیروی کی اور یہی فیصلہ دیا۔ اس حدیث کو امام ترمذی حسن صحیح کہتے ہیں۔ مطلقہ عورت کو فائدہ دینے کے بارے میں لوگ کہتے تھے کہ اگر ہم چاہیں دیں چاہیں نہ دیں۔ اس پر یہ آیت اُتری۔ اسی آیت سے بعض لوگوں نے ہر طلاق والی کو کچھ نہ کچھ دینا واجب قرار دیا ہے۔ اور بعض دوسرے بزرگوں نے اُسے اُن عورتوں کے ساتھ مخصوص مانا ہے جن کا بیان پہلے گذر چکا۔ یعنی جن عورتوں سے صحبت نہ ہوئی ہو اور مہر بھی مقرر نہ ہوا ہو اور طلاق دیدی جائے لیکن پہلی جماعت کا جواب یہ ہے کہ عام میں سے ایک صورت کا ذکر کرنا اُسی صورت کے ساتھ اُس حکم کو مخصوص نہیں کرتا۔ جیسے کہ مشہور اور منصور مذہب ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتیں حلال و حرام اور فرائض و حدود اور امر و نہی کے بارے میں واضح اور مفصل بیان کرتا ہے تاکہ کسی قسم کا ابہام اور اجمال باقی نہ رہے کہ ضرورت کے وقت اٹک بیٹھو بلکہ اس قدر صاف بیان ہوتا ہے کہ ہر شخص سمجھ سکے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ص فَقَالَ

(اے مخاطب) تجھ کو ان لوگوں کا قصہ تحقیق نہیں ہوا جو کہ اپنے گھروں سے نکل گئے تھے اور وہ لوگ ہزاروں ہی تھے موت سے بچنے کے لئے سو اللہ تعالیٰ نے

لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا قف ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

ان کے لئے حکم فرمادیا کہ مرجاؤ (سب مرگئے) پھر ان کو جلادیا بیشک اللہ تعالیٰ بڑا فضل کرنے والے ہیں لوگوں (کے حال) پر مگر اکثر (۲)

النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ① وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ

لوگ شکر نہیں کرتے (اس قصہ میں غور کرو) اور اللہ کی راہ میں قتال کرو اور یقین رکھو اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے (اور) خوب ۲

جاننے والے ہیں۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ط

کون شخص ہے (ایسا) جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے (اچھے طور پر قرض دینا) پھر اللہ تعالیٰ (کے ثواب) کو بڑھا کر بہت سے حصے کر دیوے

وَاللّٰهُ یَقْبِضُ وَیَبْصُطُ ص وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ③

اور اللہ کمی کرتے ہیں اور فراخی کرتے ہیں اور تم اسی کی طرف (بعد مرنے کے) لیجائے جاؤ گے۔

موت وحیات کے فیصلے من جانب اللہ ہیں

ابن عباس رضہ فرماتے ہیں۔ یہ لوگ چار ہزار تھے۔ اور روایت میں ہے کہ آٹھ ہزار تھے۔ بعض نو ہزار کہتے ہیں۔ بعض چالیس ہزار بتلاتے ہیں۔ بعض تیس ہزار سے کچھ اوپر بتلاتے ہیں۔ یہ لوگ ذروان نامی بستی کے تھے جو واسطی کی طرف ہے۔ بعض کہتے ہیں اس بستی کا نام اذرعات تھا۔ یہ لوگ طاعون کے مارے اپنے شہر کو چھوڑ بھاگے تھے ایک بستی میں جب پہنچے وہیں خدا کے حکم سے سب مر گئے اتفاق سے ایک نبی اللہ کا وہاں سے گذر ہوا اُن کی دعا سے خدا تعالیٰ نے پھر دوبارہ انھیں زندہ کر دیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں۔ ایک چٹیل صاف ہوادار کھلے پُر فضا میدان میں ٹھیرے تھے اور دو فرشتوں کی چیخ سے ہلاک کئے گئے تھے۔ جب ایک لمبی مدت گذر چکی ان کی ہڈیوں کا بھی چونا ہو گیا۔ اس جگہ بستی بس گئی تب حزقیل نامی ایک نبی وہاں سے نکلے۔ انھوں نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور حکم دیا کہ تم کہو کہ اے بوسیدہ ہڈیو اللہ تعالیٰ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم سب جمع ہو جاؤ چنانچہ ہر ہر جسم کی ہڈیوں کا ڈھانچ کھڑا ہو گیا پھر خدا کا حکم ہوا کہ ندا کرو کہ اے ہڈیو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم گوشت پوست رگیں پٹھے بھی جوڑ لو۔ چنانچہ اس نبی اللہ کے دیکھتے دیکھتے یہ بھی ہو گیا پھر آواز لگائی کہ اے روحو اللہ تعالیٰ کا تمھیں حکم ہو رہا ہے کہ ہر روح اپنے اپنے قدیم جسم میں آ جائے۔ چنانچہ یہ سب جس طرح ایک ساتھ مرے تھے اسی طرح ایک ساتھ جی اٹھے اور بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا سُبْحَانَكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ خدایا تو پاک ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہ دلیل ہے قیامت کے دن اسی جسم کے ساتھ دوبارہ جی اُٹھنے کی۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر بڑا بھاری فضل و کرم ہے کہ وہ زبردست ٹھوس نشانیاں اپنی قدرت قاہرہ کی دکھا رہا ہے لیکن باوجود اس کے بھی اکثر لوگ ناقدرے اور بے شکرے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی جگہ بچاؤ اور پناہ نہیں۔ یہ لوگ وبا سے بھاگے تھے اور زندگی کے حریص تھے تو اس کے خلاف عذاب آیا اور فوراً ہلاک ہو گئے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کی طرف چلے اور سرغ میں پہنچے تو حضرت ابو عبیدہ بن جراح وغیرہ سرداران لشکر ملے اور خبر دی کہ شام میں آجکل وبا ہے۔ چنانچہ اس میں اختلاف ہوا کہ اب وہاں جائیں یا نہ جائیں۔ بالآخر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب آئے اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ جب وبا کسی جگہ آئے اور تم وہاں ہو تو وہاں سے اُس کے ڈر سے بھاگو مت اور جب تم کسی جگہ وہاں کی خبر سن لو تو وہاں اس حالت میں جاؤ بھی مت۔ حضرت فاروق نے یہ سُنکر خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر وہاں سے واپس چلے گئے (بخاری مسلم) ایک اور روایت میں ہے کہ یہ خدا کا عذاب ہے جو اگلی امتوں پر ڈالا گیا تھا الخ

موت وحیات کے فیصلے ہو چکے اب جہاد سے فرار بزدلی ہے

پھر فرمایا جس طرح ان لوگوں کا بھاگنا انھیں موت سے نہ بچا سکا اسی طرح جہاد سے مُنہ موڑنا بھی بیکار ہے اجل اور رزق دونوں قسمت میں مقرر ہو چکے ہیں۔ رزق نہ بڑھے نہ گھٹے۔ موت نہ پہلے آئے نہ پیچھے ہٹے۔ اور جگہ ارشاد ہے کہ جو لوگ راہِ خدا سے رک بیٹھے ہیں اور اپنے ساتھیوں سے بھی کہتے ہیں کہ یہ جہادی شہدا بھی اگر ہماری طرح رہتے تو مارے نہ جاتے ان سے کہو کہ ذرا اپنی جانوں سے بھی تو موت کو ہٹا دو اگر تم سچے ہو۔ اور جگہ ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں خدایا ہم پر لڑائی کیوں لکھدی۔ کیوں نہ ہمیں یک وقت تک فرصت دی جس کے جواب میں فرمایا کہ مضبوط برج بھی موت کے سامنے ہیچ ہیں اس موقع پر اسلامی لشکروں کے جیوٹ سردار اور بہادروں کے پیشوا خدا کی تلوار اسلام کے پشت پناہ ابو سلیمان خالد بن ولید رضہ کا وہ ارشاد نقل کرنا مناسب ہو گا جو آپ نے اپنے

انتقال کے وقت فرمایا تھا کہ کہاں ہیں موت سے ڈرنے والے لڑائی سے جی چرانے والے نامرد وہ دیکھیں کہ میرا جوڑ جوڑ راہِ خدا میں زخمی ہو چکا ہے سارے جسم میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں تیر، تلوار، نیزہ، برچھا نہ لگا ہو لیکن دیکھو کہ آج میں اپنے بستر پر فوت ہو رہا ہوں میدانِ جنگ میں نہ مرا۔

قرضِ حسنہ

پھر پروردگارِ عالم اپنے بندوں کو اپنی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دے رہا ہے جو جگہ بہ جگہ دی جاتی ہے۔ حدیثِ نزول میں بھی ہے۔ کون ہے جو ایسے خدا کو قرض دے جو نہ مفلس ہے نہ ظالم۔ اس آیت کو سن کر حضرت ابوالاحداح انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تھا یا رسول اللہ کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض طلب فرماتا ہے آپ نے فرمایا ہاں۔ فرمایا اپنا ہاتھ دیجئے پھر ہاتھ میں ہاتھ لیکر کہا۔ حضور میں نے اپنا باغ جس میں چھ سو کھجور کے درخت ہیں اللہ تعالیٰ کو قرض دیا اور وہاں سے سیدھے اپنے باغ آئے اور باہر ہی کھڑے رہ کر اپنی بیوی صاحبہ کو آواز دی کہ بچوں کو لے کر باہر آجاؤ میں نے یہ باغ راہِ خدا میں دیدیا (ابن ابی حاتم)۔ قرضِ حسن سے مراد راہِ خدا کا خرچ ہے اور بال بچوں کا خرچ بھی ہے اور تسبیح و تقدیس بھی ہے۔ پھر فرمایا کہ خدا اُسے دوگنا چوگنا کرکے دے گا۔ جیسے اور جگہ ہے مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ الخ یعنی خدا کی راہ کے خرچ کی مثال اس دانے جیسی ہے جس کی سات بالیں نکلیں اور ہر بال میں سات دانے ہوں اور خدا اس سے بھی زیادہ جسے چاہے دیتا ہے الخ۔ اس آیت کی تفسیر بھی عنقریب آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت ابوہریرہ رضی سے ابو عثمان نہدی پوچھتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ایک ایک نیکی کا بدلہ ایک ایک لاکھ نیکیوں کا ملتا ہے۔ آپ نے فرمایا اس میں تعجب کیا کرتے ہو میں نے نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ایک نیکی کا بدلہ دو لاکھ کے برابر ملتا ہے (مسند احمد) لیکن یہ حدیث غریب ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت ابو عثمان نہدی فرماتے ہیں مجھ سے زیادہ حضرت ابوہریرہ رضی کی خدمت میں کوئی نہیں رہتا تھا۔ آپ حج کو گئے پھر پیچھے سے میں بھی گیا۔ بصرہ پہنچکر میں نے سنا کہ وہ لوگ حضرت ابوہریرہ رضی کی روایت سے مندرجہ بالا حدیث بیان کرتے ہیں میں نے ان سے کہا خدا کی قسم سب سے زیادہ آپ کا صحبت یافتہ میں ہوں میں نے تو کبھی بھی آپ سے یہ حدیث نہیں سنی۔ پھر میرے جی میں آئی کہ چلوں چل کر خود حضرت ابوہریرہ رضی سے پوچھ لوں۔ چنانچہ میں وہاں سے چلا آیا یہاں آیا تو معلوم ہوا کہ وہ حج کو گئے ہیں میں صرف اس ایک حدیث کی خاطر مکہ کو چل کھڑا ہوا۔ وہاں آپ سے ملاقات ہوئی میں نے کہا حضرت یہ بصرے والے آپ سے کیسی روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا واہ اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔ پھر یہی آیت پڑھی اور فرمایا کہ ساتھ ہی یہ قول باری بھی پڑھو فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا قَلِیْلٌ ۝ یعنی ساری دنیا کا اسباب آخرت کے مقابلہ میں حقیر چیز ہیں خدا کی قسم میں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ایک نیکی کے بدلے اللہ تعالیٰ دو لاکھ نیکیاں عطا فرماتا ہے۔ اسی مضمون کی ترمذی کی یہ حدیث بھی ہے کہ جو شخص بازار میں جائے اور وہاں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اور ایک لاکھ گناہ معاف فرماتا ہے الخ۔ ابن ابی حاتم میں ہے مَثَلُ الَّذِیْنَ الخ کی آیت جب اتری تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ خدایا میری امت کو اور زیادتی عطا فرما پس مَنْ ذَا الَّذِیْ الخ کی آیت اتری آپ نے پھر بھی یہی دعا کی تو اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝ کی آیت اتری۔ حضرت کعب احبار سے ایک شخص نے کہا میں نے ایک شخص سے یہ سنا ہے کہ جو شخص سورہ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ الخ کو ایک دفعہ پڑھے اس کے لئے موتی اور یاقوت کے دس لاکھ محل جنت میں بنتے ہیں۔ کیا میں اُسے سچ مان لوں۔ آپ نے فرمایا اس میں تعجب کی کونسی بات ہے بلکہ بیس اور بھی اور بیس لاکھ اور بھی۔ اور اس قدر کہ اُن کی گنتی بجز جناب باری کے کسی کو معلوم ہی نہ ہو۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا جب اللہ تعالیٰ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً فرماتا ہے تو پھر اُسے مخلوق گنتی کی طاقت کیسے رکھے گی؟ پھر فرمایا رزق کی کمی بیشی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے بخیلی نہ کرو۔ وہ جسے دے اس میں بھی حکمت ہے اور نہ دے اس میں بھی مصلحت ہے تم سب قیامت کے دن اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ

(اے مخاطب) تجھ کو بنی اسرائیل کی جماعت کا قصہ جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوا ہے تحقیق نہیں ہوا جبکہ ان لوگوں نے اپنے ایک پیغمبر سے کہا کہ

ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ

ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے کہ ہم اللہ کی راہ میں (جالوت سے) قتال کریں ان پیغمبر نے فرمایا کہ کیا یہ (احتمال) ہے کہ اگر تم کو جہاد کا حکم

عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

دیا جاوے تو تم (اس وقت) جہاد نہ کرو وہ لوگ کہنے لگے کہ ہمارے واسطے ایسا کون سبب ہوگا کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد نہ کریں

وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا

حالانکہ ہم اپنی بستیوں اور اپنے فرزندوں سے بھی جدا کر دیئے گئے ہیں پھر جب ان لوگوں کو جہاد کا حکم ہوا تو باستثناء

إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ②

ایک قلیل مقدار کے (باقی) سب پھر گئے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتے ہیں۔

ترغیب جہاد

جس نبی کا یہاں ذکر ہے ان کا نام حضرت قتادہؒ نے حضرت یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب علیہم السلام بتلایا ہے لیکن یہ قول کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہت بعد کا حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے کا ہے جیسے کہ صراحتًہ وارد ہوا ہے۔ اور حضرت داؤدؑ اور حضرت موسیٰؑ کے درمیان ایک ہزار سال سے زیادہ کا فاصلہ ہے۔ واللہ اعلم۔ سدی کا قول ہے کہ یہ پیغمبر حضرت شمعون ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں یہ شمویل بن یالی بن علقمہ بن ترخام بن یہد بن بہرض بن علقمہ بن ماجب بن عمرصا بن عزریا بن صفیہ بن علقمہ بن ابو یاشف بن قارون بن یصہر بن قاحث بن لاوی بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد کچھ زمانہ تک تو بنی اسرائیل راہِ حق پر رہے پھر شرک و بدعت میں پڑ گئے مگر تاہم ان میں پے در پے انبیاء مبعوث ہوتے رہے یہاں تک کہ بنی اسرائیل کی بے باکیاں حد سے گذر گئیں اب اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو ان پر غالب کر دیا خوب پٹے کٹے اور اجڑے لٹے۔ پہلے تو توراۃ کی موجودگی تابوت سکینہ کی موجودگی جو حضرت موسیٰؑ سے موروثی چلی آتی تھی ان کے لئے باعث غلبہ ہوتی تھی مگر ان کی سرکشی اور بدترین گناہوں کی وجہ سے خدا کی یہ نعمت بھی ان کے ہاتھوں سے چھن گئی اور نبوت بھی ان کے گھرانے میں ختم ہو گئی۔ لاوی جن کی اولاد میں پیغمبری کی نسل چلی آ رہی تھی وہ سارے کے سارے لڑائیوں میں مر کھپ گئے ان میں سے صرف ایک حاملہ عورت رہ گئی تھی ان کے خاوند بھی قتل ہو چکے تھے، اب بنی اسرائیل کی نظریں اس عورت پر تھیں انہیں امید تھی کہ خدا اسے لڑکا دے اور وہ لڑکا نبی بنے خود ان بیوی صاحبہ کی بھی دن رات یہی دعا تھی جو خدا نے قبول فرمائی اور انہیں لڑکا دیا جن کا نام شمویل یا شمعون رکھا اس کے لفظی معنی ہیں کہ خدا نے میری دعا قبول فرمائی نبوت کی عمر پہنچ کر انہیں بھی نبوت ملی۔ جب آپ نے دعوتِ نبوت دی تو قوم نے درخواست کی کہ آپ ہمارا بادشاہ مقرر کر دیجئے تاکہ ہم اس کی ماتحتی میں جہاد کریں بادشاہ تو ظاہر ہو ہی گیا تھا لیکن پیغمبر نے اپنا اندیشہ ظاہر کیا کہ کہیں تم پھر جہاد سے جی نہ چراؤ۔ قوم نے جواب دیا کہ حضرت ہمارے ملک ہم سے چھین لئے گئے ہمارے بال بچے گرفتار کئے گئے اور پھر بھی کیا ہم ایسے بے حمیت ہیں کہ مرنے مارنے سے ڈریں؟ اب جہاد فرض کر دیا گیا اور حکم ہوا کہ اس بادشاہ کے ساتھ اٹھو۔ بس سنتے ہی سُن ہو گئے اور سوائے معدودے چند کے باقی سب نے منہ موڑ لیا ان سے یہ کوئی نئی بات نہ تھی جس کا خدا کو علم نہ ہوا۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا

اور ان لوگوں سے ان کے پیغمبر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا کہنے لگے ان کو ہم پر حکمرانی کا کیسے حق حاصل ہو سکتا ہے

وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ

حالانکہ بہ نسبت ان کے ہم حکمرانی کے زیادہ مستحق ہیں اور ان کو تو کچھ مالی وسعت بھی نہیں دی گئی ان پیغمبر نے (جواب میں) فرمایا کہ (اول) تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقابلہ میں

وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (۵)

اور (دوسرے) علم اور جسامت میں اُن کو زیادتی دی ہے۔ اور (تیسرے) اللہ تعالیٰ اپنا ملک جس کو چاہیں دیں۔ اور (چوتھے) اللہ تعالیٰ وسعت دینے والے ہیں جاننے والے ہیں۔

طالوت کی شہنشاہیت

مطلب یہ ہے کہ جب بادشاہ بنادینے کی خواہش انھوں نے اپنے پیغمبرؑ سے کی تو پیغمبرؑ نے بحکم خدا حضرت طالوت کو پیش کیا جو شاہی خاندان سے نہ تھے بلکہ ایک لشکری تھے شاہی خاندان یہودا کی اولاد تھی اور یہ ان میں سے نہ تھے تو قوم نے اعتراض کیا کہ حقدار بادشاہت کے تو اس سے بہت زیادہ ہم ہیں پھر دوسری بات یہ کہ اسکے پاس مال بھی نہیں مفلس شخص ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ سقے تھے کسی نے کہا ہے یہ دباغ تھے۔ پس پہلی سرکشی تو اعتراض کی صورت میں احکام نبوی کے سامنے انسے یہ ہوئی پیغمبرؑ نے انھیں جواب دیا کہ یہ تعیین میری رائے سے نہیں ہے جسمیں میں دوبارہ غور کرسکوں یہ تو حکم خدا ہے جسکی بجاآوری ضروری ہے پھر وہ تم میں بڑے عالم ہیں اور قوی اور طاقتور شکیل وجمیل شجاع وبہادر اور لڑائی کے فنون سے پورے واقف کار ہیں۔ یہاں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بادشاہ ذی علم شکیل قوی طاقتور اور مدبر ذی رائے ہونا چاہیے۔ پھر فرمایا کہ اصلی اور حقیقی حاکم اللہ تعالیٰ ہی ہے ملک کا مالک فی الواقع وہی ہے جسے چاہے ملک دے وہ علم وحکمت والا رأفت و رحمت والا ہے اس سے کس کی مجال کہ سوال کرے جو چاہے کرے سب سے سوال کرنے والا کوئی نہ کوئی ہے لیکن پروردگار اس سے مستثنیٰ ہے وہ وسیع فضل والا ہے نعمتوں سے جسے چاہے مخصوص کردے وہ علم والا ہے خوب جانتا ہے کہ کون کس چیز کا مستحق ہے اور کسے کس چیز کا استحقاق نہیں

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَن يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ

اور ان سے اُن کے پیغمبر نے فرمایا کہ اُن کے (منجانب اللہ) بادشاہ ہونے کی یہ علامت ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجاویگا جسمیں تسکین (اور برکت کی چیز) ہے تمہارے رب کی طرف سے اور کچھ

مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (۶) ع ۳ ۱۶

جن کو حضرت موسیٰ وحضرت ہارون (علیہم السلام) چھوڑ گئے ہیں اس صندوق کو فرشتے لے آدیں گے اس میں تم لوگوں کے واسطے پوری نشانی ہے۔ اگر تم یقین لانے والے ہو۔

واقعہ کی تفصیل

نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ طالوت کی بادشاہت کی پہلی علامت برکت یہ ہے کہ کھویا ہوا تابوت سکینہ تمہیں پھر مل جائیگا جسمیں وقار وعزت دلجمعی اور جلالت رأفت و رحمت ہے جسمیں خدا کی نشانیاں ہیں جنہیں تم بخوبی جانتے ہو۔ بعض کا قول ہے کہ سکینہ ایک سونے کا طشت تھا جسمیں انبیاء کے دل دھوئے جاتے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملا تھا اور جسمیں آپنے توراۃ کی تختیاں رکھی تھیں۔ کسی نے کہا ہے اسکا منہ بھی تھا جیسے انسان کا منہ ہوتا ہے اور روح بھی تھی ہوا بھی تھی دو سر تھے دو پر تھے اور دُم بھی تھی۔ وہب کہتے ہیں مردہ بلی کا سر تھا جب وہ تابوت میں بولتا تو انھیں نصرت کا یقین ہوجاتا اور لڑائی فتح ہوجاتی یہ قول بھی ہے کہ یہ ایک روح تھی خدا کی طرف سے جب کبھی بنی اسرائیل میں کوئی اختلاف پڑتا یا کسی بات کی اطلاع نہ ہوتی تو وہ کہہ دیا کرتی تھی۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے ورثے کے باقی حصے سے مراد لکڑی اور توراۃ کی تختیاں اور من اور کچھ انکے کپڑے۔ اور جوتی ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ فرشتے آسمان وزمین کے درمیان اس تابوت کو اٹھائے ہوئے سب لوگوں کے سامنے آئے اور حضرت طالوت بادشاہ کے سامنے لا رکھا۔ اس تابوت کو انکے ہاں دیکھ کر انھیں نبی کی نبوت اور طالوت کی بادشاہت کا یقین ہوگیا یہ بھی کہا گیا ہو کہ یہ گدھے پر لایا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ کفار نے جب یہودیوں پر غلبہ پایا تو تابوت سکینہ کو انسے چھین لیا اور اریحا میں لیگئے اور اپنے بڑے بت کے نیچے رکھدیا جب خدا کو اُسے واپس بنی اسرائیل تک پہنچانا تھا تب وہ کفار صبح کو جب بتخانہ میں گئے تو دیکھا کہ بت نیچے ہے اور تابوت اوپر ہے انھوں نے پھر بت کو اوپر کردیا لیکن دوسری صبح دیکھا کہ پھر وہی معاملہ ہے انھوں نے پھر بت کو اوپر کردیا صبح کو جب گئے تو دیکھا کہ بت ایک طرف ٹوٹا پھوٹا پڑا ہے تو یقین ہوگیا کہ یہ قدرت کے کرشمے ہیں چنانچہ انھوں نے تابوت کو یہاں سے لیجا کر کسی اور چھوٹی سی بستی میں رکھدیا وہاں ایک وبائی بیماری پھیلی آخر بنی اسرائیل کی ایک عورت نے جو وہاں قید تھی انھیں کہا کہ اسے واپس بنی اسرائیل کو پہنچادو تو تمھیں اس سے نجات ملیگی اُن لوگوں نے دو گایوں پر تابوت کو چڑھا کر بنی اسرائیل کے شہر کی طرف بھیجدیا شہر کے قریب پہنچکر گائیں تو رسیاں تڑوا کر بھاگ گئیں اور تابوت وہیں رہا جسے بنی اسرائیل لے آئے بعض کہتے ہیں دو نوجوان اسے پہنچا گئے واللہ اعلم لیکن الفاظ قرآن میں یہ موجود ہے کہ اسے فرشتے اٹھا لائیں گے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ فلسطین کی بستیوں میں سے ایک بستی میں تھا جس کا نام ازدوہ تھا۔

پھر فرماتا ہے میری نبوت کی دلیل اور طالوت کی بادشاہت کی دلیل یہ بھی ہے کہ تابوت فرشتے پہنچا جائیں گے اگر تمھیں خدا پر اور قیامت پر ایمان ہو۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي

پھر جب طالوت فوجوں کو لیکر (بیت المقدس سے عمالقہ کی طرف) چلے تو انھوں نے کہا کہ حق تعالیٰ تمھارا امتحان کرینگے ایک نہر سے سو جو شخص (افراط کیساتھ) اس کا پانی پیوے گا تو وہ میرے ساتھیوں میں نہیں

وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ

اور جو اس کو زبان پر بھی نہ رکھے وہ میرے ساتھیوں میں ہے لیکن جو شخص اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھرلے ۔ سو سب نے اس (بے تحاشا) پینا شروع کر دیا مگر تھوڑے آدمیوں نے ان میں سے

فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ

سو جب طالوت اور جو مومنین انکے ہمراہ تھے نہر سے پار اتر گئے کہنے لگے کہ آج تو ہم میں جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلہ کی طاقت نہیں معلوم ہوتی (یہ سن کر) ایسے لوگ جنکو یہ خیال تھا کہ وہ اللہ

أَنَّهُمْ مُلَاقُو اللّٰهِ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ①

کے روبرو پیش ہونیوالے ہیں کہنے لگے کہ کثرت سے بہت سی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر خدا کے حکم سے غالب آ گئی ہیں اور اللہ تعالیٰ استقلال والوں کا ساتھ دیتے ہیں۔

قصہ کے بعض اور اجزاء

اب واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ جب ان لوگوں نے طالوت کی بادشاہت تسلیم کر لی اور وہ انھیں لیکر جہاد کو چلے حضرت سدیؒ کے قول کے مطابق انکی تعداد اسی ہزار تھی راستے میں طالوت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمھیں ایک نہر کیساتھ آزمانیوالا ہے حضرت ابن عباسؓ کے قول کے مطابق یہ نہر اردن اور فلسطین کے درمیان تھی اسکا نام نہر الشریعہ تھا طالوت نے انھیں ہوشیار کر دیا کہ اس نہر کا پانی کوئی نہ پئے اگر پئیگا تو میرے ساتھ نہ چلے ایک آدھ گھونٹ اگر کسی نے پی لیا تو کچھ حرج نہیں لیکن جب وہاں پہنچے پیاس کی شدت تھی نہر پر جھک پڑے اور خوب پیٹ بھر کر پانی پی لیا مگر کچھ لوگ ایسے پختہ ایمان والے بھی تھے کہ جنھوں نے نہ پیا ایک چلو پی لیا بقول حضرت ابن عباسؓ کے ایک چلو پینے والوں کی تو پیاس بھی بجھ گئی اور وہ جہاد میں بھی شامل ہے لیکن پوری پیاس پینے والوں کی نہ تو پیاس بجھی نہ وہ قابل جہاد رہے سدی فرماتے ہیں اسی ہزار میں سے چھہتر ہزار نے پانی پی لیا صرف چار ہزار آدمی حقیقی فرمانبردار نکلے۔ حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بدر کی لڑائی والے دن ہماری تعداد اتنی ہی تھی جتنی تعداد حضرت طالوت بادشاہ کے اس فرمانبردار لشکر کی تھی جو آپکے ساتھ نہر سے پار ہوا تھا یعنی تین سو تیرہ یہاں سے پار ہوتے ہی نافرمانوں کے چھکے چھوٹ گئے اور نہایت بزدلانہ پن سے انھوں نے جہاد سے انکار کر دیا اور دشمنوں کی زیادتی نے انکے حوصلے توڑ دیئے صاف جواب دے بیٹھے کہ آج تو ہم جالوت کے لشکر سے لڑنے کی طاقت اپنے میں نہیں پاتے گو سرفروش مجاہد علماء کرام نے انھیں ہر طرح ہمت بندھوائی وعظ کہے فرمایا کہ قلت و کثرت پر فتح موقوف نہیں۔ صبر اور نیک نیتی پر ضرور خدا کی امداد ہوتی ہے۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ مٹھی بھر لوگوں نے بڑی بڑی جماعتوں کو نیچا دکھایا ہے صبر کرو طبیعت میں استقلال اور عزم رکھو خدا کے وعدوں پر نظریں رکھو۔ اس صبر کے بدلے خدا تمھارا ساتھ دے گا لیکن تاہم ان کے سرد دل نہ گرمائے اور ان کی بزدلی دور نہ ہوئی۔

وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ

اور جب جالوت اور اس کی فوجوں کے سامنے میدان میں آئے تو کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار ہم پر استقلال (غیب سے) نازل فرمائیے اور ہمارے قدم جمائے رکھیے اور ہم کو اس قوم

الْكَافِرِينَ ② فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللّٰهِ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَ

کافر پر غالب کیجئے۔ پھر طالوت والوں نے جالوت والوں کو خدا کے حکم سے شکست دیدی اور داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر ڈالا۔ اور انکو (یعنی داؤد کو) اللہ تعالیٰ نے سلطنت اور حکمت دی

عَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ ذُو فَضْلٍ

اور بھی جو جو منظور ہوا ان کو تعلیم فرمایا اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ بعضے آدمیوں کو بعضوں کے ذریعہ سے دفع کرتے رہا کرتے ہیں تو سرزمین (تمامتر) فساد سے پُر ہو جاتی لیکن اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں

عَلَى الْعَالَمِينَ ③ تِلْكَ آيَاتُ اللّٰهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ④

جہان والوں پر۔ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو صحیح صحیح طور پر ہم تم کو پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور (اس سے ثابت ہے کہ) آپ بلاشبہ پیغمبروں میں سے ہیں۔

فتح و شکست میں خدا کے حکم کو کارفرما جاننا ایمان کا رسوخ ہے

یعنی جس وقت مسلمانوں کی اس مختصر جماعت

نے کفار کے ٹڈی دل لشکر دیکھے تو جناب باری میں گڑگڑا کر دعائیں کرنی شروع کی کہ خدایا ہمیں صبر و ثبات کا پہاڑ بنا دے اور لڑائی کے وقت ہمارے قدم جما دے اُنھیں موڑنے اور بھاگنے سے ہمیں بچا لے اور ان دشمنوں پر ہمیں غالب کر۔ چنانچہ انکی یہ عاجزانہ اور مخلصانہ دعائیں قبول ہوتی ہیں خدا کی مدد نازل ہوتی ہے اور یہ مٹھی بھر جماعت اس ٹڈی دل لشکر کا تہس نہس کر دیتی ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں مخالفین کا سردار اور سرتاج جالوت مارا جاتا ہے۔ اسرائیلی روایتوں میں یہ بھی ہے کہ حضرت طالوت نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم جالوت کو قتل کرو گے تو میں اپنی بیٹی تمہارے نکاح میں دوں گا اور اپنا مال بھی آدھوں آدھ تمہیں دیدوں گا اور حکومت میں بھی برابر کا شریک کر لوں گا۔ چنانچہ حضرت داؤد نے پتھر کو فلاخن میں رکھ کر جالوت پر چلایا اور اسی سے وہ مارا گیا۔ حضرت طالوت نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ بالآخر سلطنت کے مستقل سلطان آپ ہی ہو گئے اور پروردگار عالم کی طرف سے بھی نبوت جیسی زبردست نعمت عطا ہوئی اور حضرت شمویل ؑ کے بعد یہ پیغمبر بھی بنے اور بادشاہ بھی۔ حکمت سے مراد نبوت ہے اور بہت سے مخصوص علم بھی جو خدا نے چاہے اپنے اس نبی کو سکھائے صلی اللہ علیہ وسلم۔ پھر ارشاد باری ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ یوں پست لوگوں کی پستی نہ بدلتا جس طرح بنی اسرائیل کو طالوت جیسے مدبر بادشاہ اور داؤد جیسے دلیر سپہ سالار عطا فرما کر بدلی تو لوگ ہلاک ہو جاتے۔ جیسے اور جگہ ہے وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا یعنی یوں اگر ایک دوسرے کا دفعیہ نہ ہوتا تو عبادت خانے اور وہ مسجدیں جن میں خدا کا نام بکثرت ذکر کیا جاتا ہے توڑ دی جاتیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ایک نیک بخت ایمان دار کی وجہ سے اُس کے آس پاس کے سو سو گھرانوں سے خدا تعالیٰ بلاؤں کو دُور کر دیتا۔ پھر راوی حدیث حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی آیت کی تلاوت کی (ابن جریر) لیکن اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ ابن جریر کی ایک اور غریب حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک سچے مسلمان کی صلاحیت کی وجہ سے اُس کی اولاد کی اولاد کو اس کے گھر والوں کو اور آس پاس کے گھر والوں کو سنوار دیتا ہے اور اس کی موجودگی تک وہ سب خدا کی حفاظت میں رہتے ہیں۔

ابن مردویہ کی ایک حدیث میں ہے کہ قیامت تک ہر زمانہ میں سات شخص تم میں ضرور ایسے رہیں گے جن کی وجہ سے تمہاری مدد کی جائیگی اور تم پر بارش برسائی جائے گی اور تمہیں روزی دی جائے گی۔ ابن مردویہ کی دوسری حدیث میں ہے میری امت میں تیس ابدال ہوں گے جن کی وجہ سے تم روزیاں دیئے جاؤ گے تم پر بارشیں برسائی جائیں گی اور تمہاری مدد کی جائے گی۔ اس حدیث کے راوی حضرت قتادہ رح فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے حضرت حسن رض بھی ان ہی ابدال میں سے تھے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت اور اس کا احسان ہے کہ وہ ایک کو دوسرے سے دفع کرتا ہے۔ وہی سچا حاکم ہے اُس کے تمام کام حکمت سے پُر ہوتے ہیں۔ وہ اپنی دلیلیں اپنے بندوں پر واضح فرما رہا ہے۔ وہ تمام مخلوق پر فضل و کرم کرتا ہے۔ یہ واقعات اور تمام حق کی باتیں اے نبی ہماری سچی وحی سے تمہیں معلوم ہوئیں۔ تم میرے سچے رسول ہو۔ میری ان باتوں کی اور خود آپ کی نبوت کی سچائی کا علم اُن لوگوں کو بھی ہے جن کے ہاتھوں میں کتاب ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے زوردار اور پُر تاکید الفاظ میں قسم کھا کر اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کی تصدیق کی۔

فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ

الحمد للہ تفسیر ابن کثیر اُردو کا دوسرا پارہ مکمل ہوا

ناشر
مکتبہ فیض القرآن دیوبند (یو۔پی)

THE UNIVERSITY LIBRARY
Allahabad
UGC-CL

Accession No. 377797 Ar+Pr

Call No. 215-9L
9

88/41477

Ram Nath
Book Binder
500, Katra, Allahabad